بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کی امن کی زندگی

سنہ ۹ھ سنہ ۱۰ھ سنہ ۱۱ھ

قیامِ امن، اشاعتِ اسلام، تاسیسِ خلافت، تکمیلِ شریعت

قیامِ امن

عرب کی عام بدامنی

گزشتہ ابواب[1] کو پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں رہتی کہ اُس وقت تک گو فطری صلاحیت و استعداد کے رُو سے عرب کا ذرّہ ذرّہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظامِ شمسی کے تابع نہ تھا۔ یُوں تو تمام جزیرۂ عرب ایک واحد ملک اور ایک متّحد قوم تھا۔ تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اُس کے ملکی و قومی اتّحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہُوا جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خُدا تھا اسی طرح قبیلہ کے جُدا جُدا رئیس تھے۔ جنوبی عرب میں حمیری، اذواء اور اقیال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ شمالی عرب میں بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم، جذام، بنو حنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس، خزرج، ثقیف اور

---

[1] پورا باب اضافہ از ص ۱ تا ۱۱

قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں۔ بکر و تغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی ابھی خاتمہ ہوا تھا۔ کندہ اور حضرموت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے۔ اوس و خزرج لڑ لڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے۔ خاص حرم میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حربِ فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکۂ کارزار بنا ہوا تھا۔

پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے۔ تمام ملک قتل و غارت گری سفاکی، خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا۔ تمام قبائل غیر مختتم سلسلۂ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام، تار اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی۔ ملک کا ذریعۂ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزرنا محال تھا۔ حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں اثر اور اقتدار رکھتے تھے تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں بآسانی پہنچ سکتا تھا۔ شہورِ حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے۔ بایں ہمہ لڑائیوں کے جواز کے لئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیئے جاتے تھے۔ ابو علی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے:

وذلك لانهم كانوا يكرهون ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر لا تمكنهم الا غارة فيها لان معاشهم كان من الاغارة	یہ اس لئے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے متصل ان پر غارت گری کے بغیر گزر جائیں کیونکہ غارت گری ہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔

لے کتاب الامالی جلد اول۔ ۲ے صحیح بخاری ذکر اسلم وغفار۔

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعۂ معاش کے لئے یہی موسم بہار تھا۔ مکہ کے آس پاس اسلم و غفار وغیرہ قبائل آباد تھے جو حاجیوں کا اسباب چرانے میں بدنام تھے۔ طے نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا لیکن دزدانِ طے بھی اپنی شہرت میں اُن سے کم نہ تھے۔ سلیک ابن السلکہ اور تابط شرا عرب کے مشہور شاعر تھے لیکن اُن کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے پُر فخر کارنامے تھے۔

ملک میں اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبدالقیس جو بحرین کا ایک طاقتور قبیلہ تھا ۸ھ تک مصری قبائل کے ڈر سے اشہرِ حرم کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رُخ نہیں کر سکتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد بھی جب ملک میں سکون شروع ہو چکا تھا، مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا اور اب بھی لوگ ڈاکے ڈالتے رہتے تھے۔ ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لئے جاتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی خود دارالاسلام کے چراگاہوں میں بھی چھاپے مارے جاتے تھے آنحضرتؐ جب لوگوں کو ملک کے امن و امان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب صنعا سے ایک خاتون محمل نشیں تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہوگا تو لوگوں کو تعجب آتا تھا۔ ۹ھ میں ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے گا۔" اتنے بڑے ملک میں صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی جہاں لوگوں کو

---

۱ صحیح بخاری: باب علامات النبوۃ۔ ۲ صحیح بخاری کتاب الایمان ۳ ابوداؤد: کتاب الادب، باب الحذر

۴ طبقات ابن سعد، جزء مغازی ۵ دیکھو غزوۂ سویق و غزوۂ غابہ ۶ صحیح بخاری: باب علامات النبوۃ۔

۷ صحیح بخاری۔

اطمینان میسر آسکتا تھا۔ خدا نے قرآن مجید میں اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

(قریش: ۳-۴)

آن کو چاہیئے کہ اس گھر کے اس مالک کو پوجیں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کرکے اُن کو امن بخشا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ

(العنکبوت: ۶۷)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم ان کے لئے بنایا اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے چاروں طرف سے آدمی اچک لئے جاتے ہیں۔

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرتؐ عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے امان میں لے کر صرف اتنا موقع دلا دو کہ خدا کی آواز لوگوں تک پہنچا سکوں لیکن کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ تمام مسلمان عرب کی فضا میں سانس تک نہیں لے سکتے تھے۔ تلاش امن کے لئے افریقہ و حبش کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ جو عرب میں رہ گئے تھے، وہ ہدف مظالم گوناگوں تھے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی اسی حالت کا ذکر ان آیتوں میں کرتا ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

(الانفال: ۲۶)

یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے اور کمزور تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔

اسی ملکی شورش اور بدامنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک میں کوئی تحریک بھی بغیر حفاظتی فوجی تدبیر کے

کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ سرورِ عالمؐ کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی۔ اس کے لئے تیغ و خنجر اور فوج و لشکر کی حاجت نہ تھی۔ لیکن ایک طرف تو دشمن حملہ پر حملہ کرتے چلے آتے تھے، اور دوسری طرف ہر جگہ دعاۃِ اسلام کی جانیں معرضِ خطر میں رہتی تھیں۔ تجارت کے قافلے جن پر اصل میں ملک کی معاش کا دار و مدار تھا، غیر مامون تھے۔ چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزواتِ نبویؐ کے اسباب و انواع میں گزر چکے ہیں۔

بیرونی خطرات

بہر حال یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی۔ بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے۔ ملک کے تمام سرسبز و زرخیز صوبے روم و فارس دو عظیم الشان طاقتوں کے پنجہ میں تھے۔ تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی یمن، عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے اور ان کے زیرِ اقتدار برائے نام عرب روسار حکمران تھے۔ حدودِ عراق میں آلِ منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندرونِ ملک میں بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ حجاز میں اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود میں سمجھتے تھے چنانچہ ۶ھ میں شاہِ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا کہ "میرے غلام کو جو حجاز میں مدعیٔ نبوت بنا ہے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔"

رومیوں نے حدودِ شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ آلِ غسان اور چھوٹے چھوٹے عرب روسا نے، جنہوں نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، اُن کی ماتحتی قبول کر لی تھی۔ ۸ھ کے بعد رومی ان عیسائی روسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے جس کا ظہور واقعہ تبوک اور مؤتہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔

یہودیوں کی قوت

رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی اور وہ مجبوراً

حدودِ شام سے قلب حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے اور اپنے لئے مدینہ سے شام تک متصل قلعے تعمیر کرلئے تھے۔ یہ مقامات ان کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی۔ قریظہ، قینقاع[1] خیبر، فدک، تیماء، وادی القریٰ[2] وغیرہ ان کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ قرآن مجید میں حسب ذیل آیات میں یہودیوں کے ان ہی قلعوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ (الحشر: ۱۴)	وہ قلعہ بند آبادیوں یا دُھس کے پیچھے بغیر یوں مل کر مقابلہ نہیں کر سکتے۔
وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ (الاحزاب: ۲۶)	خدا نے ان یہودیوں کو جنہوں نے اُن کی مدد کی تھی اُن کے قلعوں سے اتارا

زمانۂ قدیم میں مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالک یورپ میں ان کو جس طرح ملک کی پالیٹکس کا خطرناک عنصر بنا دیا تھا بعینہٖ یہی حال ان کا عرب میں بھی تھا۔ ان چند قلعوں کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آنحضرتؐ کو متعدد لڑائیاں صرف ان کی شرارت سے لڑنی پڑیں۔ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخریہ کہتے تھے "بیچارہ مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں۔ مسلمانوں کو ہماری قلعوں سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو۔"

---

[1] معجم البلدان یاقوت میں ان مقامات کے حالات پڑھو۔

[2] کتب مغازی و سیر میں اُن کے حالات دیکھو۔ بخاری میں ابواب قتل کعب بن اشرف و رافع بن خدیج۔

غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لئے عام انسانی دست و بازو بیکار تھے۔ خدا کا غیر مرئی ہاتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین میں پوشیدہ تھا۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ[1] ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششوں اور پیہم اصلاحت کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔ عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نا اتفاقی اور باہمی جنگ و جدال میں مضمر تھا اور اس نا اتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانوں اور نسلوں میں منقسم تھا۔ تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لئے اُن میں کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لئے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ[2] اور واقعہ اس روحانی رشتہ نے خون قرابت اور نسل کے تار و پود اُدھیڑ دیئے اور صرف ایک کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کی برقی رَو اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے۔

خدائے پاک نے قرآن مجید میں اُس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ	خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم
أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ	ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے
بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا[3]	دلوں کو جوڑ دیا۔ پھر اُس کے لطف و محبت
(آل عمران: ۱۰۳)	سے بھائی بھائی بن گئے۔

خدا نے خود آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "محمدؐ! یہ تیرا کام نہ تھا، اس میں خود خداوند کریم

---

[1] الانفال: ۱۷۔ [2] الحجرات: ۱۰۔

مقلب القلوب کا ہاتھ کام کر رہا تھا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

(الانفال، ۶۲-۶۳)

وُہ خدا ہی ہے جس نے (محمدؐ) اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تجھ کو قوت بخشی اور اسی نے مسلمانوں کے دل باہم جوڑ دیئے اگر تو تمام دنیا کے خزانے بھی لٹا دیتا تو بھی اُن کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا لیکن خدا نے ان کے دل باہم جوڑ دیئے وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو مواخات اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا۔

قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات میں فتنہ و فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعلِ انسانی قرار دیا اور اس فعل کے مرتکب کے لئے سخت سزائیں مقرر کیں۔ چوری کے لئے قطعِ ید کی سزا متعین کی، رہزنی کے لئے قتل، پھانسی، قطعِ ید اور جلاوطنی کی تعزیریں جاری کیں۔ سورہ مائدہ میں خونریزی اور قتل و سفاکی کے انسداد کے لئے قصاص کا قانون نازل ہوا۔ عملاً ملک میں قیامِ امن کے لئے آنحضرتؐ نے متعدد بار فوجیں بھیجیں۔ رہزن قبائل پر چھاپے مارے[1]۔ حجاز میں جن قبائل کا پیشہ چوری تھا وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے[2]۔ فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلے کے لئے قوانین

---

[1] دیکھو غزواتِ نبوی پر دوبارہ نظر۔ [2] صحیح بخاری ذکر غفار و اسلم۔

وضع ہوئے اور جابجا عمّال کا تقرّر ہوا۔

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا وہ انسانوں کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی۔ ورنہ ایک پیغمبر کا فرض ایک مقنّن اور ایک عام مدبّر کے فرائض سے بدرجہا بلند ہے۔ اسلام کے قانون تعزیرات نے جو کچھ کام کیا، قرآن کا رُوحانی اثر اور خاتم الانبیاؐ کا فیضِ تلقین اس سے پہلے فردِ قرار دادِ جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا۔ قانون وخوف تعزیر صرف بازاروں میں اور انسانوں کے عام مجمعوں میں جرائم سے باز رکھ سکتا ہے۔ لیکن دعوتِ اسلام کے فیضِ اثر نے دلوں کو بالکل خُدا کے سامنے کر دیا جو رات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور مقفّل دروازوں کی کھڑکیوں سے بھی جھانکتا تھا۔ اور اب تمام ملک میں امن و امان تھا اور عدی بن حاتمؓ نے شہادت دی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی پیش گوئی کے مطابق لوگ صنعاؔ سے حجاز تک تنِ تنہا سفر کرتے تھے اور خشیتہ الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ تھا۔[1] ایک یورپین مؤرخ نے جس کے قلم نے پیغمبرِ اسلام کی مدح کے لئے بہت کم جنبش کی ہے (مارگولیوس) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

"محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمّل نہیں رہ گیا۔ آپؐ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرّر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپؐ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور اُن میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] لائف آف محمدؐ: مارگولیوس۔

اُن کے انسداد کی تدابیر

بیرونی خطرات کے انسداد کے لئے خدا نے عجیب و غریب سامان پیدا کر دیئے۔ قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیوں نے اسلام کو پامال کرنا چاہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور ہو گئے۔ ۳ھ سے لے کر ۷ھ تک متواتر لڑائیاں پیش آئیں اور آخر فتح خیبر پر اُن کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ رومیوں نے اور حدودِ شام کے عیسائی عربوں نے اسلام کے استیصال کا بیڑا اٹھایا۔ عیسائی رؤسائے عرب میں سب سے زیادہ طاقتور اور پُر زور غسانی تھے جو رومیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کام کرتے تھے۔ بہراء، روائل، بکر، لخم، جذام اور عاملہ وغیرہ عرب قبائل ان کے ماتحت تھے۔ اُن کے علاوہ دومۃ الجندل، ایلہ، جربا، اذرح، تبالہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے۔ غسانیوں کے حملہ کی ابتدا جس طرح ہوئی وہ اوپر گزر چکا ہے۔ حارث بن عمیرؓ جو شاہ بصریٰ کے دربار میں دعوتِ اسلام کا خط لے کر گئے تھے ان کو غسانیوں نے راستہ میں قتل کر دیا۔ آنحضرتؐ نے تین ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ تادیب و انتقام کے لئے روانہ فرمایا۔ غسانی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر میدان میں آئے اور خبر تھی کہ رومی بھی اسی قدر فوج لئے ہوئے موقع سے قریب مواب میں پڑے ہیں تاہم مٹھی بھر مسلمان آدمیوں کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانیں کھو کر فوج کو میدانِ جنگ سے ہٹا لائے اس جنگ کا نام غزوۂ موتہ ہے۔

اس کے بعد ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ دم بہ دم خبریں آتی رہتی تھیں کہ رومی حملہ آوری کے لئے عیسائی عربوں کی ایک فوج گراں ترتیب دے رہے ہیں اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہیں۔ یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی میں مصروف ہیں اور گھوڑوں کی نعلبندی بھی کر رہے ہیں۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے تیس ہزار صحابہؓ کے ساتھ

پیش قدمی فرمائی اور بیس دن تک دشمنوں کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن کوئی مقابل نہ آیا۔ تاہم اس پیش قدمی کا فائدہ یہ ہوا کہ غسانیوں کے علاوہ تمام روسا نے رومیوں کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کر لی۔ سنہ ۱۱ھ میں زمانۂ مرض الموت میں آنحضرتؐ نے اسامہ بن زیدؓ کی زیر افسری رومیوں کے مقابلہ کے لیے پھر فوجیں روانہ فرمائیں لیکن اس مہم کا اختتام عہدِ صدیقی میں ہوا۔

ایرانیوں کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی۔ سنہ ۱۰ھ میں دعاۃ اسلام کے پہنچنے کے ساتھ ہی بے مقابلہ و جنگ یمن، عمان اور بحرین میں ان کی قبائے حکومت کا تار تار الگ ہو گیا۔

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیہم کوششوں اور مافوق طاقت بشری تائیدات کے سبب سے اب تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ قریش اور یہود کی سازشوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ قبائل کی خانہ جنگیاں مٹ گئیں۔ تمام رہزن اور ڈاکو۔ حتے رام ہو گئے۔ بیرونی خطرات کا انسداد ہو گیا۔ اب موقع ملا کہ صلح و آشتی کے ساتھ حسب فرمانِ الٰہی اصل مقصود کی طرف توجہ کی جائے۔

لہ اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے غزوہ موتہ اور تبوک کے ذکر میں گزر چکے ہیں۔

تبلیغ و اشاعتِ اسلام

سرورِ کائناتؐ کا اصلی کام تمام عالم میں دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقۂ اسلام میں لانا تھا۔ اس کے لئے تیغ و خنجر اور فوج و عسکر کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی صدا اطرافِ عالم میں پہنچ جانے پائے۔ لیکن مکّہ میں تیرہ برس تک اعدائے اسلام اسی کے سدِّ راہ رہے۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ آنحضرتؐ ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغام پہنچانے سے روکتے ہیں۔ تم اس کا موقع دلا دو اور خود سنو۔ لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی حامی نہیں بھرتا تھا۔

مکّہ میں اشاعتِ اسلام

تاہم آفتابِ حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطحِ قلوب پر پڑتی تھیں اور اکناف و حوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں۔ اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدائے اسلام نے انجام دیا۔ جب حج کا زمانہ آتا تو روسائے قریش عام گزرگاہوں پر خیمے لگاتے۔ باہر کے لوگ اُن سے ملنے آتے اور چونکہ بعثتِ نبویؐ کا چرچا پھیل چکا تھا، لوگ اس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظِ ماتقدم کے لئے اُن سے کہتے کہ "ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔

یہاں تک کہ لات و عزیٰ تک کو بُرا کہتا ہے۔"

بدعقیدہ کو عربی میں صابی کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً نماز کی صورت، صابئین کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں، قریش نے آنحضرتؐ کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب میں آپؐ کا نام مشہور ہو گیا۔[1]

صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابیؓ سے روایت ہے کہ "میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والوں سے سُنا کرتا تھا کہ مکہ میں ایک مُدّعی نبوت پیدا ہوا ہے۔"[2]

ملک میں جب آپؐ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہورِ عام پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپؐ کی طرف رُخ نہیں کیا لیکن اتنا بڑا وسیع ملک اُن لوگوں سے خالی نہیں ہو سکتا تھا جن کو یہ شوق پیدا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ عرب میں ایسے لوگوں کی خاصی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو بُت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کے متجسس تھے۔ بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے جن کا تذکرہ آغازِ کتاب میں گزر چکا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں متعدد ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرتؐ کی تحقیقِ حال کے لئے مکہ میں آنحضرتؐ کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے۔ حضرت ابُوموسیٰ اشعریؓ یمنی (اور طفیل بن عمر دوسیؓ یمنی) کے خاندان میں جو اسلام پھیلا اس کی ابتدا قیامِ مکہ ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔

طفیل بن عمروؓ کا اسلام

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب میں شعرا کا اثر بہت تھا یعنی وہ قبیلہ کے قبیلہ کو

---

[1] صحیح بخاری کتاب التیمم [2] صحیح بخاری کتاب المغازی [3] اضافہ تا قصہ ابوذرؓ

جدھر چاہتے تھے اُدھر کر دیتے تھے، اس لئے قریش نے کوشش کی کہ وُہ کسی طرح آنحضرتؐ کی خدمت میں نہ پہنچنے پائے لیکن ایک دفعہ جب اس نے اتفاقیہ آنحضرتؐ کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تو وہ فوراً مسلمان ہوگیا[1] اور اس کے اثر سے اسی زمانہ میں قبیلۂ دوس میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔[2] تاہم عام قبیلہ نے طفیلؓ کی دعوت قبول نہ کی۔ وُہ رنجیدہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! دوس نے نافرمانی کی اُن پر بد دعا کیجئے۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ "خدایا دوس کو ہدایت دے اور اُن کو بھیج"۔ اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔[3]

عمرو بن عنبسہؓ کا اسلام

عمرو بن عنبسہ سلمیؓ بھی ان ہی بزرگوں میں ہیں جنہوں نے لوگوں کی زبانی یہ سُن کر کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہُوا ہے جو بہت سی باتیں بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے۔ آنحضرتؐ اس وقت قریش کے مظالم کی بنا پر چھپے رہتے تھے۔ عمرو بن عنبسہؓ کسی طرح آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی آپؐ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "میں پیغمبر ہوں"۔ انہوں نے کہا پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "خدا نے مجھے بھیجا ہے"۔ انہوں نے پھر پوچھا "کیا پیغام دے کر بھیجا ہے"؟ ارشاد فرمایا "مجھے خُدا نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بُت توڑ دیئے جائیں، خُدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے"۔ عمروؓ نے پُوچھا "اس مذہب کے کتنے پیرو ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "ایک آزاد (ابُوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)"۔ عمروؓ نے کہا "میں بھی آپؐ کی پیروی کرتا ہُوں"۔ ارشاد ہوا کہ "ابھی تو یہ ممکن نہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ میں کس حال میں ہوں اور لوگوں کا کیا حال ہے۔ میری کامیابی کا

---

[1] زرقانی۔ [2] صحیح مسلم کتاب الایمان سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔ [3] صحیح بخاری باب قصۂ دوس۔

جب حال سنو تو میرے پاس آجانا۔" چنانچہ عمروؓ واپس چلے گئے۔ اور ہجرت کے بعد جب لوگوں کی زبانی آپؐ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضرِ خدمت ہوئے [1]

ضماد بن ثعلبہؓ کا اسلام

ضماد بن ثعلبہؓ قبیلۂ ازدشنوہ کے رئیس اور آپؐ کے زمانۂ جاہلیت کے دوست تھے۔ وُہ مکہ آئے تو سنا کہ محمدؐ کو جنون ہوگیا ہے۔ وُہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے۔ وُہ آپؐ کے پاس آئے کہ لاؤ میں تمہارا علاج کر دوں، آپؐ نے فرمایا: الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ ان فقروں نے ضمادؓ پر غیر معمولی اثر کیا۔ عرض کی دوبارہ ارشاد فرمایئے۔ آپؐ نے پھر اعادہ فرمایا۔ ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا۔ اب وہ بالکل مسحور تھے۔ بولے کہ "میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سُنے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سُنا، یہ تو دریا کی تہہ تک میں بھی اثر کر جائے گا۔ لائیے ہاتھ لائیے میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں"۔ آپؐ نے اُن سے بیعت لی، پھر فرمایا "اپنے پُورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرلو"۔ چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کرلی اور وہ اُن کی دعوت سے مسلمان ہوگیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا اُدھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے؟ ایک سپاہی نے کہا ایک لوٹا میرے پاس ہے اس نے حکم دیا کہ واپس کردو۔

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قابل ہے۔

---

[1] صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ۔

حضرت ابوذرؓ کا اسلام

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا، جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے۔ انیس مکہ آئے اور واپس جاکر بیان کیا کہ "وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے، وہ شاعری سے الگ ہے۔" حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر سے جواب سے تسکین نہیں ہوئی۔ خود گئے۔ زادِ سفر کے لئے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا۔ مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرتؐ کا نام پوچھ نہیں سکتے تھے۔ حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے گھر پر لاکر مہمان رکھا لیکن تین دن تک ان سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ "یہاں آنے کی کیا غرض ہے؟" انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و قرار لے لیا کہ کسی پر راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضرت علیؓ ان کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے اور آپؐ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں گا، اس کی تعمیل کرنا۔ لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا عرض کی کہ "میں تو اسلام کا اعلان کرکے رہوں گا۔" غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ۔ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ان کو مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ نے آکر بچایا اور لوگوں سے کہا "تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گزرتا ہے اور یہ اسی قبیلہ کے آدمی ہیں۔" اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن دوسرے دن حضرت ابوذرؓ نے حرم میں جاکر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا۔ آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آگئے اور

اُنہوں نے جان بچائی[1]

قبیلۂ غفار کا اسلام

حضرت ابوذرؓ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اُسی وقت مسلمان ہوگیا۔ بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے جب آنحضرتؐ مدینہ میں آجائیں گے۔ چنانچہ جب آپؐ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مُسلمان ہوگئی[2]

قبیلۂ اسلم کا اسلام

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے۔ غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا[3] (حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری[4] میں بدنام تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعلِ شنیع کا دشمن ہے)

اوس وخزرج کا اسلام

(موسمِ حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہوجاتا تھا۔ آپؐ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کی قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی معتدبہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ اُس کے بعد حضرت مصعب بن عمیرؓ داعیٔ اسلام بنا کر مدینہ منورہ بھیجے گئے تو اُن کے فیضِ تلقین سے چند ہی مہینوں میں دو گھرانوں کے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہوگئے۔

---

[1] یہ روایت تمامہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے۔ صحیح مسلم میں یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس میں بہت سی باتیں اس سے زائد اور مختلف ہیں۔ حافظ ابنِ حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔ [2] (صحیح مسلم اسلام ابی ذرؓ)

[3] صحیح بخاری ذکر اسلم وغفارؓ [4] صحیح بخاری: ذکر اسلم وغفار۔

مدینہ میں اشاعتِ اسلام

ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اوپر گزرا، غفار و اسلم نے اسلام قبول کر لیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کو شکست ہوئی اور ستر اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے۔ ان قیدیوں کی رہائی کے لئے قریش نے مدینہ میں آمد و رفت شروع کی۔ اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہو گئے)

(ان میں) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ ان کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز پڑ گئی اور باوجود سخت عداوت کے اُن کا دل پتھر سے موم بن گیا۔ جبیر بن مطعمؓ بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے آئے تھے اور قیدیوں کے ساتھ اسیر تھے۔ ایک دن آنحضرتؐ یہ آیتیں پڑھ رہے تھے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ	کیا یہ یونہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے یا
الْخَالِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ	ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا یا
وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ○	ان لوگوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ
(الطور: ۳۵-۳۶)	بات یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔

جبیر بن مطعم کا اسلام

جبیر بن مطعم نے یہ آیتیں سن لیں تو ان کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کر گیا۔ صحیح بخاری تفسیر سورۂ طور میں واقعہ مذکور ہے۔

پیشینگوئی روم کا اثر

مکہ میں روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرتؐ نے جو پیشینگوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتحِ بدر کے موقع پر پوری اُتری اور قرآن مجید

کی پیشین گوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیوں نے فارس پر فتح کلی پائی۔ اس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا۔

مزینہ کا اسلام

غرض اس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ ۵ھ میں قریش، کنانہ، غطفان، اسد اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ اس معرکہ کا نام احزاب ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا اور وہ قبائل جو قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے لیکن قریش کے ڈر سے اُن کو اظہارِ اسلام کی ہمت نہیں ہوتی تھی، انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں وفود بھیجنے شروع کئے۔ سب سے پہلی جو سفارت آئی، وہ قبیلہ مزینہ کی تھی جس میں چار سو آدمی شریک تھے۔ انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ میں آجائیں لیکن آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تم جہاں رہو مہاجر ہو"[1]

قبیلہ اشجع کا اسلام

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سفراء جن کی تعداد سو تھی، مدینہ میں آئے اور آنحضرتؐ سے کہا کہ ہم آپؐ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے۔ آنحضرتؐ نے قبول فرمایا۔ اس وقت تو یہ لوگ کافر رہے، لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کر لیا[2]۔

قبیلہ جہینہ کا اسلام

(جہینہ بھی انہیں کے قبائل کے آس پاس آباد تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لے کر

---

[1] جزو طبقات ابن سعد متعلق وفود جزء اول قسم ثانی۔ [2] جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود، جزء اول قسم ثانی۔

آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات میں مسلمانوں کے شریک حال رہے[1]

غفار، اسلم، مزینہ، اشجع اور جہینہ کی یہی اطاعت اور مسابقت اسلام تھی جس کی بنا پر آپ نے اُن کے حق میں دعائے خیر فرمائی[2]

صلح حدیبیہ کا اثر

صلحِ حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس لئے منکروں کو خلوت و جلوت میں مسلمانوں کی تلقینات سننے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور محاربات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے، صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی۔ چنانچہ جب آنحضرتؐ صلحِ حدیبیہ کے سال ادائے عمرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف ڈیڑھ ہزار شخص ساتھ تھے۔ اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس ہزار مسلمانوں کا لشکر جرار ساتھ تھا۔

---

(۱) اصابہ، تذکرہ بشیر بن عرفطہ (۲) صحیح بخاری ج اول ذکر غفار و اسلم و جہینہ (۳) طبری میں امام زہری کا قول ہے:

فلما كانت الهدنة وضعت الحرب اوزارها	جب صلح ہو گئی اور جنگ موقوف ہو گئی، ایک دوسرے
وأمن الناس كلهم بعضهم بعضا فالتقوا و	سے لوگ بے خوف ہو گئے۔ باہم ملے جلے باتیں چیتیں ہوئیں
تفاوضوا في الحديث والمنازعة فلم يكلم	تو کوئی عقلمند ایسا نہ تھا جس سے اسلام کے متعلق گفتگو آئی
احد بالاسلام يعقل شيئا الا دخل فيه	اور اس نے قبول نہ کر لیا۔ چنانچہ جتنے لوگ ابتدا سے اس
فلقد دخل في ثينك السنين في الاسلام	وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف ان دو برسوں میں اُن کے
مثل ما كان في الاسلام واكثر	برابر بلکہ اُن سے زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے۔

صلحِ حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا کیونکہ اس معاہدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے، اس لئے جو لوگ براہِ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور اُن کے دفاع کے لئے آنحضرتؐ کو کچھ نہ کچھ فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں۔ تاہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا، وہاں داعیانِ اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن چونکہ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمعیت بھی ہوتی تھی اس لئے ارباب سیر ان تبلیغی جماعتوں کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے ہیں۔

فتح مکہ کا اثر

تمام عرب تولیتِ کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے۔ عمرو بن سلمہؓ ایک صحابی تھے جو مدینہ سے دور ایک گزرگاہ عام پر رہتے تھے۔ اُن کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں منقول ہیں:

کانت العرب تلوم باسلامھم الفتح	عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے
فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظہر	تھے وہ کہتے تھے۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)
علیھم فھو نبی صادق فلما کانت	کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو۔ اگر محمدؐ
وقعۃ اھل الفتح بادر کل قوم باسلامھم	(صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر غالب آگئے تو
	بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں پس جب مکہ فتح
	ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔

لہ صحیح بخاری: فتح مکہ۔

ابنِ ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے :

وانّما کانت العرب تربّص بالاسلام امرھذا الحیّ من قریش وامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذلك انّ قریشا کانوا امام النّاس وھادیھم واھل البیت والحرم وصریح ولد اسمٰعیل بن ابراھیم علیھما السلام وقادۃ العرب لا ینکرون ذلك وکانت قریش ھی الّتی نصبت لحرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلافہ فلما افتتحت مکۃ ودانت لہ قریش و دوخھا الاسلام عرفت العرب انہ لا طاقۃ لھم بحرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عداوۃ فدخلوا فی دین اللہ کما قال اللہ عزوجلّ الخ

اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ و حرم کی متولّی اور حضرت اسمٰعیل کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرتؐ کی مخالفت کے لئے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام نے مکہ کو چھا لیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرتؐ کی جنگ اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں کہا ہے۔ (یعنی اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۝) الخ

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کی

لہ سیرت ابن ہشام ذکر واقعات سنہ ۹ و وفود۔

کے پھیلنے میں جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی۔ اب جب کہ باطل کا سنگِ راہ ہٹ گیا، تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی۔

دُعاۃ کا تقرر

فتح مکہ کے بعد اب دعوتِ اسلام کے لئے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دُعاۃ جہاں جائیں بے دریغ قتل کر دیئے جائیں اِس بنا پر آنحضرتؐ نے تمام اطرافِ عرب میں دُعاۃ بھیج دیئے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل و محاسن بتا کر ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔ دُعاۃ حسبِ ذیل طریقہ سے مقرر کئے گئے:

(۱) حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وُہ آزادی سے تبلیغِ اسلام کر سکیں۔ حضرت خالدؓ کو آنحضرتؐ نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی لیکن تاکید تھی کہ بجبر پیش نہ آئیں چنانچہ پُورے چھ مہینے تک ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ حضرت خالدؓ سپہ سالار اور فاتح تھے، واعظ اور صاحبِ ارشاد نہ تھے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعتہً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وُہ دُعاۃ ہیں جن کو علامہ طبری نے ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے:-

قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرتؐ نے مکہ کے اطراف میں کچھ
بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعوا	ٹکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف
الی اللہ عزوجل ولم یامرھم لقتال	بلائیں لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا

حضرت خالدؓ کو قبیلۂ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن جب انہوں نے کُشت و خون کیا اور آنحضرتؐ کو خبر ہُوئی تو آپؐ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رُخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "خُدایا! میں خالدؓ کے فعل سے بَری ہُوں۔" پھر حضرت علیؓ کو بھیجا۔

انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا، یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

(اشاعتِ اسلام کی غرض سے جو مسلح جماعت اطرافِ ملک میں بھیجی جاتی تھی اس میں کبھی کبھی آپؐ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے۔ ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے اُن کو اُس کا امیر مقرر فرماتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی[1] تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سُنا۔ ان لوگوں میں سے ایک کمسن نوجوان تھے۔ آنحضرتؐ اُن کے پاس آئے پوچھا تمھیں کیا یاد ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو تم ہی ان سب کے امیرؐ ہو۔

(۲) جو ممالک زیرِ اثر آتے تھے اور وہاں زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے عمّال بھی بھیجے جاتے تھے وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدّس، زہد اور پاکیزگی مسلّم ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ عالِم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لئے وہ تحصیلِ مال کے ساتھ تبلیغِ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے۔ ان میں سے بعضوں کے نام حسبِ ذیل ہیں :-

---

[1] اس روایت میں اگرچہ یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ فوج اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی، صرف یہ الفاظ ہیں :-

بعث بعثا وھم ذو عددٍ — یعنی آپؐ نے ایک بہت بڑی جماعت بھیجی۔

تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام تھا، کیونکہ اگر لڑائی مقصود ہوتی تو حفظِ قرآن کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ آپؐ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سنتے۔

[2] ترغیب وترہیب۔ جلد اوّل۔

(بروایت ترمذی)

دُعاۃ کے نام

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی امیہؓ	صنعاء یمن	حضرت اُمِّ سلمہؓ (زوجہ نبویؐ) کے بھائی تھے۔
زیاد بن لبیدؓ	حضرموت	یہ ان اصحاب میں ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔
خالد بن سعیدؓ	صنعاء یمن	سابقین اوّلین اور مہاجرینِ حبش میں ہیں سب سے پہلے انہی نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی۔
عدی بن حاتمؓ	قبیلۂ طے (یمن)	مشہور صحابی ہیں حاتم طائی انہی کا باپ تھا۔
علاء بن حضرمیؓ	بحرین	
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ	زبید و عدن	انہی کی دعوت اسلام سے قبیلۂ اشعر کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذ بن جبلؓ	جند	
جریر بن عبد اللہ بجلیؓ	ذو الکلاع حمیری	جریرؓ مشہور صحابی ہیں۔ ذو الکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے۔ ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔ جریرؓ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو انکی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کئے

مقاماتِ دعوت

(۳) بعض لوگ خاص اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے تفحص سے اس قسم کے دُعاۃ کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

نام	مقامِ دعوت	نام	مقامِ دعوت
علی بن ابی طالبؓ	قبیلۂ ہمدان جزیرۃ حج	خالد بن ولیدؓ	اطرافِ مکہ
مغیرہ بن شعبہؓ	نجران	عمرو بن العاصؓ	عمان
وبر بن یحنسؓ	ابنائے فارس	مہاجر بن ابی امیہؓ	بطرفِ حارث بن عبد کلال شہزادۂ یمن
محصین بن مسعودؓ	فدک		
احنفؓ	قبیلۂ سلیم[۲]		

(۴) روسائے قبائل بارگاہِ نبوت میں آکر مسلمان ہوجاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کرکے اپنے اپنے قبائل میں دعوتِ اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے ان اشخاص کے نام یہ ہیں:۔

نام	مقام	کیفیت
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلۂ دوس	
عروہ بن مسعود	ثقیف	
عامر بن شہر	ہمدان	
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرین	
ثمامہ بن اثال	اطرافِ نجد	

[۱] اضافہ تاذکر اسلام ابنائے یمن۔ [۲] مسند جلد پنجم۔

ان مبلغین اور دُعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ فتحِ مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، دُعاۃ اطرافِ مکہ میں بھیج دیئے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ قرآنِ پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں :-

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ	جب خدا کی فتح و نصرت آئی اور تم
النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝	نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خُدا کے
(النصر : ۱-۲)	مذہب میں داخل ہو رہے ہیں۔

فتحِ مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۶ھ کے موسمِ حج میں اعلانِ برأۃ ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بلا استثنا حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کر لیا۔[1]

حجاز سے باہر نبوّت کے اکیس برس میں صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان اِدھر اُدھر نظر آتے تھے۔ لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس میں ۸-۹-۱۰ھ میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وُہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم طاقتوں کے زیرِ سایہ تھیں۔ تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح و امن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن

ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت قدیم زمانہ سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان

---

[1] طبری : واقعات ۹ھ

حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں ولادتِ نبویؐ سے تقریباً پچاس برس پہلے ۵۲۵ء میں حبشی، عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادتِ نبویؐ کے چند سال بعد اہلِ ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ اُن کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا، جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔

یمن میں اسلام کی تحریک کے لئے متعدد عوائق موجود تھے۔ مثلاً اختلافِ جنسیت کہ اہلِ یمن قحطانی تھے اور داعیِ اسلام اسماعیلی، اہلِ یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدّن و حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے اُن کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وُہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ مُلک میں جہاں کوئی باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی۔ چنانچہ جب یمن سے قبیلۂ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا تو آنحضرتؐ کو ایک عرب فرمانروا سمجھ کر رئیسِ وفد نے پوچھا کہ 'یا رسول اللہؐ کیا آپؐ اور ہم، ہم خاندان نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں۔ نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔"[1]

یمن میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہو سکتا تھا کہ وُہ پولیٹیکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھا اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے۔ لیکن قبولِ حق کے لئے کوئی چیز اُن میں سے مانع نہ آئی۔

یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی۔ یمن میں دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس طفیل بن عمروؓ اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لئے مکہ آیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی۔

---

[1] مسند ابنِ حنبل حدیث اشعث بن قیس و زاد المعاد جلد اوّل۔

لیکن انہوں نے انکار کیا۔ ۷ھ میں آنحضرتؐ خیبر میں تشریف فرما تھے کہ دوس کا قبیلہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں منتقل ہو گیا۔ یمن کا ایک مشہور قبیلہ اشعر تھا۔ وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت میں اسی زمانہ میں بلا تحریک خود بخود اسلام لایا اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوا۔ ابوہریرہ دوسیؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ انہی قبائل کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرتؐ نے (۱۰ھ کے آخر میں) اُن کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ خالدؓ چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کی۔ بالآخر آنحضرتؐ نے خالدؓ کو بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا۔ حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں دی تو آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا "السلام علی ھمدان"[1]

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرتؐ

---

[1] ابن ہشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل [2] زرقانی بسند صحیح از بیہقی (اصل واقعہ بخاری جزء غزوات میں موجود ہے۔ لیکن ہمدان کی اس میں تخصیص نہیں اور نہ اُن کے اسلام کا اس میں ذکر ہے) اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتیں ہیں لیکن وہ صحیح نہیں چنانچہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے۔ ان روایتوں کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگوں نے حضرت علیؓ کے ڈر سے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن یہ راویوں کا حسنِ ظن ہے واقعہ نہیں۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کریں اور اُن پر غارت گری کیا کریں۔ لیکن حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے پاس طائف میں تھے۔ یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلوں کو دیا جا سکتا تھا۔

خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم اس کے قبول کے لیے تیار ہیں اور اگر ناپسند ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ عامر بن شہر جب دربارِ رسالتؐ سے واپس آیا تو اس کا دل نورِ اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔

یمن میں حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے۔ ربیع الاوّل ۱۰ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرتؐ نے پھر اُن کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرما دی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا۔ حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مال گزاری وصول کرنے کے لئے اِدھر اُدھر لوگوں کو متعین کیا۔ اسی اثنا میں قبیلہ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی۔ حضرت علیؓ نے اُن کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی۔ مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب نہ کیا کہ اُن کا مقصود صرف مدافعت تھا۔ اس کے بعد رؤسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابتہً اسلام کا اعلان کیا۔

یمن میں فارس کے جو رؤسا قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اُن کو ابناء کہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ۱۰ھ میں دیربن یخنس ؓ کو ان کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا۔ وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھر اُن کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی، مرکبود، وہب، ابن منبہ کے پاس

دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔ سب نے اسلام قبول کیا۔ صنعا میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطا اور وہب بن منبہؒ تھے۔

(عام میں[۲] میں تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرتؐ نے معاذ بن جبلؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو نامزد فرمایا۔ دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے۔ چلتے وقت آپؐ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "سہولت سے کام کرنا۔ سخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔ دونوں مل کر کام کرنا۔ تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں۔ جب اُن کے ہاں پہنچنا تو پہلے اُن کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو تسلیم کرلیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے۔ جب یہ بھی مان لیں تو اُن کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہوں اُن سے لے کر جو غریب ہیں اُن کو دیدی جائے گی۔ دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کرلیں تو چُن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا۔ مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں" حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے پوچھا یا نبی اللہؐ! ہمارے ملک یمن میں جَو اور شہد کی شراب بنتی ہے، کیا یہ بھی حرام ہے"؟ آپؐ نے فرمایا ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔[۳]

---

[۱] طبری

[۲] اضافہ تاجرین

[۳] یہ پورا واقعہ بخاری جزء غزوات میں مذکور ہے۔ ہم نے بخاری کی مختلف روایتوں کو یکجا کرلیا ہے۔

نجران

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے۔ نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا۔ آنحضرتؐ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو جو صلح حدیبیہ ۶ھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے، دعوتِ اسلام کے لئے نجران بھیجا۔ عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کئے یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے[1]۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے دعوتِ اسلام کا ان کو خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کر لو اور جزیہ دو[2]۔ اہلِ نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا۔ اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی۔ ان میں ایک قبیلہ بنو حارث ابن زیاد تھا جو مدان نام ایک بُت کو پوجتا تھا اور اس لئے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا۔ ربیع الآخر ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے خالد بن ولیدؓ کو وہاں دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکامِ اسلام کی تعلیم دی[3]۔

اہلِ یمن کے لئے دعائے خیر

اہلِ یمن کا بغیر کسی ترغیب و ترہیب کے خلوصِ دل سے قبولِ اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جو خاص رحمتِ الٰہی کا مستوجب نہ ہو۔ جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ "کل اہلِ یمن آتے ہیں جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں"[4]۔ جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

---

[1] ترمذی تفسیر سورۂ مریم۔ [2] زرقانی بحوالہ بیہقی۔ [3] زرقانی جلد سوم۔

[4] بخاری، قدوم الاشعریین و اہلِ الیمن۔

اور ان کو سلامتی کی دعا دی[1]۔ حمیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپؐ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا "تمیم! بشارت قبول کرو" بنو تمیم نے کہا "یا رسول اللہؐ! ہم نے بشارت تو قبول کر لی، کچھ عطا بھی فرمایئے۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی تھی، پھر اہل یمن کی طرف رُخ کر کے فرمایا "اے اہل یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی، تم قبول کر لو" اہل یمن بے اختیار بول اُٹھے "اے خدا کے رسولؐ! ہم نے قبول کی[2]" پھر آپؐ نے عام طور سے فرمایا "ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانائی یمن کی دانائی ہے"۔

مبلغین یمن میں سے حضرت علیؓ اور ابو موسیٰؓ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرتؐ کے ساتھ حج ادا کیا۔ ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نومسلم بھی حج و زیارت کو آئے۔

بحرین (۸ھ)

بحرین ایران کی حدودِ حکومت میں داخل تھا۔ عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور اور با اثر خاندان عبد القیس، بکر بن وائل اور تمیم تھے۔ اُن میں سے عبد القیس کے قبیلہ میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لیئے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا، وہاں ٹھہرے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو اُن کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور سورۂ فاتحہ اور اقرار سیکھی۔ آنحضرتؐ نے اُن کو ایک فرمان عنایت کیا۔ وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن اُن کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی۔ انہوں نے منقذ سے دریافت کیا۔ بحث و مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے اور آنحضرتؐ کا نامۂ مبارک لوگوں

---

[1] زرقانی بحوالہ بیہقی۔ [2] بخاری کتاب بدء الخلق و قدوم الاشعریین۔

کو سنایا۔ سب نے اسلام قبول کر لیا۔

صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) میں روایت ہے کہ مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا، وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثیٰ میں واقع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجی، جس کے افسر منذر بن الحارث تھے۔ اُن کا قافلہ کاشانۂ نبوّت کے قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بیتاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنحضرتؐ کے ہاتھ چومے۔ لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا۔ انہوں نے قیام گاہ پر جا کر کپڑے بدلے پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی۔[1]

۸ھ میں آنحضرتؐ نے علاء حضرمیؓ کو تبلیغِ اسلام کے لئے بحرین بھیجا۔ اُس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساویٰ گورنر تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے، مسلمان ہو گئے۔[2]

---

[1] زرقانی بحوالہ کرمانی۔ قبیلہ عبدالقیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری میں ہے اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہے۔ بخاری کی روایت سے بھی اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبدالقیس اس سفارت سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اصابہ میں ابن شاہین سے جو روایت ہے وہ گو زرقانی کی روایت سے مختلف ہے اور رئیسِ سفارت کے نام میں اختلاف ہے۔ تاہم اس قدر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت چھٹی صدی ہجری سے پہلے کی ہے (۱۲ زرقانی بہ روایت بیہقی بہ سندِ جید۔)

[2] فتوح البلدان۔

بحرین کے علاقہ میں "ہجر" ایک مقام ہے۔ یہاں ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کے نام بھی خط بھیجا اور اس نے بھی اسلام قبول کیا[1]

عمان (۸ھ) اس شہر پر قبیلہ ازد کا قبضہ تھا اور عبید و جعفر یہاں کے رئیس تھے۔ ۸ھ میں آنحضرتؐ نے ابوزید انصاریؓ کو جو حافظ قرآن تھے۔ اور عمرو بن العاص کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے تمام عرب اُن کی ترغیب سے اسلام لائے[2]

حدودِ شام (۹ھ) شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے اُن میں متعدد ریاستیں تھیں۔ اُن میں سے مُعان اور اس کے اضلاع فروۃ بن عمرو کے زیرِ حکومت تھے لیکن خود فروہ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے۔ انہوں نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں اظہارِ اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا (عیسائی) رومیوں کو اُن کے اسلام کا حال معلوم ہُوا، تو اُن کو گرفتار کر کے سولی دیدی۔ اس وقت یہ شعر اُن کی زبان[3] پر تھا۔

بلغ سراۃ المسلمین بانني	مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا
سلم لربي اعظمي ومقامي	دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے۔

شام اور عرب کے درمیان غدرہ، بلّی، جذام وغیرہ آباد تھے۔ قبیلہ بلّی میں حضرت عمرو

---

[1] فتوح البلدان ذکر بحرین۔ [2] فتوح البلدان ذکر فتح عمان۔
[3] ابنِ ہشام، اسلام فروہ ذکر وفود۔

ابن العاصؓ کی تہسال تھی اس لئے ایک جماعت کے ساتھ وُہ ان اطراف میں بھیجے گئے۔ جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو ان کو حملہ کا خوف ہُوا۔ دربارِ نبوّت میں اطلاع کی۔ وہاں سے حضرت ابو عبیدہؓ کی ماتحتی میں بغرضِ حفاظت کچھ فوج بھیج دی گئی۔ اسی کو اہلِ سیر کی اصطلاح میں غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہیں۔)

وفودِ عرب

جن لوگوں نے مبلغینِ اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہِ نبوت میں جاکر اسلام کا اعلان کرنا چاہا' اربابِ سیر "وفود" کے عنوان سے اُن کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابنِ اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔ ابنِ سعد میں ستر وفود کا تذکرہ ہے۔ دمیاطی، مغلطائی، زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں۔ لیکن مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصاء کیا ہے اور ایک سو چار وفود کے حالات بہم پہنچائے ہیں۔ اگرچہ ان میں کہیں کہیں ضعیف روایتوں سے استناد کیا گیا ہے اور اکثر وفود کے نام مبہم ہیں۔ تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابنِ اسحاق کی روایت سے کہیں زیادہ ہے۔ حافظ ابنِ قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف چونتیس وفود کی تفصیل کی ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلۂ اخیر کا انتظار کر رہا تھا۔ مکہ فتح ہو چکا، تو یہ انتظار جاتا رہا۔ اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دار الاسلام میں جاکر کوئی فیصلہ کرے۔ اہلِ عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے۔ لیکن خیبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے اُن کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔

فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہو گئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر

سفارتیں آئیں۔ انہوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا، بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ بنو اسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازد اور طے تھے۔ ان تمام قبائل کی سفارتیں دربار نبوت میں آئیں۔ ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بحیثیت فاتح کے آنحضرتؐ کے ساتھ معاہدہ کر لیں۔ لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آجائیں۔

یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ، ۹ھ اور ۱۰ھ میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لئے اس سے پہلے کے چند وفود کا تذکرہ کرنا بھی موزوں ہوگا۔

مزنیہ یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مصر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ نعمان بن مقرنؓ مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلۂ مزنیہ کے علمبردار تھے، اسی قبیلہ سے تھے۔ اصفہان ان ہی نے فتح کیا تھا۔ ۵ھ میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے[1]۔ عراقی نے سیرۃ منظوم میں لکھا ہے:

اول وفد وفد المدینۃ	سب سے پہلا وفد جو مدینہ میں آیا
سنۃ خمس وفد وا مزینۃ	وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵ھ میں آیا

بنو تمیم بنو تمیم کے وفد بڑی شان و شوکت سے آئے۔ قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید سب اس سفارت

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ (ترجمہ نعمان بن مقرنؓ و ابن اسعد جزء وفود)

میں شامل تھے۔ عیینہ بن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔

یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے تاہم عربی فخر و غرور کا نشہ سر میں اب بھی باقی تھا۔ دربارِ نبوت یعنی مسجدِ نبوی میں پہنچے تو آنحضرتؐ گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آستانۂ اقدس پر جاکر پکارے کہ محمدؐ باہر آؤ۔ آنحضرتؐ باہر تشریف لائے تو بولے کہ محمدؐ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں۔ آپؐ نے اجازت دی۔ عطارد ابنِ حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیرواں کے دربار سے حسنِ تقریر کے صلہ میں کمخواب کا خلعت[1] حاصل کیا تھا، اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پرزور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا:

"خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحبِ تاج و تخت، خزانہ ہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں ہماری برابری آج کون کر سکتا ہے۔ ہماری ہمسری کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص اور اوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں۔

عطارد خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرتؐ نے ثابت بن قیسؓ کو جواب دینے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا:

"اُس کی تعریف جس نے زمین و آسمان بنائے۔ اُس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب، سب سے زیادہ راست گفتار، سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اس لئے خدا نے اُس پر کتاب نازل کی۔ اُس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تو سب سے پہلے مہاجرین اور اُن کے بعد ہم (انصار) نے دعوتِ اسلام

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ۔

پر لبیک کہا، ہم لوگ انصارِ الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں"

تقریریں ہو چکی تو اشعار کی باری آئی۔ سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان ابن بدر نے قصیدہ پڑھا ؎

نحن الکرام فلا حی یعادلنا	ہم شرفائے قوم ہیں کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر
منا الملوک وفینا تنصب البیع	نہیں ہو سکتا۔ ہم میں تخت نشین ہیں
	اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آکر خطبہ دیا تو اس کی خوبیٔ تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنا دیا۔ اس وقت آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ان من البیان لسحرا یعنی بعض بعض تقاریر میں جادو ہوتا ہے۔ اصابہ فی احوال الصحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کر چکے، آنحضرتؐ نے دربارِ رسالت کے شاعر یعنی حسان بن ثابتؓ کی طرف دیکھا، انہوں نے برجستہ کہا ؎

ان الذوائب من فہر وا خوانہم	شرفائے قبیلہ فہر و برادرانِ فہر نے لوگوں کو
قد بینوا سنۃ للناس یتبعوا	وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں

ارکانِ سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حکم تھا یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اُس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا۔ اُس کا دعویٰ یہ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربارِ رسالت میں آیا تو آنحضرتؐ سے کہا[1] ؎

ان حمدی لزین وان ذمّی لشین	میں جس کی تعریف کر دوں وہ چمک
	جاتا ہے اور جس کو برا کہدوں اس کو

---

[1] اصابہ تذکرہ اقرع بن حابس۔

داغ لگ جاتا ہے۔

نظم و نثر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربارِ رسالت کے خطیب اور شاعر دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں۔ پھر سب نے اسلام قبول کر لیا۔

بنو سعد

بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ جس طرح آنحضرتؐ کے دربار میں آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی اس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزاد روی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی روایت حسبِ ذیل ہے:

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربارِ رسالت میں حاضر تھے۔ ایک شخص ناقہ پر سوار آیا اور صحنِ مسجد میں آکر ناقہ سے اترا۔ پھر حاضرین سے پوچھا محمدؐ کس کا نام ہے؟ لوگوں نے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ پاس آکر کہا "اے عبد المطلب کے بیٹے!" آپؐ نے فرمایا "میں جواب دے چکا"۔ بولا کہ "میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا۔ اس پر ناراض نہ ہونا"۔ ارشاد ہوا "جو پوچھنا ہو پوچھو"۔ بولا کہ "اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو، کیا تم کو خدا نے تمام دنیا کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ہاں"۔ پھر قسم دلا کر پوچھا کہ کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کے لئے حکم دیا ہے؟ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ اور حج کی نسبت پوچھا اور آپؐ برابر ہاں فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سن لئے تو کہا "میرا نام ضمام ابن ثعلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم"۔ وہ جا چکا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی[1]

---

[1] یہ روایت صحیح بخاری میں مختلف ابواب میں منقول ہے۔

ضمام نے واپس جاکر اپنی قوم سے کہا کہ لات و عزیٰ کوئی چیز نہیں۔ لوگوں نے کہا کیا کہتے ہو، تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے"۔ انہوں نے کہا "خدا کی قسم وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر! میں تو خدا اور محمدؐ پر ایمان لاتا ہوں"۔ ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد بچے سب مسلمان[1] تھے۔

اشعریین (رضی اللہ عنہم) یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب آنحضرتؐ کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا۔ اسی قافلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہوکر چلے لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا۔ وہاں حضرت جعفر طیارؓ موجود تھے وہ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں خیبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرتؐ یہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ یہیں لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین) کی روایت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اشعریوں کا وفد آیا تو آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہارے یہاں یمن کے لوگ آتے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔

مسند احمد بن حنبل میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے:۔

غدا نلقی الاحبة	کل ہم دوستوں سے ملیں گے
محمدا و حزبه	محمدؐ اور پیروانِ محمدؐ سے۔

---

[1] ابن ہشام۔

(بارگاہِ نبوت میں پہنچے تو عرض کی "یا رسول اللہ! ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں۔ آپؐ نے فرمایا "پہلے خدا تھا، اور کچھ نہ تھا۔ اس کا تخت پانی پر تھا۔"[1])

دوس (۷ھ) دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمروؓ تھے۔ وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے۔ قریش نے اُن کو منع کیا تھا کہ آنحضرتؐ کے پاس نہ جائیں۔ لیکن اتفاقاً ایک دفعہ یہ حرم میں گئے۔ آنحضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی کہ آپؐ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔ آپؐ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن کی آیتیں سنائیں۔ وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے، وطن جاکر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن اُن کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا، لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لئے لوگوں نے تامل کیا۔ طفیلؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر یہ حقیقت بیان کی۔ آپؐ نے دعا فرمائی کہ "خدایا! اوس کو ہدایت دے"۔ پھر طفیلؓ سے ارشاد فرمایا کہ نرمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ غرض اُس دعائے نبویؐ کی برکت اور طفیلؓ کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان جن میں ابوہریرہؓ بھی تھے، ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے[2]

بنو حرث بن کعب (۹ھ) یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا۔ آنحضرتؐ نے خالدؓ کو اُن کے پاس دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا یہ لوگ

---

(۱) صحیح بخاری باب بدء الخلق۔ (۲) اصابہ اور زاد المعاد اور ابن سعد جز دوم۔

نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ آنحضرتؐ نے اُن لوگوں کو مدینہ بلا بھیجا۔ چنانچہ قیس ابن الحصین اور یزید بن عبدالمدان آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ اکثر معرکوں میں قبائل عرب پر غالب رہے تھے، آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ تمہارے غلبہ کے اسباب کیا تھے؟ بولے "ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے"۔ آپؐ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کیا۔[1]

طے (۹ھ)

یمن میں طے نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے رؤسا زید الخیل اور عدی ابن حاتم طائی تھے اور اُن کے حدودِ حکومت الگ تھے۔

زید زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض، بہادر تھے۔ ۹ھ میں چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے مع اپنے ساتھیوں کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ شہسواری کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے۔ آنحضرتؐ نے اس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا۔[2]

عدی بن حاتم (۹ھ)

عدی مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلۂ طے کے سردار اور مذہباً عیسائی تھے۔ سلاطینِ عرب کی طرح اُن کو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا۔ جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں یہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ اُن کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ آنحضرتؐ نے ان کو بڑی عزت و حرمت سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس چلی گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو، وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہر حالت میں اُن کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے۔ آنحضرتؐ

---

[1] اصابہ وزاد المعاد۔

مسجد میں تھے۔ عدی نے مسجد میں جاکر سلام کیا۔ آپؐ نے جواب سلام کے بعد نام پوچھا پھر اُن کو لے کر گھر کی طرف چلے۔ اسی اثنا میں ایک بڑھیا آگئی۔ جس نے آپؐ کو روک لیا اور دیر تک آپؐ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی۔ عدی خود رئیس تھے۔ شام میں رومیوں کا دربار دیکھا تھا۔ اُن کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہِ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے۔ اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے۔ آنحضرتؐ گھر میں تشریف لائے، چمڑے کا ایک گدا تھا۔ اس کو عدی کی طرف بڑھایا۔ یہ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کیوں عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) میں جائز نہیں ہے"۔

پھر فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ بولے "نہیں"۔ پھر پوچھا کہ خدا سے کوئی بڑا ہے؟ بولے کہ "نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا کہ "یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہوگئے ہیں"[1]۔

غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردہ کے زمانے میں بھی ان پر کچھ اثر نہیں پڑا۔

باپ کی سخاوت کا اُن پر بھی اثر تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے سو روپے طلب کئے۔ بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو بخدا ہرگز نہ دوں گا[2]۔

ثقیف

یاد ہوگا جب آنحضرتؐ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہ نے عرض کی تھی کہ آپؐ اُن کے حق میں بددعا فرمائیں آپؐ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی یہ تھی:

اللّٰھم اھد ثقیفا وأت بھم — اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج

---

[1] ابن ہشام اسلام عدیؓ بن حاتم [2] مسند امام احمد حدیث عدی ترمذی تفسیر فاتحہ [3] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عدی۔

(یہ دُعائے نبویؐ کا اعجاز تھا کہ وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہو سکا تھا، دفعتہً جلالِ نبوّت نے اس کی گردن آستانۂ اسلام پر جھکا دی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔)

طائف دو رئیسوں کے قبضہ میں تھا جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے۔ جن کی نسبت کفارِ مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الٰہی اُترتا تو اُن پر اُترتا۔ عروہ اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن مادہ قابل رکھتے تھے۔ حدیبیہ کی صلح بھی انہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرتؐ جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے اُن کو اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرتؐ مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر واپس گئے۔ واپس جا کر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی۔ لوگوں نے ان کو بہت بُرا بھلا کہا۔ صبح کو جب اپنے بالاخانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینہ برسا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں اُن ہی کے پہلو میں دفن کئے جائیں (عروہ کا خون رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ اصحر بن عبلہ رئیسِ احمس یہ سن کر کہ آنحضرتؐ طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپؐ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے۔ اصحر نے عہد کیا کہ جب تک اہلِ طائف آنحضرتؐ کی اطاعت قبول نہ کر لیں گے میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر اہلِ طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ اصحر نے خدمتِ نبویؐ میں اطلاع کی تو آپؐ نے مسجدِ نبویؐ میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور احمس کے لئے دس بار دُعا فرمائی[1]) چند روز کے بعد اہلِ طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا۔ اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر

---

[1] (ابو داؤد باب اقطاع الاراضین)۔

کرکے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجے جائیں۔

اُن کی سفارت نے مدینہ کا رُخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مُسرّت ہُوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہؓ دوڑے کہ آنحضرتؐ کو جاکر خبر کریں۔ راہ میں حضرت ابُوبکرؓ مل گئے۔ اُن کو معلوم ہوا تو مغیرہؓ کو قسم دلائی کہ یہ خوشخبری مجھ کو پہنچانے دو۔

مغیرہؓ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربارِ رسالت میں جانا تو اس طریقے سے سلام عرض کرنا۔ لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجا لائے۔

عبد یالیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبویؐ میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محویت و استغراق کو دیکھ کر متأثر ہو[1]) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمہ نصب کراکر ٹھہرائے گئے۔ نماز اور خُطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے گو خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ خطبہ میں اپنا نام نہیں لیتے تھے ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمدؐ ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرتؐ نے سنا تو فرمایا کہ "میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادۂ الٰہی ہوں"

جماعتِ سُفراء میں عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے۔ سفراء دربارِ نبویؐ میں آتے تو ان کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے۔ عثمان گو کمسن تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائلِ تحقیق تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ جب سُفراء دن کو قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائلِ اسلام سیکھتے، یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لئے۔

---

[1] ابوداؤد باب ماجاء فی وفد الطائف۔

آنحضرتؐ ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے۔ (نمازِ عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے اُن سے باتیں کرتے۔ زیادہ تر مکّہ میں قریش کے ہاتھ سے جو اذیّتیں اُٹھائی تھیں اُن کو بیان فرماتے۔ مدینہ میں جو لڑائیاں پیش آئیں اُن کا بھی تذکرہ فرماتے[1]) بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

۱۔ زنا ہمارے لئے جائز رکھا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر مجرّد رہتے ہیں اور اس لئے ان کو اس سے چارہ نہیں۔

۲۔ ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعۂ معاش سود ہے اس لئے سود خواری جائز رکھی جائے۔

۳۔ شراب سے نہ روکا جائے۔ ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں۔ بالآخر ان لوگوں نے کہا اچّھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں لیکن ہمارے معبُود (طائف کا سب سے بڑا بُت جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے گا۔ یہ سن کر اُن کو سخت حیرت ہُوئی کہ کیا کوئی شخص اُن کے خدائے اعظم کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے۔ بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپؐ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بولے کہ "تم کس قدر جاہل ہو۔ منات صرف ایک پتھر ہے"۔ اُن لوگوں نے کہا "عمرؓ! ہم تمہارے پاس نہیں آئے"۔ یہ کہہ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی "کہ ہم منات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپؐ جو چاہیں کریں۔ لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے۔ آپؐ نے یہ درخواست منظُور کر لی[2]

---

[1] (ابو داؤد تحزیب القرآن) [2] زاد المعاد، بحوالہ مغازی موسیٰ بن عقبہ۔

ان لوگوں نے نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی، وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے اور جہاد فرضِ کفایہ ہے۔ ہر شخص پر واجب نہیں ہے۔ واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں، روز کا کام نہیں اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آجائے گی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرتؐ کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لاچکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے۔ اور جہاد بھی کریں گے[1] (چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔)

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرتؐ نے ابوسفیانؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنمِ اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔ مغیرہؓ نے طائف پہنچ کر بت کدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں[2]

الا ابکین دفاع	لوگوں پر روؤ کہ پست ہمتوں نے
اسلمها الرضاع	اپنے بتوں کو دشمنوں کے سپرد
لم یحسنوا المصاع	کر دیا اور معرکہ آرائی نہ
	کر سکے۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب ماجاء فی خبر الطائف [2] (اصابہ ترجمہ جبیر بن حیہ ثقفی)

[3] تاریخ طبری۔

اعربوں میں کثیر الازدواجی کی عام عادت تھی۔ قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان ابن سلمہ کے دس بیویاں تھیں، جب وہ مسلمان ہوا تو احکامِ اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اس کو مفارقت کرنی پڑی[1]

نجران (سنہ ۹ھ)

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے جہاں عیسائی عرب آباد تھے۔ یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے، اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے۔ اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے جن کا لقب سیّد اور عاقب تھا۔ عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا۔ اعشیٰ اسی کی شان میں کہتا ہے:

وکعبۃ نجران حتم علیک — حتی تناخی بابوابھا

تزور یزیدا و عبد المسیح — وقیساھم خیر اربابھا

یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ جو شخص اس کے حدود میں آجاتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا۔ اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی[2]

آنحضرتؐ نے ان کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور آئمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرتؐ نے اُن کو مسجد میں اُتارا تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو اُن لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی صحابہؓ نے روکا۔ لیکن آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منھ کرکے نماز ادا کی۔ ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا نہایت محترم اور فاضل شخص تھا۔ قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لئے گرجے اور

---

[1] (جامع ترمذی وابو داؤد کتاب النکاح) [2] یہ تمام تفصیل معجم البلدان میں ہے۔ پہلا فقرہ فتح الباری سے ماخوذ ہے جہاں وفد نجران کا ذکر ہے۔

مبعد بنوائے تھے۔[1]

ان لوگوں نے آنحضرتؐ سے مختلف مسائل پوچھے اور آپؐ نے وحی کی رُو سے ان کا جواب دیا۔

ان کے زمانۂ قیام میں سورۂ آلِ عمران کی ابتدا کی اسّی آیتیں اتریں۔ اِن آیتوں میں اُن کے سوالات کا جواب تھا۔ جس آیت میں دعوتِ اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے :-

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○

(آل عمران : ۶۴)

کہدے کہ اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بات کو مان لیں جو ہم تم دونوں میں مشترک ہے۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو خدا کے شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ قرار دے۔ پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہدو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

آنحضرتؐ نے جب اُن کو اسلام کی دعوت دی تو اُن لوگوں نے کہا کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "جب تک تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو۔ کیونکر مسلمان ہو سکتے ہو؟" جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے وحی کے مطابق اُن سے کہدیا کہ اچھا مباہلہ کرو یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل وعیال کو لے کر آئیں اور دُعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

---

[1] زاد المعاد ابنِ قیم۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○

تو جو شخص تجھ سے علم آئے پیچھے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہدے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو بلائیں پھر مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

(آل عمران : ۶۱)

لیکن جب آنحضرتؐ حضرت فاطمہ زہراؑ اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لئے نکلے تو خود اُن کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں گے۔ غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

بنو اسد (۹ھ)

یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست و بازو تھا۔ طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ھ میں یہ لوگ بھی اسلام لائے اور سفارت بھیجی۔ لیکن اب تک اُن کے دماغ میں فخر کا نشہ باقی تھا۔ سفراء دربارِ رسالت میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپؐ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی۔ بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

(الحجرات : ۱۷)

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے کہدو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

بنو فزارہ (۹ھ) یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا۔ عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے۔ اس قبیلہ نے رمضان ۹ھ میں جب آنحضرتؐ تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا۔[1]

کندہ (۱۰ھ) یہ حضرت موت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا۔ یہاں کندی خاندان کی سلطنت تھی۔ اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے۔ یہ ۱۰ھ میں اسّی سواروں کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے حیرہ کی چادریں جن کی سنجاف حریر کے تھے، کاندھوں پر ڈالے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا "کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟" بولے "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا کہ "پھر یہ حریر کیا"؟ ان لوگوں نے فوراً چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔[2]

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن امِ فروۃ سے ان کی شادی کر دی تھی۔ نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر اونٹوں کے بازار میں پہونچے اور جو اونٹ سامنے آیا تلوار سے ان کی کونچیں اڑا دیں۔ تھوڑی دیر میں بیسیوں اونٹ زمین پر پڑے تھے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنی دارالرّیاست میں ہوتا تو اور ہی سر و سامان ہوتا۔ یہ کہہ کر اونٹوں کے دام دیدئے اور لوگوں سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے۔[3]

یہ جنگ قادسیہ و یرموک میں شریک تھے اور صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

عبد القیس یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گذر چکا، بحرین کا باشندہ تھا۔ یہاں اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا۔ سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ

---

[1] زرقانی۔ [2] ابنِ ہشام و فدکندہ۔ [3] اصابہ۔

آدمی ۸۰ھ میں یا اس سے آگے پیچھے کے زمانہ میں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔

آنحضرتؐ نے پوچھا "تم کون لوگ ہو"؟ عرض کی "یارسول اللہؐ! ہم خاندان ربیعہ سے ہیں"۔ فرمایا "مرحبا لا خزایا ولا ندامیٰ"۔ پھر ان لوگوں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! ہمارا ملک بہت دور ہے۔ (بحرین) اور بیچ میں کفارِ مضر کی آبادیاں ہیں۔ ہم اشہرِ حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آسکتے۔ چند ایسی باتیں تلقین فرمایئے جن پر ہمیشہ عمل کریں اور اپنے اہلِ وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں"۔ ارشاد ہوا، کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور خُمس دو۔ اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، دُبّا، حنتم، نقیر، مزفت۔

دُبّا، حنتم، نقیر، مزفت یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے جن میں رکھ کر شراب بنائی جاتی تھی۔ آنحضرتؐ کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے ان کے پند و موعظت میں انہی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ حضورؐ نے ان ظروف کا کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ "یارسول اللہؐ! نقیر کے متعلق آپؐ کو کیا معلوم ہے؟" ارشاد فرمایا "ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کے تم اس میں پانی ڈالتے ہو۔ جب اُبال کم ہو جاتا ہے تو اس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو"۔ اتفاق یہ کہ وفد میں ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گذرا تھا۔ اُن کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا۔ اس کو وہ شرم سے چھپاتے تھے[1]

بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا[2] کہ "یارسول اللہؐ! ہم کو کیا پینا چاہیئے"؟

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الایمان۔ [2] صحیح مسلم باب الایمان۔

اس کے جواب میں آپ نے ان چار چیزوں کا ذکر فرمایا۔[1]

بنو عامر (۹ھ)

بنو عامر[2] کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا۔ بنو عامر میں اس وقت تین رئیس تھے۔ عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمیٰ۔ عامر اور اربد صرف حصولِ جاہ کے خواہاں تھے۔ یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنوں کا باعث ہو چکا تھا اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا۔ جبار اور قبیلہ کے عام لوگ خلوصِ قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

عامر مدینہ پہنچ کر خاندانِ سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا۔ جبار اور مشہور صحابی کعب ابن مالکؓ میں پہلے کے مراسم تھے۔ اس لئے وہ تیرہ آدمیوں کے ساتھ انہی کے گھر مہمان اترے اور اسی تقریب سے کعبؓ ان کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلۂ کلام میں آنحضرتؐ سے خطاب کر کے کہا انت سیدنا (حضورؐ ہمارے آقا ہیں) آپؐ نے فرمایا السید اللہ (آقا خدا ہے)۔ انہوں نے پھر عرض کیا حضورؐ ہم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں۔ ارشاد ہوا بات بولو تو اس کا لحاظ ہے کہ شیطان تم کو ہنکا نہ لے جائے یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔[3]

عامر بن طفیل نے کہا محمدؐ تین باتیں ہیں۔ اہل بادیہ پر تم حکومت کرو اور شہر میرے قبضہ میں

---

[1] مسلم اور دیگر کتبِ صحاح میں عبد القیس کے اسی وفد کا ذکر ہے۔ ابن مندہ و دولابی وغیرہ نے اسی قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جس میں چالیس آدمی شریک تھے۔ اس بنا پر علامہ قسطانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیئے ہیں۔ پہلا تقریباً ۵ھ میں اور دوسرا ۹ھ میں۔ حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی میں بعینہٖ یہی تحقیق کی ہے۔ لیکن کتاب الایمان کی شرح میں دونوں روایتوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ [2] اضافہ۔ [3] مشکوٰۃ باب المفاخرۃ بحوالہ ابو داؤد۔

ہوں۔ اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو میں غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا۔" عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ میں ادھر محمدؐ کو باتوں میں لگاؤں گا اُدھر تم ان کا کام تمام کر دینا۔ اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی۔ نبوت کے غیر مرئی جاہ و جلال نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں۔ دونوں اُٹھ کر چلے آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "خدایا اُن کے شر سے بچانا۔" عامر کو طاعون ہو گیا۔ عرب میں صاحبِ فراش ہونا شرم کی بات تھی۔ عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو۔ گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑا۔

جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دارالاسلام سے واپس آئے۔[1]

حمیر وغیرہ کی سفارت | حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی۔ سلاطینِ حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عربی میں اُن کا لقب قیل تھا۔ یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ میں بہراء، بنو بکاء وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔

---

(۱) عام واقعات ابن اسحاق و زرقانی سے ماخوذ ہیں۔ عامر کی تقریر اور اس کی موت کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

تاسیسِ حکومتِ الٰہی
استخلاف فی الارض

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (النور: ۵۵)

(ان کو بے شبہہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے گا جس طرح کہ گذشتہ امتوں کو عطا کی تھی)

(تیرہ[1] وتار راتوں کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔ گھنگھور گھٹائیں جب چھٹ جاتی ہیں تو خورشید تاباں ضیاگستری کرتا ہے۔ دنیا گنہگاریوں اور ظلم وستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتہً صبح سعادت نے ظہور کیا اور حق وصداقت کا آفتاب پر تو افگن ہوا۔ عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔

خدائے پاک نے وعدہ فرمایا تھا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ (النور: ۵۵)

خدا نے تم میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے کہ اُن کو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے گا جس طرح کہ گذشتہ اُمتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی۔ اور اُن کے اس مذہب کو جس کو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے یقیناً قوت بخشے گا۔ اور اُن کی بے امنی کو امن سے بدل دے گا۔ مجھ کو پوجیں اور کسی کو شریک نہ بنائیں۔

---

[1] یہ پورا باب اضافہ ہے۔ س

حکومتِ الٰہی و استخلاف فی الارض نبوّت کے ضروری لوازم نہیں۔ لیکن جب دعوتِ الٰہی سیاستِ ملکی کی دیواروں سے ٹکراتی ہے یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی و انتشارِ حال کے کانٹوں میں اُلجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیمؑ اور موسیٰ علیہما السلام کے قالب میں آگے بڑھتا ہے اور قوم و ملک کو نمارده و فراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔ پیغمبروں میں عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام بھی گزرے ہیں جن کو حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا اور داؤد و سلیمان علیہم السلام بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام بھی تھے اور موسیٰ و داؤد علیہم السلام بھی۔ عرب کے خزانے دستِ تصرف میں تھے، لیکن کاشانۂ نبوّت میں نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ غذائے لطیف، نہ جسمِ مبارک پر خلعتِ شاہانہ تھا، نہ جیب و آستین میں درہم و دینار۔ عین اس وقت جب اس پر کسریٰ و قیصر کا دھوکہ ہوتا تھا وہ گلیم پوش مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا

اسلامی حکومت کی غرض و غایت

اسلام کی حکومت کی غرض و غایت جس کو خدا نے خود اپنے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے یہ تھی:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ	مسلمان جن سے (بلاسبب) جنگ کی جاتی
وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ	ہے، اب ان کو بھی جنگ کی اجازت
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ	دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں، اور خدا اُن کی
حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا	مدد پر قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں
دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ	سے نکال دیئے گئے سوا اُس کے اُن کا
لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ	اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا
مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ	پروردگار ہی ہمارا خدا ہے، اگر دنیا میں ایک

---

۱ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے قبیلہ کے شیخ تھے۔ چار سو غلاموں کی فوج ساتھ رہتی تھی۔ شام و اطراف کے کئی بادشاہوں سے اُن کو لڑنا پڑا۔ اور خدا نے اُن سے وعدہ کیا کہ ان کی اولاد کو ارضِ مقدس کی حکومت عطا کرے گا۔ (توراۃ سفر تکوین)۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

(الحج : ۳۹ - ۴۱)

قوم کو دوسری قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں، کلیسے، عبادت گاہیں، مسجدیں، جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے برباد کر دی جائیں، جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اُس کی مدد کرتا ہے، خدا طاقت ور اور غالب ہے، مسلمان وہ ہیں، جن کو اگر خدا زمین میں قوت عطا کرے تو عبادت الٰہی کریں، مستحقین کی مالی اعانت کریں (زکوٰۃ) لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں، برائیوں سے روکیں، انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ان آیتوں میں بالاجمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں غزوات کی ابتداء کیوں اور کیوں کر ہوئی۔ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض و مقاصد تھے اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہیں، اور دنیا کی عام حکومتوں سے وہ کن امور میں ممتاز ہے۔ ان مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا۔ یہاں عرب کے نظم و نسق کے متعلق عام اور جزئی باتیں بیان کرنی منظور ہیں۔

صفحاتِ بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن و امان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ملک کے ہر گوشہ میں دعاۃ اسلام پھیلے ہوئے ہیں۔ قبائل دور دراز صوبوں سے بارگاہِ نبوت کا رُخ کر رہے ہیں۔ فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا۔ جو رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے۔ اسی کے بعد آنحضرتؐ نے قبائل میں محصلینِ زکوٰۃ کا تقرر فرمایا۔ لیکن اصل خلافتِ الٰہی کے تمام اجزاء اواخر ۱۰ھ میں زمانۂ حجۃ الوداع کے قریب تکمیل پائے۔

یورپ کی ناآشنا نگاہ میں اگرچہ آپؐ کی زندگی کا یہ دورِ جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز مظہر تھا لیکن آشنایانِ حقیقت کو شہنشاہِ عرب پھٹے پرانے کپڑوں میں مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکینوں کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ تاج و تخت سے بے نیاز، قصر و ایوان سے مستغنی، حاجب و دربان سے بے پروا، مال و زر سے خالی، خدم و حشم کے بغیر دلوں پر حکومت کر رہا تھا۔ نہ اُس کی حکومت میں پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیر التعداد اربابِ مناصب، نہ وزرائے شوریٰ، نہ امرائے سیاست، نہ الگ الگ حکام و قضاۃ۔ وہ ایک ہی ذات تھی جو ہر فرض و خدمت کی خود ذمہ دار تھی۔ لیکن بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کے برابر بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے عدل و انصاف کے آگے فاطمہؓ جگر گوشۂ نبوت اور عام مجرم برابر تھے۔

آنحضرتؐ کی اصل بعثت کا مقصد دعوتِ مذہب، اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفوس تھا۔ اس کے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے۔ اس بنا پر انتظاماتِ ملکی آپؐ نے اسی حد تک قائم کئے جہاں تک ملکی بدامنی کے باعث دعوتِ توحید کے لئے عوائق پیش آتے تھے۔ تاہم یہ کام بھی کچھ اہم نہ تھا۔

انتظامِ ملکی (عمر شریف اس وقت ساٹھ برس کی تھی لیکن اس عمر میں بھی اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ ولاۃ اور عمال کا تقرر، مؤذنین اور آئمہ کا تعین، محصلینِ زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی، غیر قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جائیدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفود کے لئے تعین وظائف، اجرائے فرامین، نومسلموں کے انتظامات، مسائلِ شرعیہ میں افتاء، جرائم کے لئے اجرائے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدہ داروں کی خبر گیری اور احتساب۔ دور کے صوبوں میں متعدد صحابہؓ گورنر اور والی بنا کر بھیج دیئے گئے تھے۔ لیکن خود مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے فرائض آپؐ خود انجام دیتے تھے۔

لہ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ القاعد۔ ۲ صحیح بخاری کتاب الحدود۔

خلافتِ الٰہی کے ان فرائض و اعمال نے آپؐ کے دل و دماغ پر جو بارِ عظیم ڈالا اُس نے آپؐ کے نظامِ جسمانی کو چور چور کر دیا۔ عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپؐ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جو ضعفِ جسمانی کا اقتضا تھا۔ لیکن یہ ضعفِ جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا؟ اس کا جواب حضرت عائشہؓ کی زبان سے سُننا چاہیئے جن سے بڑھ کر آپؐ کے اعمالِ زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہو سکتا:

عن عبداللہ بن شقیق قال سالت عائشۃؓ فکان یصلی قاعدا قالت حین حطمہ الناس[1]	عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپؐ کو چور چور کر دیا تھا۔)

امیر العسکری (چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا کے امیر الجیش اگرچہ اکابر صحابہؓ ہوتے تھے لیکن جو بڑے معرکے پیش آتے تھے اُن کی قیادت خود آپؐ بہ نفسِ نفیس فرماتے تھے۔ چنانچہ بدر، اُحد، خیبر، فتحِ مکہ، تبوک میں خود آپؐ ہی امیر العسکر تھے۔ اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا اور آخری فتح و ظفر حاصل کرنا نہ تھا بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے مجاہدینِ اسلام کی جن جزئی سے جزئی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے وہ احادیث میں بہ تصریح مذکور ہیں اور اسلام کا قانونِ جنگ اسی دار و گیر کے ذریعہ سے وجود میں آیا ہے۔)

افتا (آپؐ کے عہدِ مبارک میں اگرچہ متعدد صحابی بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپؐ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے۔ فتویٰ دینے کے لئے آپؐ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، غرض جس وقت لوگ آپؐ سے احکامِ اسلام سے متعلق سوالات کرتے تھے، آپؐ

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ۔

اُن کا جواب دیتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے کتاب العلم میں ان فتاوی کو اس قسم کے متعدد ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ خلافت کا یہی فرض تھا جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل صیغہ قائم کر دیا۔)

فصل قضایا (اگرچہ آپؐ کے عہدِ مبارک میں عہدۂ قضارت قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو آپؐ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کر بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اس کے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپؐ خود فیصلہ کرتے تھے۔ اس کے لئے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے :

باب ما ذکر ان النبی صلی اللہ علیہ	یعنی آنحضرتؐ کے دروازے پر
وسلم لم یکن لہ بواب	دربان نہ تھا۔

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپؐ اطمینان و سکون کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ عورتوں کے معاملات عموماً زنانخانہ ہی میں پیش ہوتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں آپؐ کے فیصلوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر ان کا استقصاء کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔ عموماً احادیث کی کتاب البیوع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ میں فوجداری کے مقدمات مذکور ہیں۔)

توقیعات و فرامین (یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہدِ مبارک میں اگرچہ اور صیغوں کا کوئی مستقل دفتر نہیں قائم ہوا تھا تاہم توقیعات و فرامین کے لئے اس کی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس خدمت پر حضرت زید بن ثابتؓ اور آخر میں معاویہؓ مامور ہوئے۔ ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہؓ بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ آپؐ نے سلاطین و ملوک کو دعوتِ اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے، غیر قوموں کے ساتھ جو معاہدے کئے، مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے، عمال و محصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کئے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہؓ کو جو حدیثیں لکھوائیں وہ سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔ زرقانی

وغیرہ نے آپؐ کے احکام و فرامینِ تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔)

مہمانداری (منصبِ نبوت کے بعد آپؐ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہو گئی تھی اس لئے آپؐ کی خدمت میں جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان کا تعلق بھی خلافتِ الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا اور آپؐ اسی حیثیت سے ان کی مہمانداری فرماتے تھے۔ مہمانوں کی زیادہ تر تعداد قبولِ اسلام کے لئے آتی تھی جن کی مہمانداری کے لئے آپؐ نے ابتدائے نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلالؓ کو مامور فرما دیا تھا۔ چنانچہ جب کوئی تنگ دست مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپؐ اس کو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض لے کر اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے۔ جب آپؐ کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعہ سے وہ قرض ادا کیا جاتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آپؐ کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ میں صرف کیا جاتا[1]۔ کبھی کبھی اس غرض کے لئے آپؐ تمام صحابہؓ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے اور جو رقم وصول ہوتی وہ اُن مفلوک الحال مہاجرین کی اعانت میں صرف ہوتی۔ چنانچہ ایک بار مہاجرین کی ایک برہنہ پا و سر جماعت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے میں ایک تلوار حمائل تھی۔ آپؐ نے اُن کی پریشان حالی کو دیکھا تو چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ فوراً حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ میں تمام صحابہؓ کو ان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک انصاری اُٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ اُن سے بمشکل اُٹھ سکتا تھا، لاکر آپؐ کے آگے ڈال دیا۔ اُس سے تمام لوگوں میں اور بھی جوش پیدا ہوا اور تھوڑی دیر میں ان بے سر و سامان مہاجرین کے آگے غلّہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا[2]۔

فتح مکّہ کے بعد تمام اطرافِ ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے۔ آپؐ بہ نفسِ نفیس اُن

---

[1] ابو داؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین، [2] مسند احمد حنبل جلد چہارم۔

کی خاطر مدارت کرتے تھے اور اُن کے لئے حسبِ حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے۔ قبائل پر اُس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ آپؐ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت آپؐ نے جو آخری وصیتیں فرمائی تھیں اُن میں ایک یہ بھی تھی:

اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم[1] — جس طرح میں وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسی طرح دیا کرنا۔

(وفود کے حالات آگے آتے ہیں۔)

عیادتِ مرضیٰ (مریضوں کی عیادت اور اُن کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اس کی ابتدا بھی ہوئی، چنانچہ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو یہ عام دستور ہو گیا کہ دمِ نزع میت سے اعزہ آپؐ کو اطلاع دیتے۔ آپؐ اُن کے پاس آکر اُن کے لئے دعائے مغفرت کرتے۔ لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہو گیا تھا کیونکہ بعض صحابہؓ اس حالت میں اپنی جائیداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے اور آنحضرتؐ اس موقع پر اُن کا صحیح طریقہ بتاتے تھے۔ جن لوگوں پر قرض آتا تھا آپؐ اُن کے جنازہ میں شریک نہیں ہوتے تھے اس لئے ان کے ورثہ یا دوسرے صحابہ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا اور اس طرح بعض معاملات و نزاعات کا فیصلہ ہو جاتا تھا چنانچہ احادیث میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

احتساب (تمدنِ اسلام کے دورِ ترقی میں محکمۂ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شرا، اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کرتا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک میں یہ محکمہ قائم نہیں ہوا تھا بلکہ خود ہی آپؐ اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔ ہر شخص کے جزئیاتِ اخلاق اور فرائضِ مذہبی کے متعلق آپؐ وقتاً فوقتاً دار و گیر فرماتے رہتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، [2] مسند جلد ۳۔

فرماتے تھے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابلِ اصلاح تھی اور مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی آپؐ نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا۔ لیکن تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغۂ احتساب سے تعلق رکھتا تھا چنانچہ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے اُن پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے اُن کو سزائیں دلاتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب البیوع میں ہے:

لقد رأیت الناس فی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم یبتاعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یبیعوه فی مکانهم حتی یبووه الی رحالهم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالیں جہاں اس کو خریدا تھا۔

کبھی کبھی تحقیقِ حال کے لئے آپؐ خود بازار تشریف لے جاتے۔ ایک بار آپؐ بازار میں گزرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا۔ اُس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی۔ دوکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ پھر اُس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے۔ جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں[1]۔

فرائضِ احتساب میں آپؐ کا سب سے بڑا فرض عمّال کا محاسبہ تھا یعنی جب عمّال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپؐ اس غرض سے اُن کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ وہ اپنی خدمت انجام

---

[1] صحیح مسلم جلد اوّل کتاب الایمان۔

دے کر واپس آئے اور آپؐ نے اُن کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا"؟ اس کے بعد آپؐ نے ایک عام خطبہ دیا جس میں اُس کی سخت ممانعت فرمائی۔[1]

اصلاح بین النّاس اسلام تمام دنیا کے تفرقوں کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لئے آیا تھا۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے اُس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا اور جب آپؐ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی تو آپؐ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوا۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو چند صحابہؓ کے ساتھ اُن میں مصالحت کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ آپؐ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آگیا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی لیکن اذان کے بعد بھی آپؐ تشریف نہیں لائے تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو امام بنا کر نماز شروع کر دی۔ آپؐ اسی حالت میں تشریف لائے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز میں اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرتؐ کھڑے ہیں۔ آپؐ نے اگرچہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہیں لیکن آپؐ کی موجودگی میں انہوں نے امامت کرنا سوٗ ادب خیال کیا اس لئے پیچھے ہٹ آئے اور آنحضرتؐ آگے بڑھ کر اُن کی جگہ کھڑے ہو گئے۔[2]

ایک بار اہلِ قبا کے درمیان نزاع قائم ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے باہم سنگ اندازی کی۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ صحابہؓ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے[3] یہ دونوں واقعات گو امام بخاری نے الگ لکھے ہیں لیکن شرّاحِ حدیث کی تحقیق میں یہ ایک ہی واقعہ کے دو حصے

---

[1] بخاری جلد دوم کتاب الاحکام [2] بخاری ج اوّل کتاب الصّلح۔ [3] بخاری کتاب الصلح۔

ہیں۔ بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کہ آپؐ اتنی دور پیدل گئے تھے۔

ابنِ ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالکؓ کا کچھ قرض تھا۔ انہوں نے مسجد میں تقاضا کیا۔ حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرانا چاہتے تھے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے۔ بات زیادہ بڑھی اور شور وغل ہوا تو آپؐ گھر کے اندر سے نکل آئے اور کعبؓ کو پکارا۔ کعبؓ نے لبیک کہا تو آپؐ نے فرمایا کہ "نصف معاف کر دو"۔ وہ راضی ہو گئے، تو آپؐ نے حدرد سے کہا کہ "جاؤ اور بقیہ حصہ ادا کر دو"۔

اس قسم کے سینکڑوں جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

مدینہ میں اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لئے اکابر صحابہؓ اور ارباب استعداد کو مختلف عہدوں پر نصب فرمایا۔ کتابتِ وحی، نامہ وپیام، اجرائے احکام وفرامین کے لئے سب سے پہلی ضرورت عہدۂ انشاء اور کتابت کی تھی۔ اسلام سے پہلے عرب میں عام طور پر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا لیکن اسلام عرب کے لئے رحمتوں کا جو خزانہ لایا تھا اُس میں سے ایک یہ شے بھی تھی۔

اسیرانِ بدر میں نادار لوگوں کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچّوں کو لکھنا سکھا دیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے جن کے متعلق کتابتِ وحی کی مقدّس خدمت تھی، اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ ابوداؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحابِ صُفّہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا ایک جزء کتابت کی تعلیم بھی تھی۔)

کتّاب (عہدۂ قضا گویا آنحضرتؐ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی اس لئے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہؓ اس خدمت پر مامور کئے گئے جن میں شرجیل بن حسنہ کندیؓ سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے۔ یہ نہایت قدیم الاسلام تھے۔ مکہ میں انہی نے سب سے پہلے کتابتِ وحی کا فرض انجام دیا۔ قریش میں سب سے پہلے کاتب عبداللہ بن ابی سرحؓ تھے۔ مدینہ میں اس کی اوّلیت کا شرف حضرت ابی بن کعبؓ کو حاصل ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن ارقمؓ، حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ، حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدیؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ، حضرت علاء بن حضرمیؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔

اگرچہ تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ صلح نامۂ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ امرا اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہؓ لکھتے تھے۔ امرائے عمان کے نام آپؐ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن کعبؓ کا لکھا ہوا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہِ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیسؓ نے لکھا تھا۔ لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق تھی اور صحابہؓ کے گروہ میں اُن کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے[1]۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد سے ان تمام بزرگوں پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی جس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ مدینہ میں آنحضرتؐ کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا، جن کی مذہبی زبان عبرانی تھی۔ اس بنا پر آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے پندرہ دن میں اس زبان میں مہارت حاصل کر لی۔)

حکام اور ولاۃ | فصل قضایا، اقامتِ عدل، بسطِ امن، رفع نزاع کے لئے متعدد ولاۃ و حکام کی ضرورت تھی۔ اس غرض سے آپؐ نے متعدد صحابہؓ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا۔ چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

باذان بن سامانؓ | بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم میں سب سے

---

[1] ان بزرگوں کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی جلد سوم میں مذکور ہیں۔

	پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اُن کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔
شہر بن باذانؓ	باذان بن ساسان کے بعد آنحضرتؐ نے ان کو صنعا کا والی مقرر فرمایا۔
خالد بن سعید بن العاصؓ	شہر بن باذان مارے گئے تو اُن کے بعد آپؐ نے اُن کو صنعاء میں عامل مقرر فرمایا۔
مہاجر بن امیۃ المخزومیؓ	آپؐ نے اُن کو کندہ وصدف کا والی مقرر فرمایا تھا۔ لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپؐ نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاریؓ	حضرموت کے والی تھے۔
ابو موسیٰ اشعریؓ	زبید، عدن، زمعہ وغیرہ کے والی تھے۔
معاذ بن جبلؓ	والیٔ جند۔
عمرو بن حزمؓ	والیٔ نجران۔
یزید بن ابی سفیانؓ	والیٔ تیما۔
عتاب بن اسیدؓ	والیٔ مکہ۔
علی بن ابو طالبؓ	متولی اخماس یمن۔
عمرو بن العاصؓ	والیٔ عمان۔
علاء بن حضرمیؓ	والیٔ بحرین۔

ان ولاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیرِ اثر آئے اُن میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیرِ سایہ رہ چکا تھا۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے اس کو پانچ حصوں

میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے۔ خالد بن سعیدؓ کو صنعاء پر، مہاجر بن ابی امیہؓ کو کندہ پر، زیاد بن لبیدؓ کو حضرت موت پر، معاذ بن جبلؓ کو جند پر، ابو موسیٰ اشعریؓ کو زبید، زمعہ، عدن اور سواحل پر[1]۔

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے[2]۔ ملکی انتظام، فصلِ مقدمات اور تحصیلِ خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمّال کا سب سے مقدم فرض اشاعتِ اسلام اور سُنن و فرائض کی تعلیم تھی۔ اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، یہ لوگ حاکمِ ملک اور والیٔ صوبہ ہونے کے ساتھ مُبلّغِ دین اور معلّمِ اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ استیعاب تذکرۂ معاذ بن جبلؓ میں ہے:

وبعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرتؐ نے اُن کو یمن کے ایک حصہ یعنی
قاضیاً الی الجند من الیمن یعلم الناس	جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کو
القرآن وشرائع الاسلام ویقضی	قرآن اور شرائعِ اسلام کی تعلیم دیں اور جو
بینھم وجعل الیہ قبض الصدقات	عمّال یمن میں تھے اُن کے صدقات کے
من العمال الذین بالیمن	جمع کرنے کی خدمت بھی اُن کے متعلق تھی۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرتؐ ان فرائض کی تعیین فرما دیتے تھے۔ چنانچہ جب معاذ بن جبلؓ کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی:۔

انک تاتی قوماً من اھل الکتاب فادعھم	تم اہلِ کتاب کے پاس جاتے ہو۔ پہلے
الی شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وانی	اُن کو کلمۂ توحید کی دعوت دو۔ اگر وہ اس
رسول اللہ فان ھم اطاعوا لذلک	کو قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے
فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم	رات اور دن میں اُن پر پانچ نمازیں فرض

---

[1] استیعاب تذکرۂ معاذ بن جبلؓ۔ [2] مسند ابن حنبل جلد پنجم۔

خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ
فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان
الله افترض علیهم صدقۃ تؤخذ
من اغنیاءهم وترد الی فقراءهم
فان هم اطاعوا لذلك فایاك وکرائم
اموالهم واتق دعوۃ المظلوم فانہ
لیس بینها وبین الله حجاب

کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو
بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو
ان کے اُمراء سے لے کر ان کے غرباء پر تقسیم
کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر
لیں تو اُن کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور
مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اُس میں اور
خُدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ تبحرِ علمی، وسعتِ نظر اور اجتہاد کی ضرورت تھی۔ اس بنا پر آپؐ ان لوگوں کے تبحرِ علمی اور طرزِ عمل کا امتحان لیتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت معاذؓ کو روانہ فرمایا تو پہلے اُن کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرما لیا۔ ترمذی میں ہے:

قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم
لمعاذ بن جبل حین وجهه الی الیمن
بم تقضی قال بما فی کتاب الله قال
فان لم تجد قال بما فی سنۃ رسول
الله قال فان لم تجد قال اجتهد
برأیی فقال رسول الله صلی الله علیہ
وسلم الحمد لله الذی وفق رسول
رسول الله لما یحب رسول الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ
بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کس چیز
سے مقدمات کا فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے
کہا قرآن مجید سے۔ آپؐ نے فرمایا اگر اس
میں وہ فیصلہ تم کو نہ ملے؟ انہوں نے کہا حدیث
سے۔ پھر آپؐ نے فرمایا اگر احادیث میں بھی
اس کے متعلق ہدایت نہ ملے تو انہوں نے کہا
میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر
آپؐ نے فرمایا اس خُدا کا شکر ہے جس نے

رسول کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی
جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے۔

لیکن اہلِ عرب کے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے ان تمام چیزوں سے زیادہ رفق و ملاطفت، نرمی اور خوش خوئی کی ضرورت تھی جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ گورنروں کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب معاذ بن جبلؓ کو ایک صحابیؓ کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی:

یسّرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا و	آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا،
تطاوعا ولا تختلفا	لوگوں کو بشارت دینا اور ان کو وحشت زدہ
(مسلم: کتاب الایمان: جلد ۲۔ ص ۶۳)	نہ کرنا۔ باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبلؓ جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے:

احسن خلقك للناس	لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ
(ابن سعد: تذکرہ معاذ بن جبل)	برتاؤ کرنا۔

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحم دل کیوں نہ ہو لیکن ابتداء میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لاتی ہے تو سرکش لوگوں کے مطیع کرنے کے لئے اس کو مجبوراً سختیاں کرنی پڑتی ہیں تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کی اسی مقدس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ریگستانِ عرب کا ایک ذرہ بھی ولاۃ کے مظالم کے سنگِ گراں سے نہ دبا یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب صحابہؓ عمالِ حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو اُن کو سخت استعجاب ہوتا تھا اور وہ آنحضرتؐ کی تلقینات کے ذریعہ سے اُن کو روکتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزامؓ نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ میں کھڑے

کئے گئے ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے اُس کی وجہ پوچھی۔ لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے اُن لوگوں کے ساتھ یہ سختی کی جارہی ہے۔ انہوں نے یہ سُن کر کہا کہ

اشھد لسمعت رسول اللہ صلی اللہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ
علیہ وسلم یقول ان اللہ یعذب	صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ خُدا
الّذین یعذبون الناس فی الدنیا[1]	اُن لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو
	دُنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

محصّلینِ زکوٰۃ وجزیہ | عرب کا خلوص اور جوشِ ایمان اگرچہ خود اُن کو صدقہ وزکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرتؐ کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپؐ کی دُعا سے برکت اندوز ہوتا تھا۔ لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کے لئے یہ طریقہ کافی نہ تھا۔ اس لئے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم ۹ھ کو آنحضرتؐ نے صدقہ وزکوٰۃ کے وصول کرنے کے لئے ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ محصّلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپؐ کی خدمتِ مبارک میں پیش کرتے تھے۔ عموماً خود روسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصّل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اُن کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہرحال آپؐ نے اس فرض کی انجام دہی کے لئے حسبِ ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں[2] میں متعیّن فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم باب الوعد الشدید لمن عذب الناس بغیر حق۔ [2] اس فہرست کے اکثر نام ابنِ سعد جزء مغازی میں مذکور ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ محمدؐ اور عبیدہ بن جراحؓ کا ذکر بخاری کتاب الصدقات اور بعض کا ابوداؤد، کتاب الخراج میں ہے۔ بقیہ کے لئے زاد المعاد، ذکر مصدقین و امرائے نبویؐ اور فتوح البلدان بلاذری دیکھو۔

نام	مقامِ تقرر	نام	مقامِ تقرر
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد	ابو جہم بن حذیفہ	بنو لیث
صفوان بن صفوان[1]	بنی عمرو	ایک ہذیمی	بنو ہذیم
مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ	عمر فاروق رضؓ	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	عقار و اسلم	ابو عبیدہ بن جراح رضؓ	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ	عبداللہ بن رواحہ رضؓ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنی	جہنیہ	زیاد بن لبید	حضرموت
زبرقان بن بدر	بنو سعد	ابو موسیٰ اشعری رضؓ	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	بنو سعد	خالد رضؓ	صوبہ یمن
عمرو بن عاص رضؓ	بنو فزارہ	ابان بن سعید	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی	بنو کلاب	عمرو بن سعید بن العاص	تیماء
بسر بن سفیان کلابی	بنو کعب	محمد بن جزء الاسدی	تحصیل خمس
عبداللہ بن اللتبیہ	بنو ذبیان	عیینہ بن حسن فزاری	بنو تمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپؓ حسبِ ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے :-

۱۔ ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے۔ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ایاک و کرائم اموالھم یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سرِ مو تجاوز جائز نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا۔ لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ سوید بن غفلہ

---

[1] اصابہ، باب صفوان۔

کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرتؐ کا محصل آیا۔ میں جا کر اس کے پاس بیٹھا تو اس نے پہلے جانوروں کی اُن اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان میں اجازت نہ تھی۔ چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور اُس کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اس نے کہا کہ ہم کو اُس کے لینے کی ممانعت کی گئی ہے۔[1]

(۲) عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلّے تک محدود تھی جو جنگلوں میں بیابانوں میں، پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے۔ لیکن بجائے اس کے کہ دنیوی حکومتوں کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لا کر محصلین کے سامنے پیش کرتے تھے محصلوں کو خود ان دروں میں جا کر زکوٰۃ وصول کرنی پڑتی تھی۔ ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ رسول اللہؐ کے قاصد ہیں۔ یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہوں نے اُس کو اپنے اونٹ پر لاد لیا اور چلتے ہوئے۔[2]

(۳) اگرچہ صحابہؓ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال لینے سے خود احتراز کرتے تھے چنانچہ جب آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں۔ انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو"[3] بایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کا محاسبہ فرماتے

---

[1] نسائی۔ [2] نسائی۔ [3] نسائی۔ [4] فتوح البلدان۔

تھے۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ جب وہ واپس آئے اور آپ نے اُن کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپؐ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا۔ اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔[1]

(۴) چونکہ آنحضرتؐ نے اپنے خاندان پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا اس لئے خاندانِ نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔ ایک بار عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارثؓ اور فضل ابن عباسؓ نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے، آپؐ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہمارا سن نکاح کے قابل ہو گیا ہے۔ تمام لوگوں کی طرح ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے تاکہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لئے سرمایہ مہیا کریں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ صدقہ آلِ محمدؐ کے لئے جائز نہیں ہے۔ وہ لوگوں کا میل ہے۔[2]

(۵) عمّال کا انتخاب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے خود پیش کرتے تھے۔ اُن کی درخواست نامنظور ہوتی تھی۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ دو شخص آئے، اور عامل بننے کی درخواست کی۔ آپؐ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم کیا کہتے ہو"؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں۔ آپؐ نے ان دونوں کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم اُن کو عامل مقرر نہیں کرتے۔ لیکن اسی وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔[3]

(۶) عمّال کو صرف بقدرِ ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپؐ نے عام منادی فرما دی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانتِ مالی ہے۔ مقدارِ ضرورت کی تصریح خود آپؐ نے فرما دی تھی:[4]

---

[1] صحیح مسلم جلد دوم [2] صحاح کتاب الصدقات [3] صحیح مسلم جلد دوم [4] ابو داؤد جلد دوم باب ارزاق العمّال میں دونوں حدیثیں شامل ہیں۔

من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجۃ	جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی
فان لم یکن لہ خادم فلیکتسب خادما	کا خرچ لینا چاہیئے۔ اگر اس کے پاس
وان لم یکن لہ مسکن فلیکتسب	نوکر نہ ہو تو نوکر کا۔ اگر مکان نہ ہو تو
مسکنا ومن اتخذ غیر ذلک فھو	مکان کا لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ
غال	لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

آپؐ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملا تھا۔ چنانچہ اُن کے عہدِ خلافت میں جب صحابہؓ نے زہد و تقدس کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انہوں نے آنحضرتؐ کے اسی طرزِ عمل سے استدلال کیا۔

قضاۃ ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے مثلاً فصلِ مقدمات کا کام اگرچہ زیادہ تر آپؐ خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی کبھی آپؐ کے حکم سے حسبِ ذیل صحابہؓ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے:

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ۔

پولیس اگرچہ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا اور اس کی ابتدا بنو امیہ کی سلطنت میں ہوئی[1] تاہم آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک میں بھی اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپؐ کے عہدِ مبارک میں قیس بن سعدؓ اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپؐ کے ساتھ رہتے تھے[2]۔

جلاّد مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ، مقداد بن الاسودؓ،

[1] فتح الباری جلد سیزدہم [2] صحیح بخاری کتاب الاحکام۔

محمد ابنِ مسلمہؓ، عاصم بن ثابتؓ، ضحاک بن سفیان کلابیؓ کے سپرد تھی۔[1]

غیر قوموں سے معاہدے | عرب میں اب کفر و شرک کا بالکل وجود نہ تھا۔ کہیں کہیں صرف مجوس، نصاریٰ اور یہود کی آبادیاں تھیں۔ اُن میں سے معتدبہ افراد نے گو نورِ ایمان سے قلوب کو روشن کر لیا تھا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی میں تھے۔ تاہم خلافتِ الٰہی کی ہمہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کر سکے۔ حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی۔ اس لئے اسلام نے بھی اُن کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع عاقل بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی۔ اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھا بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی چیز جزیہ قرار پائی۔[2]

غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرتؐ نے ۷ھ میں خیبر، فدک، وادی القریٰ تیماء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔ اس وقت تک آیتِ جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئی تھیں وہ آیتِ جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے۔[3] اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔[4]

۹ھ میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے۔ نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آکر مصالحت کی درخواست کی جس کو آپؐ نے منظور فرمایا۔ شرائطِ صلح یہ تھیں کہ "وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور اُن کو دو قسطوں میں یعنی آدھا ماہِ صفر

---

[1] ۔ زاد المعاد ابنِ قیم۔ [2] زاد المعاد جلد اوّل فصل جزیہ۔ [3] زاد المعاد ابنِ قیم جلد اوّل۔ [4] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد ذکر خیبر و فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک و وادی القریٰ و تیماء۔

اور آدھا ماہِ رجب میں ادا کریں گے۔ اگر یمن میں کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریۃً تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے اور مسلمان اُن کی واپسی کے ضامن ہوں گے۔ اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے نہ اُن کے گرجے ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کے پادری نکالے جائیں گے، نہ اُن کو اُن کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔[1]

حدودِ شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے۔ رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر دومۃ الجندل، ایلہ، مقناء، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار کچھ بھی اسلام نہیں لائے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا، اُن میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا۔ اور مسلمان جب اُدھر سے گزریں تو اُن کی ضیافت بھی اُن پر لازمی قرار دی گئی۔[2]

ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں۔[3]

(بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔[4])

اصنافِ محاصل و مخارج | مختلف اغراض و مصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غنیمت، فی، زکوٰۃ، جزیہ، خراج۔ اوّل و دوم کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔

غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیسِ فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا۔ جس کو اصطلاح میں مرباع کہتے تھے اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لے لیتا تھا۔ تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا

---

[1] ابو داؤد کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ۔ [2] فتوح البلدان بلاذری [3] ابو داؤد، باب اخذ الجزیہ۔

[4] ابو داؤد اخذ الجزیہ من المجوس و تاریخ بلاذری ذکر بحرین۔

جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومتِ الٰہی کے مصالح و اغراض کے لئے مخصوص فرمایا :

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ (الانفال : ۱)	اے پیغمبر ! لوگ تجھ سے مالِ غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں ۔ کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے ۔

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے بلکہ مصالح کی بنا پر صاحبِ خلافت جس طرح مناسب سمجھے اس کو صرف کر سکتا ہے ۔ اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ (الانفال : ۴۱)	مسلمانو ! جان لو کہ تم کو جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے اُس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول ، اہلِ قرابت اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے ۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس میں آنحضرتؐ نے مالِ غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلموں کو عنایت فرمایا ، ہمیشہ آپؐ کا یہ طرزِ عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حصہ سپاہیوں پر برابر تقسیم فرما دیتے تھے ۔ سواروں کو تین حصے اور پاپیادہ کو ایک حصہ ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے[1] ۔ خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا ۔ آیتِ بالا میں جن اربابِ استحقاق کا ذکر ہے زیادہ تر انہی پر خرچ کر دیا جاتا تھا ۔

زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی ۔ نقد روپیہ ، پھل اور

[1] ابوداؤد ، حکم ارضِ خیبر بروایت مجمع ۔

پیداوار، مویشی بجز گھوڑا اور اسبابِ تجارت[1]۔ دو سو درہم چاندی بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لئے ضروری تھا کہ اس کی مقدار پانچ وسق (تین سو صاع بہ تحقیق امام ترمذی) یا پانچ وسق سے زیادہ ہو۔

سونے اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ مویشیوں کا نرخِ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمیں کی گئیں۔ ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے[2]۔ اس قسم کی اراضی کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا اور جس کو آبپاشی کے ذریعے سے سیراب کیا جاتا تھا اس میں نصف (عشر) یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا[3]۔ سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی[4]۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی تھی۔ فقراء، مساکین، نومسلم، غلام جن کو خرید کر آزاد کرانا ہے، مقروض، مسافر، محصلینِ زکوٰۃ کی تنخواہ، دیگر کارِ خیر۔ عموماً جہاں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی وہیں کے مستحقین پر صرف کر دی جاتی تھی۔ صحابہؓ اس حکم کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابیؓ کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام میں بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو زیاد نے اُن سے رقم کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ آنحضرتؐ کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا[5]۔ معاذ بن جبلؓ جب عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تو زکوٰۃ کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا وصدقۃ تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم۔

جزیہ غیر مسلم رعایا سے اُن کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا۔ اس کی مقدار متعین نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے

---

[1] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ۔ [2] صحیح بخاری جلد اوّل۔ [3] ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔ [4] ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔ [5] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ تحمل فی البلد الی بلد۔

کا حکم دیا تھا۔ بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھیں۔ ایلہ کے جزیہ کی مقدار تین سو دینار تھی۔ عہدِ نبویؐ میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی۔

خراج غیر مسلم کاشت کاروں سے حقِ مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہو گیا ہو اُس کا نام خراج ہے۔ خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔ پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا وقت جب آتا تھا تو آنحضرتؐ کسی صحابیؓ کو بھیج دیتے تھے۔ وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے۔ رفعِ اشتباہ کے لئے تخمینہ میں سے ثلث کم کر دیا جاتا تھا[1]۔ بقیہ پر حسبِ شرائط خراج وصول کیا جاتا۔ خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔

جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں ہوتی تھی۔ تمام صحابہؓ ضرورت کے وقت والنٹیئر سپاہی تھے۔ جو کچھ وصول ہو کر آتا، آنحضرتؐ سب کو اُسی وقت تقسیم فرما دیتے۔ اوّل آپؐ اُن لوگوں کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام رہ چکے تھے۔ ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوتے تھے۔ اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے جو لوگ صاحبِ اہل و عیال ہوتے تھے اُن کے دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔)

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی

(ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستانی پتھریلا، شور اور بنجر تھا۔ جو سرسبز قطعات تھے اُن پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔ مدینہ اور طائف میں البتہ کاشت کاری ہوتی تھی۔ بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار کر زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے۔ اس بنا پر قیامِ امن کے لئے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے۔ حجاز یمن میں غیر قوموں کے انخلا

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الخرص۔ [2] ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفی۔

کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہوگئی تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔

آنحضرتؐ نے عام طور پر صحابہؓ کو اس کی ترغیب دی:

من احیا ارضا میتۃ فھی لہ ومن	جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا
احاط حائطا علی ارض فھی لہ	وہ اس کی ملک ہے۔ جس شخص نے کسی زمین
	کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔

ترغیبِ عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے۔ بنو نضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہِ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپؐ نے اپنی طرف سے اُن کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرمادیا۔ خیبر کی زمین کچھ خالصہ رہی اور بقیہ اُن مہاجرین وانصار میں تقسیم فرمادی جو حدیبیہ میں شریک تھے لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ اُن کا بندوبست رہا۔ پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے۔ اور جو زمینیں آباد نہ تھیں اُن کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ چنانچہ عمک، ذوخیوان اور ایلہ، اذرح، نجران وغیرہ میں اسی طرح معاملات طے پائے۔ افتادہ زمینیں بھی صحابہؓ کو بطور جاگیر عطا فرمادیں۔ حضرت وائلؓ کو حضرموت میں ایک قطعۂ زمین عنایت فرمایا۔ بلال بن حارث مزنیؓ کو قابلِ زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانیں مرحمت فرمائیں۔ حضرت زبیرؓ کو مدینہ کے پاس اور حضرت عمرؓ کو خیبر میں جاگیریں عطا کیں۔ بنو رفاعہ کو دومۃ الجندل کے پاس زمین عنایت کی۔

یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص حسبِ استطاعت اُن کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تحدید کرسکتا تھا۔ ایک بار آپؐ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر میں داخل ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا جب گھوڑا ایک خاص مقام تک پہنچ کر رک گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا اور وہ جس نقطے پر گرا وہیں اُن

کی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔ عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشمہ ہائے آب کی تھی۔ چنانچہ ایک بار جب آپؐ نے حکم دیا من سبق الی ما لم یسبقہ الیہ مسلم فھو لہ یعنی جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اس کا ہے تو تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کی حدود مقرر کر لیں۔

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دور دور سے آکر آنحضرتؐ سے جاگیروں کی درخواست کرنا شروع کی۔ ابیض بن حمالؓ یمن سے خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جس کو آپؐ نے منظور فرمالیا۔ لیکن ایک صحابیؓ نے کہا کہ آپؐ نے اُن کو جو کچھ جاگیر میں عطا فرمایا ہے وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے۔ چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی اس بنا پر آپؐ نے اس کو واپس لے لیا۔

یہ تمام فیاضیاں صرف انہی چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن جو چیزیں رفاہِ عام کے کام آسکتی تھیں اُن کو آپؐ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لئے چراگاہیں متعین کر لیتے تھے جن کو حمیٰ کہتے تھے۔ عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اُس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ لیکن ابیض ابن حمالؓ نے جب اس کو اپنے حمیٰ میں داخل کرنا چاہا تو آپؐ نے منع فرمایا کہ لاحمیٰ فی الاراک[1]

عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لئے رؤسا اور اربابِ اقتدار اپنے لئے چراگاہیں مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہ آنے دیتے تھے۔ چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی اس لئے اس طریقہ کو بھی روک دیا۔

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الخراج کے مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے۔ حریث بن حسان نے بکر بن وائل کے لئے اس زمین کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اُس وقت ایک تمیمہ موجود تھی۔ آپؐ نے اُس کی طرف دیکھا۔ اس نے عرض کی "یارسول اللہؐ! وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے اور اُسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے بھی رہتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "بے چاری سچ کہتی ہے۔ فرمان نہ لکھو۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہو سکتا ہے"۔

مذہبی انتظامات

ملک میں امن قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری انتظامات سرانجام پائے تھے اُن سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا۔ یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لئے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا۔ اُس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجاآوری کا حق حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا تھا جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا۔ ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں۔ دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہوسکتا تھا۔

دُعاۃ اور معلّمینِ اسلام ایک مشہور مغربی مؤرخ نے لکھا ہے کہ "مدینہ میں آکر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بن گیا تھا اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے کہ خُدا پر ایمان لایا جائے، یہ رہ گئے تھے کہ محمدؐ کی حکومت تسلیم کر لی جائے"[1] اسلام کا مقصد وہ تھا جو خُدا نے

---

[1] دیکھو ولیمسن صاحب کا آرٹیکل اسلام پر انسائیکلوپیڈیا۔

قرآن مجید میں بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ	(وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اگر طاقت دیں
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ	تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اچھی باتوں
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ	کا حکم دیں، اور بُری باتوں سے روکیں)

(الحج: ۴۱)

اس بنا پر ہر مسلمان واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعیٔ مذہب بھی اور ماہرِ شریعت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب میں اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ اکثر شرفا میں لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا یا ایک ایک گھر فقہ، حدیث اور تفسیر کا دارالعلم بن گیا۔ تاہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہیں مل سکتا تھا اس لئے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود رہیں جو تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دے سکیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں حکم آیا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ	اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ	(مدینہ) نہیں آسکتے اس لئے ہر قبیلہ سے
طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّيْنِ وَ	ایک گروہ کو آنا چاہیئے تاکہ وہ شریعت
لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ	(دین) میں تفقہ حاصل کریں اور تاکہ واپس
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝	جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید یہ لوگ
	بُری باتوں سے بچیں۔

(التوبۃ: ۱۲۲)

اُن کی تعلیم و تربیت چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرتؐ کی خدمت میں رہنے سے

تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے۔ جس کی گفتار، کردار، بات چیت، نشست و برخاست، قول و عمل ایک ایک چیز تعلیم نبویؐ کے پرتو سے منور ہو جائے تاکہ وہ تمام ملک کے لئے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے۔ اس لئے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپؐ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

کان ینطلق من کل حی من العرب	عرب کے ہر ایک قبیلہ کا ایک گروہ
عصابۃ فیاتون النبی صلی اللہ	آنحضرتؐ کے پاس جاتا تھا اور آپؐ سے
علیہ وسلم فیسألونہ عما یریدون	مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں
من امر دینھم ویتفقھوا فی دینھم[1]	تفقہ حاصل کرتا تھا۔

داعیانِ اسلام جو اطرافِ عرب میں بھیجے جاتے تھے، اُن کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ میں آجائیں اور یہیں بود و باش اختیار کریں۔ اس کا نام ہجرت تھا۔ اس بنا پر بیعت کی دو قسمیں کر دی گئی تھیں۔ بیعتِ اعرابی اور بیعتِ ہجرت۔ بیعتِ اعرابی صرف اُن بدوؤں کے لئے تھی جن کو کچھ دنوں مدینہ منورہ میں رکھ کر تعلیم دینا مقصود تھا۔ مختصر مشکل الآثار میں روایت ہے کہ عقبہ جہنیؓ جب اسلام لائے تو آنحضرتؐ نے اُن سے دریافت کیا کہ بیعتِ اعرابی کرتے ہو یا بیعتِ ہجرت؟ اس کے بعد مصنف لکھتا ہے:

ان البیعۃ من المھاجر توجب الاقامۃ	ہجرت کی بیعت کرنے سے لازم ہو جاتا
عندہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصرف	ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس قیام کرے
فیما یصرفہ فیہ من امور الاسلام	تاکہ آنحضرتؐ ان کو اسلامی امور میں

---

[1] تفسیر خازن سورہ توبہ آیت: ۱۲۲۔

بخلاف البیعۃ الاعرابیۃ — لگائیں اور بیعتِ اعرابی میں یہ ضرور نہیں۔

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آئے تو اسّی شخصوں کو لے کر آئے اور مدینہ میں آباد ہوئے۔ خلاصۃ الوفاء سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جہنیہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدیں تھیں۔ یہ وہی قبائل تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے اور چونکہ مسجدِ نبویؐ سب کے لئے کافی نہ تھی اس لئے الگ الگ مسجدیں بن گئی تھیں۔

تعلیم و ارشاد کے مختلف طریقے تھے۔

ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور اُن کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن الحویرثؓ جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا:

ارجعوا الیٰ اھلیکم فعلموھم ومروھم وصلوا کما رأیتمونی اصلی

(بخاری: باب رحمۃ البھائم)

اپنے خاندان میں واپس جاؤ اُن میں رہ کر اُن کو اوامرِ شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائدِ شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ اُن کے لئے صُفّہ خاص درس گاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمتِ علم میں مصروف رہتے تھے۔

مشکوٰۃ کتاب العلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے۔ حلقۂ ذکر اور حلقۂ درس۔ آنحضرتؐ حلقۂ درس میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبانِ علم کو قرّاء کہتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہر جگہ یہی نام آتا ہے۔ عرنیہ میں جو لوگ تعلیم وارشاد کے لئے گئے تھے اور کفار نے اُن کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا وہ اسی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے اور کتبِ حدیث میں ان کا نام اسی لقب (قرّاء) کے ساتھ آیا ہے۔ اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل آتا تھا اور اُن کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔

اصحابِ صُفّہ اگرچہ اس قدر مفلس و نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا۔ تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چُن[1] لاتے تھے اور اُن کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اخوانِ طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درس گاہ کے معلّمین میں حضرت عبادہ بن الصّامتؓ بھی تھے جو مشہور صاحبِ علم تھے اور جن کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تعلیم فقہ و قرآن کے لئے فلسطین بھیجا تھا۔ ابو داؤد میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے روایت ہے:

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتاب واهدى الى رجل منهم قوسا۔	میں نے اصحابِ صُفّہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی۔ اس کے صلہ میں مجھ کو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ میں دی۔

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ بیر معونہ۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے عبادہؓ کو اس تحفہ کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہِ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحابِ صُفّہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام ابنِ حنبل میں ہے:

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذا جھنم الیل انطلقوا الی معلّم لھم بالمدینۃ فیدرسون اللیل حتّی یصبحوا	حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ستّر شخص رات کو ایک معلّم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید میں ضبط و تدوین کی تھی۔ اس بنا پر آنحضرتؐ نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگِ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اسیرانِ جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے اُن کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ ابو داؤد کی مذکورۂ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحابِ صُفّہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اُس میں لکھنا بھی داخل تھا چنانچہ حضرت عبادہؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر آنحضرتؐ اگرچہ ترقی و جاہ پرستی سے طبعاً نفور تھے اور اس لئے اینٹ اور مٹی پر صرفِ زر ناپسند فرماتے تھے۔ تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفعِ ذکر اور تسبیح و تقدیسِ الٰہی تھا، اس لئے ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدیں صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام اہلِ قریہ یا اہلِ محلّہ کو دن رات میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور

لہ اضافہ تا ختم باب المعوذتین۔

اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں۔ اس لئے آپؐ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔

خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی۔

ابو داؤد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپؐ کے زمانہ میں نو مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی رایح، مسجد بنی زریق، مسجد غفار، مسجد اسلم، مسجد جہنیہ۔ ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے:

مسجد بنی حدرہ، مسجد اُمیّہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا)، مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الجبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فضلیٰ، مسجد بنی دینار، مسجد ابی ابن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیح، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبد الاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عاتکہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وائل، مسجد الشجرہ۔[1]

(روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعتِ اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ نے غزوات میں معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے۔ صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے۔ چنانچہ ایک سفرِ جہاد میں آپؐ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپؐ نے فرمایا "یہ تو فطری شہادت ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ

---

[1] یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری جلد دوم سے ماخوذ ہے۔

کی آواز سُنی تو فرمایا آگ سے نجات ہوگی۔ صحابہؓ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے[1]۔ تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی:۔

اذا رأیتم مسجدا او سمعتم صوتا	اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سُنو
فلا تقتلوا احدا[2]	تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہدِ نبوت میں اشاعتِ اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پنج وقتہ غلغلۂ تکبیر و اذان بلند ہوتا تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں وہ ایک زمانۂ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں۔ اس لئے ان باقیاتِ صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور اُن کے ساتھ اُن کا نام اور اُن کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں اُن کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی[3] نہ تھا۔

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ چنانچہ اسلام میں مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ بخاری کتاب الجمعہ میں ہے:

عن ابن عباس انہ قال ان اوّل	حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت

---

[1] صحیح مسلم جلد اوّل کتاب الاذان باب الامساک عن الاغارۃ علی قوم فی دار الکفر اذا سمع فیہم الاذان۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد فی دعاء المشرکین۔ [3] نسائی کتاب المساجد۔

کی آواز سُنی تو فرمایا "آگ سے نجات ہوگی"۔ صحابہؓ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے[1]۔ تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا۔ چنانچہ ایک بار آپؐ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی:۔

اذا رأیتم مسجدا او سمعتم صوتا	اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سُنو
فلا تقتلوا احدا[2]	تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرو۔

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہدِ نبوت میں اشاعتِ اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پنج وقتہ غلغلۂ تکبیر و اذان بلند ہوتا تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں وہ ایک زمانۂ مدید تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں۔ اس لئے ان باقیاتِ صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور اُن کے ساتھ اُن کا نام اور اُن کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں اُن کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی[3] نہ تھا۔

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ چنانچہ اسلام میں مسجد نبویؐ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ بخاری کتاب الجمعہ میں ہے:

عن ابن عباس انہ قال ان اوّل	حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت

---

[1] صحیح مسلم جلد اوّل کتاب الاذان باب الامساک عن الاغارۃ علی قوم فی دار الکفر اذا سمع فیہم الاذان۔ [2] ابوداؤد، کتاب الجہاد فی دعاء المشرکین۔ [3] نسائی کتاب المساجد۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے کہ "مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں"؟ اور اس باب کے تحت میں جو حدیث لائے ہیں اُس میں بہ تصریح مسجدِ بنی زریق کا نام لیا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ آنحضرتؐ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلے میں آتے تھے۔ یہاں لوگ مسجد میں منتظر رہتے تھے۔ وہ آکر کہتے تھے کہ مسجد نبویؐ میں نماز ہو چکی تب لوگ یہاں نماز پڑھتے تھے[1]۔ ان روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدیں الگ الگ تھیں۔ صحاح کی روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ شریکِ جماعت ہوتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا اسی پر عمل تھا۔ مدینہ میں جو قبائل آباد تھے اُن کے علاوہ جو قبائل ہجرت کر کے آتے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ چنانچہ طبقات ابنِ سعد میں ہے:

ولجهينة مسجد بالمدينة[2] — مدینہ میں جہنیہ کی ایک مسجد ہے۔

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا، کہ آنحضرتؐ راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہؓ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے باب المساجد التی علی طریق المدینۃ والمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں اور ان مقامات میں واقع ہیں جہاں آپؐ نے نماز پڑھی ہے۔ اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے اور حافظ ابنِ حجر نے ان کے حسبِ ذیل نام گنائے ہیں۔

مسجد قبا، مسجد الفضیح، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین۔

حافظ ابنِ حجر نے یہ بھی لکھا ہے[3]، کہ مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں جو مسجدیں منقش پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں اُن سب میں آنحضرتؐ نے نماز ادا فرمائی ہے۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جب

---

[1] مسند ابن حنبل جلد سوم۔ [2] طبقات ابنِ سعد جزء چہارم۔ [3] فتح الباری جلد اوّل۔

ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہلِ مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی[1]۔

ائمۂ نماز کا تقرر مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لئے الگ الگ امام مقرر کر دئے جائیں۔ عموماً عادتِ شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کر دیا جاتا اور اس شرف میں چھوٹے بڑے غلام آقا سب برابر تھے۔ آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آ چکے تھے اُن کے امام حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ تھے۔ جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمرو بن سلمہ جرمی اس وقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچہ تھے لیکن چونکہ اپنے قبیلہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لئے وہی امام قرار پائے۔

امام کے انتخاب کے لئے آنحضرتؐ نے چند اصول مقرر فرما دیئے تھے:

عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمّ القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنّۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنّا (صحیح مسلم)	ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سُنت سے سب سے زیادہ واقف ہو۔ اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر سب سے زیادہ ہو۔

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا تو آپؐ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ

---

[1] فتح الباری جلد اوّل۔

حافظِ قرآن کون ہے؟ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپؐ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے۔ چنانچہ اہلِ طائف کے امام عثمان بن ابی العاصؓ اسی طرح مقرر ہوئے تھے اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا "تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے" مالک بن حویرثؓ جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ نے یہی ارشاد فرمایا۔

مدینہ میں، مدینہ سے باہر اطراف میں، عرب کے مختلف صوبوں میں جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں، ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے۔ جن قبائل میں عمال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے مقامات میں یہ دونوں عہدے الگ الگ ہوتے تھے۔ عمان میں حضرت عمرو بن العاصؓ عامل تھے اور ابوزید انصاریؓ امام۔ لیکن افسوس ہے کہ احادیث و سیر کی کتابوں میں نام بنام ان کی یک جا تفصیل مذکور نہیں ہے۔ ضمنی واقعات میں جہاں تک اس کا سراغ لگ سکا ہے وہ حسبِ ذیل ہے:۔

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعب بن عمیرؓ	مدینہ منورہ	ہجرت نبویؐ سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے۔ (ابن ہشام ذکر بیعتِ عقبہ)
سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ		آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے۔ (بخاری و ابوداؤد)
ابن امِ مکتومؓ	مدینہ منورہ	جب آپؐ مدینہ سے باہر غزوات میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہؓ بھی ہمرکاب ہوتے۔ لیکن چونکہ یہ

[1] مسند ابن حنبل جلد چہارم۔ [2] فتوح البلدان بلاذری۔

نام	مقام تقرر	کیفیت
		آنکھوں سے معذور تھے اس لئے مدینہ ہی میں رہتے تھے۔ اس سبب سے اس موقع پر انہی کو آپؐ امام مقرر فرما جاتے۔ (ابو داؤد)
ابوبکر صدیقؓ	مدینہ منورہ	آنحضرتؐ کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبویؐ میں امام ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری)
عتبان بن مالکؓ	بنو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ابو داؤد، نسائی)
معاذ بن جبلؓ	بنو سلمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (بخاری وغیرہ)
ایک انصاری	مسجد قبا	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (بخاری)
عمرو بن سلمہؓ	بنو جرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ابو داؤد، نسائی)
اسید بن حضیرؓ	بنو جرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ابو داؤد)

لہ کتب مذکورہ کی کتاب الصلوٰۃ سے یہ نام ملتقط ہیں۔

نام	مقام تقرر	کیفیت
انس بن مالک رضؓ (یا کوئی دوسرے صحابیؓ)	بنو نجار	(امام کا نام مشکوک ہے، (مسند ابن حنبل، جلد سوم)
مالک بن حویرثؓ	بنو نجار	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ابو داؤد)
عتاب بن اسیدؓ	مکہ معظمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (نسائی)
عثمان بن ابی العاصؓ	طائف	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ذکر وفد طائف)
ابو زید انصاریؓ	عمّان	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (بلاذری ذکر عمّان)

مؤذنین (عام طور پہ اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپؐ نے قائم فرمایا تھا۔ چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرتؐ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا:۔

بلال بن رباحؓ	مدینہ منوّرہ	مؤذن مسجد نبویؐ
عمرو بن ام مکتوم قرشیؓ	مدینہ منوّرہ	مؤذن مسجد نبویؐ
سعد القرظ	عوالی مدینہ	مؤذن مسجد قبا
ابو محذورہ[1] جمحی قرشیؓ	مکہ مکرمہ	مؤذن مسجد حرام

[1] نسائی۔

تاسیس و تکمیلِ شریعت

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا
(المائدۃ: ۳)

(آج ہم نے تمہارا مذہب کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے مذہب پسند کیا)۔

(یہ تمام انتظامات اور نظم و نسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا بلکہ جیسا کہ بہ تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے یہ اس لئے تھا کہ ملک میں امن و امان پیدا ہو اور ایک منتظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو تاکہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ
(الانفال: ۳۹)

ان کافروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور مذہب تمام تر خدا کے لئے ہو جائے۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ آنحضرتؐ کے زمانے میں تھا جب اسلام کم تھا۔ آدمی اپنے مذہب کی بنا

پر فتنہ میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے۔ اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا۔"[1])

ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمام تر (ان ہی فتنوں کی دار و گیر، مخالفوں کی شورشوں اور ہنگاموں کی مدافعت اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں گزرا) اسی لئے آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائضِ اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سینکڑوں صفحات میں ہے لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دو دو چار چار سطروں سے زیادہ واقعات نہیں ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھ دیتے ہیں کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتیں دو سے چار ہو گئیں۔

اس کی یہ وجہ نہیں کہ خدانخواستہ اربابِ سیر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیشِ نظر نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے ان کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی جس کے لیل و نہار زیادہ تر مخالفین کے تیر بازوں کے روکنے میں بسر ہو گئے۔

اسلام کے اکثر فرائض بتدریج تکمیل کو پہنچے ہیں جن احکام کا تعلق قانونِ ملکی سے تھا وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا۔ خالص مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اسی زمانہ میں نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے اُن کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے۔ سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا بتا دینا نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو اُن پر کاربند بنا دینا تھا۔ اس لئے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی نکتہ کو حضرت

([1]) بخاری جلد اوّل۔ تفسیر سورۂ انفال)۔

عائشہؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ "پہلے عذاب وثواب کی آیتیں نازل ہوئیں جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہوگئی تو احکام نازل ہوئے ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو تو کون مانتا۔"

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک میں امن وامان قائم ہوگیا۔ مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا۔ مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رات دن کی معرکہ آرائیوں سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس پر قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لئے اس وقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل بتدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی۔ ۵ھ تک نماز میں بات چیت کرنا جائز تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں متعدد روایتیں[۲] مذکور ہیں۔

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور تمام ملک میں امن وامان قائم ہوگیا تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظام شریعت کی تکمیل کا موقع آیا۔ احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع نہیں ہوئے تھے مثلاً زکوٰۃ، حج، حرمت ربا وغیرہ بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قائم ہوگئے تھے لیکن تکمیل نہیں[۳] ہوئی تھی۔

---

[۱] صحیح بخاری باب تالیف القرآن۔ [۲] ابوداؤد باب رد السلام فی الصلوٰۃ۔ [۳] اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اول کے واقعات متفرقہ کے تحت میں بھی ضمناً گذر چکی ہے۔ ناظرین ایک دو جگہ احکام کی تاریخ اور سنین میں یہاں سے اختلاف پائیں گے۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول میں عام مورخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہاں احادیث اور کتب شان نزول سے استقراء کر کے جو امر محقق نظر آیا ہے اس کی تفصیل کی گئی ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ احکام کے سنین اور تاریخیں کتب حدیث میں بالتصریح مذکور نہیں ہیں۔ محدثین اور ارباب روایات کے قیاسات اور استنباطات ہیں اور اسی بنا پر باہم ان میں اختلافات ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح اور معتبر دلائل کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کریں والعصمۃ بید اللہ، س۔

عقائد اور اسلام کے اصولِ اوّلین

عقائد

اسلام کے فرائض اوّلین عقائد ہیں یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر پر ایمان لانا۔ آنحضرتؐ پر اوّل اوّل جو وحی نازل ہوئی یعنی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ[1] اُس میں خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی۔ لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی وہ[2] یہ تھی۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَ	اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ، لوگوں
رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَ	کو ڈرا، اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور
الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر: ۱-۵)	بُتوں کو چھوڑ دے۔

اس کے بعد مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھیں۔ شرک اور بُت پرستی کی بُرائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سماں اور جنت و دوزخ کا پُر اثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل مکہ میں تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے[3]۔

---

[1] اضافہ تاختم "باب تیمم"۔ [2] العلق: ۱۔ [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ مدثر۔ [4] بخاری باب تالیف القرآن۔

غرض عقائد کے تمام اجزا اگرچہ آغازِ اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن مکی آیتوں کے استقصاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان الگ الگ ہوتا تھا۔ عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقر اور سورۂ نسا میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر زور توحید قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے لیکن مدینہ میں آکر اسلام کے تمام عقائد اور اصولِ اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ایمان اور اسلام کے اصولِ اولیں کے متعلق سورہ بقر کی سب سے پہلی آیت یہ ہے :-

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (البقرۃ : ۳-۴)	جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ نماز کھڑی کرتے ہیں۔ ہم نے جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں اور جو ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے محمدؐ) تجھ پر اتاری گئیں اور تجھ سے پہلے نازل ہوئیں اور اُن کو آخرت پر بھی یقین ہے۔

وسط سورہ میں یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہیں :

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ (البقرۃ : ۱۷۷)	لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روزِ قیامت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہیں۔ یہ آیتیں تحویلِ قبلہ کی آیت کے ساتھ سنہ ۲ھ میں نازل ہوئیں۔

اسی کی تفصیل سورہ کے آخر میں کی گئی ہے۔ یہ آیتیں ہجرت کے چند سال بعد غالباً

نازل ہوئیں ہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ابنِ عباسؓ کی روایتوں سے ثابت ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف (البقرۃ: ۲۸۵)	پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اُترا اور تمام مسلمان خدا پر، خدا کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں سب پر ایمان لائے۔

سورۂ نساء کی آیت یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں ان کے کیا عقائد ہونے چاہئیں:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ○ (النساء: ۱۳۶)	اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو ایمان لاؤ خدا پر، اُس کے رسولؐ پر، اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر اُتاری اور اُس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری۔ اور جو شخص خُدا کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا اور روزِ آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔

احادیث کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن میں لوگوں نے آپؐ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کئے ہیں اور آپؐ نے سائل کی یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ "مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس وقت تک لڑوں جب تک لوگ یہ گواہی نہ دیں کہ خدا ایک ہے، محمدؐ خدا کا پیغمبر ہے، نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں"۔

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضرِ خدمت ہوا اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت

کیا ہے؟ آپؐ نے تین چیزیں بتائیں۔ "رات دن میں پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ"۔ عبدالقیس کے وفد نے ۵ھ میں حاضر ہو کر عرض کی ہم دشمنوں کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہیں حاضر ہو سکتے۔ اس لئے ایسے احکام بتا دیئے جائیں جو اُن لوگوں کو بھی سنا دیئے جائیں جو شرفِ حضوری حاصل نہیں کر سکتے۔ آپؐ نے فرمایا:

شہادۃ لا الٰہ الا اللہ وان محمدا	اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہے،
رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء	محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، نماز پڑھنا، زکوٰۃ
الزکوٰۃ وصیام رمضان وان تعطوا	دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ
من المغنم الخمس	غنیمت میں سے پانچواں حصّہ دینا۔

ایک دفعہ آپؐ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ اس اثنا میں ایک شخص نے آکر سوال کیا ایمان کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خُدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبروں پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو"۔ اس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا "اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو"۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ "خُدا کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیوں کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے"۔

یہ اصولِ اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے۔ غالباً یہ سوال و جواب فتح مکہ یعنی ۸ھ سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیلِ عبادت کے لئے خضوع و خشوع کی قید بھی اضافہ کی جا سکی۔ اصولِ اسلام کا آخری اعلان یہ ہے:

بنی الاسلام علی الخمس شہادۃ ان	اسلام کی بنا پانچ باتوں پر ہے، اس
لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ	بات کی گواہی کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا
واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج	نہیں، محمدؐ اس کا پیغمبر ہے، نماز پڑھنا، زکوٰۃ
وصوم رمضان	دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصولِ کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کی جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔ ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔" یہ بھی فرمایا کہ "اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔"[1]

غرض اسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچتی گئی اور آخری ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا[2]:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا اور
عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ	تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

(المائدۃ: ۳)

عبادات

اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ ان میں سے

---

[1] یہ تمام حدیثیں صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہیں۔ [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ عبادات میں داخل ہیں۔ ان میں سب سے اوّل شے نماز ہے۔ نماز کی صحت کے لئے متعدد شرطیں ہیں۔ سب سے اوّل اور ضروری شرط طہارت ہے۔

طہارت | طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو۔ طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا:

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَ	اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ اور ڈرا
رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝	اور اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝	اپنے کپڑے پاک کر اور ناپاکی کو چھوڑ دے۔

(المدثر: ۱-۵)

اگرچہ مفسّرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے "دل کی طہارت" اور ناپاکی سے "بُت پرستی" مراد لی ہے تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔ نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔ اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ و سیر اور بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ وضو کا طریقہ آغازِ وحی ہی میں حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو سکھایا تھا۔[1] حاکم نے مستدرک میں حضرت ابنِ عباسؓ سے ایک روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ ہجرت سے پہلے بھی وضو فرماتے تھے۔[2] لیکن قرآن میں وضو کا حکم باتفاقِ محدثین مدینہ میں نازل ہوا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى	مسلمانو! جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو
الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ	منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لو، سر پر

---

[1] ابنِ ہشام و فتح الباری بحوالہ مغازی ابن البیعہ و امام احمد جلد چہارم و ابنِ ماجہ [2] فتح الباری جلد اوّل و طبرانی فی الاوسط۔

اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ	مسح کرو، اور گھٹنوں تک پاؤں
اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ	دھولو۔

(المائدۃ: ۶)

یہ آیت سورہ مائدہ میں ہے اور اس سورہ کی اکثر آیتیں ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہیں۔ اس آیت کے متعلق بخاری میں تصریح ہے کہ وہ آیتِ تیمم کے ساتھ اُتری ہے۔ آیتِ تیمم ۵ھ میں نازل ہوئی۔ اسی بنا پر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو پر عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن میں اس کی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے۔ کچھ حصہ بھیگتا تھا کچھ نہیں بھیگتا تھا۔ ۶ھ میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپؐ مکہ سے واپس آرہے تھے۔ کچھ لوگ جھپٹ کر تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو لیا۔ ایڑیاں کچھ بھیگیں کچھ خشک رہیں۔ آپؐ نے فرمایا[1]:

ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء	ان ایڑیوں پر دوزخ کی پھٹکار ہے وضو کو کامل کرو۔

اس وقت سے "اسباغِ وضو" یعنی سکون و طمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار دیا گیا۔ اسباغِ وضو کے فضائل آپؐ نے بیان فرمائے۔ ابتداً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے۔ لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت[2] ضروری نہ رہا اور اس کا اعلان آپؐ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا۔[3])

تیمم وضو کے لئے پانی کی ضرورت ہے۔ لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنا مشکل ہے۔ نیز بیماری کی حالت میں پانی کا استعمال کبھی مضر بھی ہے۔ اس لئے ۵ھ میں تیمم کی آیت نازل ہوئی:

---

[1] صحیح مسلم باب وجوب غسل الرجلین۔ [2] فتح الباری بحوالہ ابوداؤد و احمد۔ [3] صحیح مسلم۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ	اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ	کوئی جائے ضرور سے آئے، یا تم نے عورتوں
النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا	سے مقاربت کی ہو اور پانی میسر نہ آئے
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ	تو طاہر مٹی لے کر تیمم یعنی منہ اور ہاتھوں
وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ	کا اس سے مسح کر لو۔ اللہ تم پر کسی طرح
عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ	تنگی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ	تم کو پاک و صاف کر دے اور اپنا احسان
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (المائدۃ: ۶)	تم پر پورا کر دے تاکہ تم شکر گزار بنو۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق (۵ھ) سے آپؐ واپس آ رہے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں۔ مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنینؓ کا ہار کہیں گر گیا۔ سارا قافلہ وہیں اُتر پڑا۔ نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا۔ تمام صحابہؓ پریشان خاطر تھے۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی۔ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی۔ اسید بن حضیرؓ ایک صحابی نے کہا "اے آلِ ابی بکرؓ! تم لوگوں کے لئے سرمایۂ برکت ہو"۔

نماز آنحضرتؐ کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی[1]۔ چنانچہ دوسری ہی وحی میں حکم ہوا:

---

[1] نماز کے بیانِ تاریخ میں محدثین مختلف الرائے ہیں۔ ابن حجر نے فتح الباری جلد اوّل میں جو خلاصۂ مباحث نقل کیا ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے: ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر مؤقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی۔ حربی کی رائے ہے کہ صبح و شام دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ امام شافعی نے بعض اہلِ علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی دو یا تک نماز فرض تھی۔ بعد ازیں فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی۔ اس کے بعد نماز پنجگانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا۔ ہم نے نماز کی تاریخ جو بیان کی ہے وہ انہی چند سطروں کی تفصیل ہے جن کی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتوں سے کر دی گئی ہے۔ اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید میں اوقاتِ نماز کے مختلف بیانات کیوں ہیں)

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ — اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر۔

(المدثر : ۳)

اس تکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوتِ اسلام مخفی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا اس لئے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا۔ دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی۔ چنانچہ سورۂ مزمل میں جو ابتدائی سورتوں میں سے ہے، یہ حکم بہ تصریح مذکور ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝

(المزمّل : ۱-۸)

اے کملی اوڑھ کر سونے والے۔ رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو۔ اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ ہم تجھ پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ رات کا اُٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور یہ وقت دعا کے لئے مناسب بھی زیادہ ہے۔ دن کو تجھ کو زیادہ شغل رہتا ہے۔ اپنے پروردگار کا نام لے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہ۔

اس کے بعد صبح و شام کی دو دو رکعتیں فرض ہوئیں:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ — صبح و شام خدا کا نام لیا کر اور رات کے

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ○ (الدھر: ۲۵-۲۶)

وقت دیر تک خدا کے آگے سجدہ کیا کر اور اس کی تسبیح بیان کر۔

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ کا اور اکثر صحابہؓ کا ایک سال تک اسی پر عمل رہا۔ نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ[1] ہو گئی اور حکم ہوا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۟ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ (المزمل: ۲۰)

تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ۔ خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے۔ تم پر اس نے مہربانی کی اب جتنا ہو سکے، اتنا ہی قرآن نماز میں پڑھو اس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے، مسافر بھی ہوں گے جو خدا کی روزی ڈھونڈنے کو سفر کریں گے، لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے، پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو۔

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے۔ نماز تہجد کے نفل ہو جانے کے بعد فجر، مغرب اور

---

[1] ابوداؤد باب فی الصلوٰۃ اللیل۔

عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ	دن کے دونوں ابتدائی اور انتہائی کناروں میں (یعنی فجر و مغرب) اور رات تھوڑی گزرنے کے بعد نماز پڑھا کرو۔

(ھود: ۱۱۴)

معراج میں جو نبوت کے پانچویں[1] سال ہوئی پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں[2] اور سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) میں جو معراج کے بیان پر مشتمل ہے، یہ آیت اتری:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ۝ وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ	نماز کے اوقات زوالِ آفتاب سے لے کر ظلمتِ شب تک ہیں (ظہر، عصر، مغرب، عشا) اور صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور رات کو تہجد یہ تیرے لئے مزید ہے۔

(بنی اسرآءیل: ۷۸-۷۹)

لیکن رکعتیں دو ہی رہیں۔ مدینہ منورہ میں آکر جب نسبتہً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہو گئیں[3]۔

با ایں ہمہ نماز میں خضوع و خشوع اور تمکین و وقار کے جو ارکان ضروری ہیں اُن کے لئے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی۔ پہلے لوگ نماز میں آنکھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے۔ بالآخر آنحضرتؐ نے فرمایا:

ما بال اقوامٍ یرفعون البصر الی	یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف

---

[1] ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے نویں سال ہوئی۔ س۔ [2] فتح الباری مصری جلد ہفتم۔ [3] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔

السماء فی صلوتھم[1] نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آجاتا تو کسی سے کہہ دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے۔ پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے۔ جب مہاجرین حبش ۷ھ میں واپس آکر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ نماز میں مشغول تھے۔ معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا۔ لیکن جواب نہیں ملا۔ نماز کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو[2]۔ اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہو گیا۔

معاویہ بن حکمؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔ ایک صاحب کو چھینک آئی۔ میں نے یرحمک اللہ کہا۔ لوگوں نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا "آپ لوگ کیا دیکھتے ہیں"؟ لوگوں نے زانو پر ہاتھ مارے۔ اُس وقت میں سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ میں چپ ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے نماز سے فارغ ہو کر (خُلقِ احمدی سے مجھ کو نہ سزا دی، نہ ڈانٹا، نہ بُرا کہا۔ صرف یہ فرمایا کہ "نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت کا نام ہے اس میں بات چیت جائز نہیں[3]"۔

تشہد کا جو طریقہ اب ہے پہلے نہ تھا۔ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے السلام علیٰ فلاں وفلاں۔ بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اب نماز میں معمول بہا ہیں[4]۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ چھوٹے بچوں کو نماز میں کندھے پر چڑھا لیتے۔ سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے۔ دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔ حضرت عائشہؓ باہر سے

---

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ۔ [2] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ۔ [3] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ۔

[4] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد۔

آتیں اور دروازہ کھٹکھٹاتیں۔ آنحضرتؐ نماز پڑھتے ہوئے عین اسی حالت میں جاکر دروازہ کھول دیتے۔[1]
ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے فقہا کی رائے یہ ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل میں جائز ہیں نفل کی تخصیص اس لئے کہ جن نمازوں میں آنحضرتؐ نے افعال کئے وہ فرض نہ تھیں بلکہ نفل تھیں لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں۔ ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ آنحضرتؐ امامہ بنت ابوالعاص کو کاندھے پر چڑھائے مسجد میں آئے اور نماز ادا کی[2] ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں اسی زمانہ کی ہیں جبکہ نماز میں بات چیت اور اس قسم کی حرکات ممنوع نہیں قرار پائی تھیں۔

رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کہ وہ تمام تر خضوع وخشوع ومراقبہ ومحویت بن گئی۔

قرآن مجید میں آیت اتری قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ یعنی فلاح پانے والے مسلمان وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور اس بنا پر نماز میں ادھر اُدھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع وخشوع کے خلاف کرنا منع ہوگیا۔ نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا یہاں تک کہ ایک شخص نے آکر آنحضرتؐ کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہیں ادا کئے تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ جاکر پھر پڑھو۔ اس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ نماز نہیں ہوئی۔ تیسری دفعہ اس نے پوچھا کہ کیوں کر پڑھوں؟ آپؐ نے رکوع، سجدہ، قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ[3] میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا۔ بارہ آدمیوں کے سوا جسقدر لوگ نماز میں شریک تھے اٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ [3] المومنون: ۱-۲۔ [4] صحیح بخاری باب امر النبیؐ من لا یتم الصلوٰۃ بالاعادہ۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ (الجمعة : ۱۱)	اور جب لوگ تجارت یا کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے۔

اور یا آنحضرتؐ کی تربیت و تعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ ایک انصاری نماز کی حالت میں تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہیں لیکن نماز نہیں توڑتے کہ جو سورہ انہوں نے شروع کیا تھا اس کی لذتِ معنوی اس دردِ زخم سے زیادہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ) کہ حضرت عمر فاروقؓ نماز میں زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہیں۔ یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ خشیتِ الٰہی اور محویت کا عالم جو دلوں پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا۔

نماز جمعہ اور عیدین | مکہ میں چار شخصوں کا ایک جا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا اس لئے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے۔ (لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی اور کوئی شخص ادائے نماز میں خلل انداز نہیں ہو سکتا تھا اس لئے آنحضرتؐ کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آ چکے تھے اسعد بن زرارہؓ کی تحریک سے بنی بیاضہ کے محلہ میں انہوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا کی۔ مصعب بن عمیرؓ امام تھے اور کل چالیس مسلمان نمازی تھے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں قیام فرمایا۔ یہاں سے روانگی کے لئے آپؐ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا۔ بنی سالم کے محلہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے سب سے پہلی نمازِ جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اواخر ربیع الاول ۱ھ کا واقعہ[۲] ہے۔ مدینہ سے باہر عرب کے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب البیوع تفسیر آیت مذکورہ [۲] ابوداؤد و ابن ماجہ و دارقطنی کتاب الجمعہ نیز عبدالرزاق و احمد و خزیمہ حسب حوالہ فتح الباری۔ [۳] طبری۔

دوسرے حصّوں میں مسلمانوں کی یک جا تعداد سب سے زیادہ تعداد جواثی میں تھی جو بحرین میں واقع تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مسجدِ نبویؐ کے بعد سب سے پہلے نمازِ جمعہ یہیں قائم ہوئی۔

لیکن بظاہر نمازِ جمعہ کا اہتمام مسلمانوں میں پہلے اتنا نہ تھا جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلّہ کے بیوپاری آگئے سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔ جماعت میں صرف بارہ آدمی اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی رہ گئے[1]۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ	ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے پکارا
لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا	جائے تو یادِ الٰہی کی طرف دوڑو اور خرید و
إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ	فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر
لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ فَإِذَا	ہے اگر تم کو علم ہو۔ جب نماز سے فراغت
قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي	ہو جائے تو زمین میں چلو پھرو اور خدا کی
الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَ	روزی تلاش کرو اور خدا کو اکثر یاد کیا
اذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○	کرو کہ فلاح پاؤ۔ جب لوگ تجارت اور
وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا	کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر
إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ	اس پر گر پڑتے ہیں اور تجھ کو اے پیغمبر کھڑا
اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ	چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے
وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○	پاس ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے
(الجمعة: ۹-۱۱)	بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری باب الجمعہ۔ [2] دار قطنی کتاب الجمعہ۔

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی اُن کے آگے ہیچ ہوگیا۔ خدا نے ان کی مدح فرمائی:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

(النور: ۳۷)

عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں آکر قائم ہوئی۔ لیکن جس سال آپؐ تشریف لائے اُس سال عید کی نماز نہیں ہوئی بلکہ ۲ھ میں مسنون ہوئی جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز روزۂ رمضان کے تابع ہے اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے)

صلوٰۃِ خوف | نماز کسی حالت میں قضا نہیں کی جاسکتی۔ خوف کی حالت میں مثلاً جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ پہلے ایک جماعت ہتھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور نمازِ قصر ادا کرے۔ پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلے میں تھی وہ پیچھے ہٹے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے۔ امام اپنی جگہ پر قیام کرے۔ روایتوں میں ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت میں فرض ہے۔ ابوداؤد نے صلوٰۃ الخوف کی تمام صورتیں بروایت صحابہؓ الگ الگ لکھ دی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہے۔ امام جس وقت جو مناسب سمجھے کرے۔ اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا۔ سورۂ نساء میں صلوٰۃ الخوف کی صورت بتفصیل مذکور ہے۔

لہ طبری۔

صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ میں نازل ہوا۔ اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوۂ نجد بتایا ہے۔ ابو داؤد میں ابو عباس زرقی کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام عسفان میں نازل ہوئی یعنی ۶ھ میں۔ لیکن زیادہ تر رواۃِ حدیث اور اہل سیر غزوۂ ذات الرقاع کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہیں۔[1]

روزہ اسلام سے پہلے قریش عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے (اُس دن خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ بھی اُس دن روزہ رکھتے تھے اور عجب نہیں کہ آپؐ کی تبعیت میں دوسرے صحابہؓ بھی روزہ رکھتے ہوں۔ ۵ھ نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفرؓ نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اُس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا اس کے بعد) جب آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے لوگوں سے وجہ پوچھی لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اِسی روز فرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "تو ہم کو موسیٰؑ کی تقلید کا زیادہ حق ہے"۔ چنانچہ آپؐ نے (یہاں بھی) عاشورہ کا روزہ رکھا (اور صحابہؓ کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔) پھر ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ مستحب ہو گیا یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھتا تھا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا تھا۔[2] لیکن آپؐ نے بہ نفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا۔[3] ۱۰ھ میں لوگوں نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہیں"۔ فرمایا آئندہ سال دس کے بجائے نو کو روزہ رکھوں گا۔ لیکن افسوس کہ آپؐ نے اسی سال وفات پائی۔[4]

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نمازِ عشاء کے بعد پھر نہیں کھاتے تھے اور اس کو حرام

---

[1] دیکھو کتب احادیث صلوٰۃ الخوف اور طبری جلد سوم، ابن سعد جلد سوم۔ [2] مسند ابن حنبل جلد ششم، معجم کبیر طبرانی، [3] ابو داؤد کتاب الصوم۔ [4] یہ تمام واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ابو داؤد کتاب الصوم میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

سمجھتے تھے۔ عورت کے ساتھ ہم بستری بھی منع تھی۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے۔ لیکن اسلام کے تمام احکام میں سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

(البقرۃ: ۱۸۵)

لاضرورۃ فی الاسلام	اسلام میں جوگی پن نہیں ہے۔

(ابوداؤد و احمد بن حنبل)

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ..... وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ	روزے کی راتوں میں تمہارے لئے عورتوں سے لطف اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے (جب تک صبح کی سپید لکیر (رات کی) سیاہ لکیر سے الگ نہ ہو جائے تم کھاتے پیتے رہو۔)

(البقرۃ: ۱۸۷)

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے۔ اوّل اوّل روزہ اُن پر شاق ہوا[1] اس لئے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی۔ اوّل اوّل آنحضرتؐ جب مدینہ میں تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔ پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو گئے تو یہ آیت اُتری:

---

[1] ابوداؤد کتاب الصوم باب مبدء فرض الصیام و اسباب النزول للسیوطی۔ [2] صحیح بخاری میں ہے۔ نزل رمضان متفق علیہ

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط — جو رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور روزہ رکھے۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

اب بالتعین روزہ فرض ہو گیا اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی۔ البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس کے لئے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ توڑ دے اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے۔ چونکہ اور تمام قوموں میں خصوصاً عیسائیوں میں رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی اس لئے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے وہ روزہ میں زیادہ سختی برداشت کرتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ سفر میں تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے۔ سبب پوچھا معلوم ہوا کہ گرمی میں اس شخص نے روزہ رکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہیں"[۱]

بعض لوگوں نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھیں بیچ میں افطار نہ کریں۔ آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔

روزہ کا مقصد عام طور صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ثواب کی بات ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ہر طرح کی آسانیوں کا حکم دیا۔ سفر اور بیماری میں روزہ رکھنا فرض نہ تھا۔ راتوں کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی۔ سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے تاکہ دن بھر قوت باقی رہے۔

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کفِ نفس تھا اور روزہ اس کا معین تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہیں[۲]

زکوٰۃ خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام میں ابتدا ہی سے معمول بہ تھی۔ مکہ میں جو سورتیں

---

[۱] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان۔ [۲] صحیح بخاری کتاب الصوم۔ [۳] صحیح بخاری کتاب الصوم۔

اُتریں ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے اور خیرات نہ دینے والے پر عتاب ہے :

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الماعون : ۱-۳)	تم نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے۔ یہی شخص وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں کرتا۔

مدینہ منورہ میں زیادہ تاکیدی آیتیں نازل ہوئیں۔ ۲ھ میں عید کے دن صدقۂ فطر دینا واجب قرار پایا۔ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے۔ حدیثوں میں صحابہؓ کے فقر و تنگدستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں اِسی زمانہ کے ہیں۔ اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیئے ورنہ عذاب ہوگا۔ چنانچہ خاص آیت نازل ہوئی[1]:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبة : ۳۴)	جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خیرات نہیں کرتے۔

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے :

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرة : ۲۱۹)	لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات دیں۔ کہہ دو کہ جو کچھ مصارفِ ضروری سے بچ رہے۔

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے۔ بے کار یا ردّی

---

[1] طبری۔ [2] صحیح بخاری مقولہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

چیزیں خیرات میں دیتے تھے۔ اس پر حکم ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ	مسلمانو! اپنی کمائی میں سے اور اس چیزیں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی اچھا حصہ خیرات دو۔

(البقرۃ: ۲۶۷)

مزید تاکید کے لئے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا اس کو ثواب نہ ملے گا:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ	تم لوگ ثواب نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیز خیرات نہ کرو جو تم کو عزیز ہو۔

(آل عمران: ۹۲)

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لئے بازار میں جاکر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھ لاد کر لوگوں کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں[1]۔

باایں ہمہ ۸ھ تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کئے گئے اور آنحضرتؐ نے تمام ممالکِ مقبوضہ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لئے (محرم ۹ھ میں) محصلین مقرر کئے[2]۔ زکوٰۃ کے مصارف حسبِ ذیل تھے:۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ	زکوٰۃ اِن مصارف کے لئے ہے۔ فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے وصول کرنے والے، مؤلفۃ القلوب، غلام جن کو آزاد

---

[1] بخاری کتاب الزکوٰۃ۔ [2] طبری مطبوعہ یورپ جلد چہارم (ابن سعد جزء مغازی)

اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

(التوبۃ : ۶۰)

کرانا ہے، مقروض، مسافر اور خدا کی راہ میں۔ یہ خدا کا فرض ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامینِ نبویؐ میں منقول ہے۔ فقہ میں کتاب الزکوٰۃ ان ہی فرامین سے ماخوذ ہے۔

حج دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خدا پرستی کے لئے عبادت گاہِ عام بنائی اور تمام دُنیا کو وہاں آکر عبادت کرنے کی دعوت دی:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ

(الحج : ۲۶-۲۸)

اور جب کہ ہم نے ابراہیمؑ کے لئے کعبہ کی جگہ مقرر کردی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھ۔ اور حج کی منادی کردے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئیں گے۔ کچھ پیدل اور کچھ دُبلی اونٹنیوں پر سوار تاکہ فائدہ اٹھائیں اور تاکہ ایّام مقرّرہ میں خدا کا ذکر کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعوتِ عام پہ دُنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے۔ لیکن ایک طرف تو یہ انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص توحید کے لئے

تعمیر ہوا تھا وہ تین سو ساٹھ بتوں کی تماشا گاہ بن گیا۔ دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پورے آٹھ برس تک ادھر آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔

بالآخر ظہورِ حق کا وقت آیا۔ مکہ فتح ہوا اور جانشینِ ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے متبعین کو موقع ملا کہ شعارِ ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے۔ چنانچہ ۹ھ میں حج فرض ہوا۔ تاہم آنحضرتؐ نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب ننگے ہو کر طوافِ کعبہ کرتے تھے اور آنحضرتؐ ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہیں فرما سکتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایامِ حج میں روانہ کئے گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ آئندہ سے کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔[۲]

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذوقعدہ میں آگیا تھا۔ چنانچہ ۹ھ کا حج اسی مہینہ میں ادا ہوا۔ لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا اس لئے آنحضرتؐ نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آگیا۔[۳]

حج کی اصلاحات حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم کر رکھی تھی لیکن اس کی صورت بالکل بدل دی تھی اور اس میں اس قدر بدعات اضافہ کر دی تھیں کہ ثواب کے بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا۔ سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے لیکن اہلِ عرب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے۔ اسی بنا پر یہ آیت اُتری:

---

[۱] زاد المعاد جلد اوّل۔ [۲] صحیح مسلم کتاب الحج باب لا یحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان۔ [۳] آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ فرمائے تھے ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والارض۔ السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان اس سے اسی طرف اشارہ تھا۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ (البقرۃ : ۲۰۰)

پھر جب حج کے ارکان پورے پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر۔

خاص اہلِ مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ منات جو بُت تھا، اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفا و مروہ کا طواف اُسی عہد کی یادگار ہے۔ اسی بنا پر یہ آیت اُتری:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ (البقرۃ: ۱۵۸)

صفا اور مروہ خدا کی یادگاریں ہیں اس لئے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونوں مقاموں کا بھی طواف کرنا چاہیئے۔[۲]

ایک طریقہ یہ رائج ہو گیا تھا کہ اکثر لوگ آج کل کی طرح، جن کے پاس زادِ سفر نہیں ہوتا تھا، یونہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ ان لوگوں کو اکثر راہ میں گداگری اور دوستوں کی دست گیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔ اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ (البقرۃ: ۱۹۷)

اور گھر سے زادِ سفر لے کر چلو کیونکہ اچھا زادِ سفر تقویٰ ہے۔

احرامِ حج میں سر کے بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے۔ لیکن اس میں اہلِ جاہلیت نے

---

[۱] اسباب النزول للواحدی۔ [۲] قرآن مجید میں جناح کا لفظ ہے اس کا عام ترجمہ حرج یا نقصان ہے اس بنا پر ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کچھ حرج نہیں لیکن لاجناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنوں میں آیا ہے۔ [۳] بخاری کتاب الحج باب تزودوا فان خیر الزاد التقوی۔

بہت سختی کر دی تھی یہاں تک کہ بعض حاجیوں کے بالوں میں اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہو گیا تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے۔ اسلام میں چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اس کی عبادات اور احکام تکلیف مالایطاق نہ بن جائیں، اس لئے حکم ہوا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى	تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ عارضہ
مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ	ہو تو وہ (اگر بال منڈائے) تو فدیہ ادا کرے
صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (البقرۃ: ۱۹۶)	یعنی روزہ یا خیرات یا قربانی۔

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لیکر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]:

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا	خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ
وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ (الحج: ۳۷)	تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

اس آیت میں صرف اس فعل سے نہیں روکا گیا بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ قربانی کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ اصل چیز جس کو خدا قبول کرتا ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

رسوم حج میں ایک بڑی چیز جو قریش نے اصول اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی، یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کی اصلی عبادت گاہ عام تھی نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں ہم حدود حرم سے نہیں جا سکتے۔ یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے۔ اس لئے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے۔ باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منیٰ میں آتے تھے۔ چونکہ اسلام کا اصول اصلی مساوات عامہ ہے اور عبادات میں سب یکساں ہیں اس لئے حکم آیا کہ[2]

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا	پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ)
اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ	کے پاس خدا کا ذکر کرو، جس طریقہ سے اس نے

---

[1] تفسیر بیضاوی (یہ رسم یہودیوں سے آئی تھی) لاویین ۱۷-۱۰ تاریخ دوم ۲۹-۲۲ [2] صحیح بخاری جلد اول کتاب الحج۔

كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ	تم کو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے بیشک
لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ○ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ	تم گمراہ تھے۔ پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور
حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا	لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو وہ
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	غفور اور رحیم ہے۔

(البقرۃ: ۱۹۸-۱۹۹)

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے اس لئے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے۔ یہ رسم اسلام کے آنے تک قائم رہی۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک صاحب کو سفرِ حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے ہیں۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا کہ سوار ہو تو بولے "یہ قربانی کے اونٹ ہیں"۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا۔ انہوں نے دوبارہ وہی عذر کیا۔ آپؐ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ "بیٹھ لو"۔[1]

ایک قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا جس کو حج مُصمت کہتے تھے یعنی جو شخص حج کرتا تھا وہ آغازِ حج سے اخیر تک منہ سے کچھ بولتا نہ تھا۔ اسلام نے اس تکلیف مالایطاق سے منع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے احمس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا، دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حجِ مُصمت کی نیت کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کہا یہ جائز نہیں۔ یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے۔[2]

سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (احمس) کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے۔ حدودِ حرم میں آکر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے اور عاریۃً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے۔ اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے۔ عورتیں بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں:

اليوم يبدو بعضه او كله	وما بدا منه فلا احله
آج کچھ حصہ اس کا یا پورا کھلے گا	اور جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج۔ [2] صحیح بخاری، جلد اوّل۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ	اے آدم کے بیٹو! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو۔

(الاعراف، ۳۱)

(اس بنا پر ۹ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھیجا۔ انہوں نے عین موسم حج میں اعلان کیا کہ آئندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا۔[2])

معاملات

شریعت کی تکمیل میں جو تدریج ملحوظ رہی اس کے لحاظ سے وراثت، نکاح وطلاق و قصاص وتعزیرات (وغیرہ) کے احکام بعثت سے بہت بعد آئے۔ اسباب یہ ہے کہ ان احکام کے اجرا کے لئے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی جو اب تک اسلام کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ غزوۂ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشوونما شروع ہوا۔ ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں جو احکام نازل ہوئے وہ تحویلِ قبلہ، فرضیتِ روزہ، زکوٰۃِ فطر، نماز عید اور قربانی کے تھے تیسرے سال سے جو اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریث کا قانون قرآن مجید میں نازل ہوا۔

وراثت

(مسلمان جب ابتداءً مدینہ آئے ہیں تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے۔ ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان

---

[1] یہ پورا واقعہ اور شان نزول نسائی، کتاب مناسک الحج میں ہے۔ [2] صحیح مسلم و صحیح بخاری اور تمام حدیث کی کتابوں میں باب لایطوف بالبیت عریانا میں مذکور ہے۔

ہے۔ اس حالت میں اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہو سکتا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ (برادری) قائم کر دی جس کے رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ کوئی انصار مرتا تو اس کی وراثت مہاجرین کو ملتی۔[1] عرب میں پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عہد کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا۔ لیکن ۳ھ میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا)

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ	قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ
(الانفال: ۷۵)	قریب ہیں،

اس کے رو سے مواخاۃ کی بنا پر وراثت موقوف ہو گئی اور خاندان اور ذوی الارحام میں وراثت محدود ہو گئی۔

(آیت توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا یعنی مرنیوالا اپنے مال و جائداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے۔ مرنے کے بعد اسی طریقے سے اس کی جائداد تقسیم کر دی جاتی۔ مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ	مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے
الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ	کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے

---

[1] یہ مفسرین کا بیان ہے۔ لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے منسوخ ہوا۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ (النساء: ۳۳) دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ○ (البقرہ : ۱۸۰)	والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے بطریق مناسبت وصیت کر جائے۔ متقی لوگوں پر یہ فرض ہے۔

جو لوگ حالت مسافرت میں مر جاتے ان کے لئے گواہی اور شہادت کا قانون میں مقرر کیا گیا۔ گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ میں اس کی پوری تفصیل ہے غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہوتی گئی۔ خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے۔ اس لئے وراثت کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی۔ پھر وصیت کے قاعدہ میں بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا مثلاً جہاد میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے اب کس کو معلوم ہے کس کی شہادت ہوگی۔ اس حالت میں وصیت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائداد پر قبضہ کر لیتا۔ چنانچہ غزوۂ اُحد میں یہی موقع پیش آیا۔ سعد بن الربیعؓ جو بہت دولت مند صحابی تھے۔ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی آنحضرتؐ کی خدمت میں آئیں کہ سعدؓ آپؐ کی خدمت میں شہید ہوئے۔ انہوں نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں لیکن سعدؓ کے بھائی نے سعدؓ کی ساری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "خدا فیصلہ کرے گا"۔ پھر (غالباً ۴ھ میں) یہ آیت نازل ہوئی جس میں وراثت کے تمام احکام مذکور ہیں[1]۔

---

[1] آیتِ میراث کی شانِ نزول میں احادیث میں تین واقعے مروی ہیں اوّل یہ کہ حضرت جابرؓ ۴ھ میں بیمار پڑے تو آیت اتری۔ یہ روایت تمام صحاح ستہ میں ہے لیکن درحقیقت اس روایت میں راویوں سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے کیونکہ وراثت ۴ھ سے پہلے جاری ہو چکی تھی اور دوسرے یہ کہ حضرت جابرؓ اس وقت تک لاولد تھے اس لئے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت یعنی (کلالہ) سے متعلق ہے جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتوں میں (کتاب الفرائض) اس کی تصریح ہے۔ دوسری شانِ نزول یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حسانؓ کے بھائی عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کجہ کی فریاد پر یہ آیت اتری۔ یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیعؓ کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آتے ہوں تیسری شانِ نزول یہی سعد بن ربیعؓ کا واقعہ ہے جو ابوداؤد، ترمذی حاکم اور مستدرک میں مذکور ہے۔ منہ

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ	خدا تم کو تمہاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہے
مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ الخ	کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے (آخر تک)

(النساء: ۱۱)

آنحضرتؐ نے سعدؓ کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعدؓ کے متروکہ میں سے دو تہائی اُن کی بیٹیوں اور آٹھواں حصہ اُن کی بیوی کو دو۔ اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمہارا حق ہے۔

اہلِ عرب عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی یہی دستور تھا۔ یہ پہلا دن ہے کہ اس صنفِ ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

وصیّت

احکامِ وراثت کے بعد بھی وصیّت کی اجازت باقی رہی۔ لیکن چونکہ اس سے مستحقینِ وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا اس لئے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی۔ ۱۰ھ میں حضرت سعدؓ (عادؓ کے والد) بیمار ہوئے۔ آنحضرتؐ ان کی عیادت کو گئے۔ انہوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے۔ چاہتا ہوں کہ صرف دو تہائی مال خیرات کر دوں۔ آنحضرتؐ نے اجازت نہیں دی۔ انہوں نے کہا "تو نصف"۔ آپؐ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا "ایک تہائی"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ بھی بہت ہے۔ وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں"[1] تاہم یہ مقدار آپؐ نے جائز رکھی۔ اس وقت سے وصیّت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی۔

وقف

وقف شریعت کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقۂ وقف

---

[1] بخاری جلد اول کتاب الوصایا۔

کا موجد ہے۔ اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ آنحضرتؐ نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد نبویؐ کی بنیاد جس زمین میں رکھی تھی وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی۔ آپؐ نے قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا:

لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ — نہیں ہم خدا کی قسم قیمت نہ لیں گے ہم اس کی قیمت خدا ہی سے لیں گے۔

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا۔ چنانچہ امام بخاری اس حدیث کو وقفِ مشاع (مشترکہ جائداد کا وقف) کے ثبوت میں لائے ہیں۔ اس کے بعد ۴ھ یا ۵ھ میں جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط — تم نیکی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک وہ خدا کی راہ میں نہ دیدو جو تم کو سب سے محبوب ہے۔ (آل عمران: ۹۲)

تو ابو طلحہؓ صحابی آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ! بیرحاء[1] مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں۔ آپؐ جس مصرف میں چاہیں اس کو رکھیں۔ چنانچہ آپؐ کے مشورے سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔

اب تک وقف کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ صرف یہ تھے کہ وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا۔ لیکن ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد اس کی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی۔ خیبر میں حضرت عمرؓ کو ایک زمین ملی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا:

---

[1] ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ میں واقع تھی۔

ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها۔ — اگر چاہو اصل جائداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کرو۔

چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائداد وقف ہوئی۔[1]

انہ لا یباع اصلها ولا یوهب ولا یورث — اصل جائداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں بانٹی جائے)

نکاح وطلاق

نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے ان کی تفصیل اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی۔ یہاں اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقے جاری تھے جن میں سے ایک کے سوا سب زنا کے مشابہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا۔ متعہ جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آتا تھا بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۷ھ غزوۂ خیبر میں قطعاً حرام ہوگیا۔ اگرچہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں منبر پر کہا کہ "میں متعہ کو حرام کرتا ہوں یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہ ہو سکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں"۔

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرماتِ شرعی کا بیان منھ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرتِ ازدواج کی تحدید، تعداد طلاق کی تعیین، زمانۂ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقۂ طلاق جس میں اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغگوئی کا دعویٰ کرنا یہ تمام تفصیلیں اصلاحات کے تحت میں آئیں گی۔ یہاں صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور اُن کے نزول کا زمانہ ۴ھ اور ۵ھ ہے۔

---

[1] یہ تمام حدیثیں بخاری باب الوقف میں ہیں۔ [2] محدود الوقت نکاح۔

حدود و تعزیرات

(دنیا[1] کے مادی خزانہ میں انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی میں اتر چکا تھا۔ معراج کے سلسلہ میں جو اخلاقی احکام بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝

خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا چاہیئے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے اس کی مدد کی جائے۔

(بنی اسرآئیل: ۳۳)

عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل و قصاص کے کچھ قوانین موجود تھے۔ یہود جو اس ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں تورات کی حدود و تعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چونکہ منظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی اس لئے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصلِ مقدمات کے لئے بارگاہِ نبوت[2] کی طرف رجوع کیا۔ آپؐ ان کے مقدمات عموماً تورات کے احکام کے مطابق فیصل کر دیتے تھے۔

عرب میں ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا۔ اس لئے غزوۂ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آچلا تھا قصاص کا حکم نازل ہوا۔ یاد ہوگا کہ اطرافِ مدینہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر دو یہودی قبائل رہتے تھے۔ ان دونوں میں بنو نضیر معزز سمجھے جاتے تھے۔

---

[1] اضافہ تا ختم باب حلال و حرام۔

اس لئے کوئی قریظی کسی نضیری کو مار ڈالتا تو اُس کو بنو نضیر مار ڈالتے تھے اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہو جاتا تو چھوہاروں کے سو وسق خونبہا دیدیتے۔ مدینہ میں آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ لوگوں نے اس کا مرافعہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتیں اتریں۔ اُن میں سے ایک آیت[1] یہ ہے :-

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ	ہم نے ان کو توراۃ میں حکم دیا تھا کہ جان
بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ	کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک
بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ	کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ	کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے
(المائدۃ : ۴۵)	ہی زخم۔

یہ حکم گو یہودیوں کے لئے تھا لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ	مسلمانو! تم پر مقتولین میں مساوات اور
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الخ	برابری کا حکم دیا جاتا ہے۔ الخ
(البقرۃ : ۱۷۸)	

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلّے کو دنیا میں ہمیشہ کے لئے برابر کر دیا۔

یہودیوں میں خوں بہا (دیت) کا قانون[2] نہ تھا۔ لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ	اس کے بھائی (یعنی اولیائے مقتول) کی طرف

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات۔ [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر، آیۃ کتب علیکم القصاص۔

بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ (البقرۃ : ۱۷۸)

سے کچھ معاف کر دیا جائے تو اس کی پابندی خوبی کے ساتھ کرنا اور بطور احسن اس کو ادا کر دینا چاہیئے۔

اب تک قتلِ عمد اور قتلِ شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی۔ ۶ھ میں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایک مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا آنحضرتؐ نے مقتول کے بھائی کو خوں بہا دیکر راضی کر لیا۔ اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا۔ ان واقعات کی بنا پر قتلِ شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے :

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۙ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ

کسی مسلمان کو سزاوار نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالے لیکن غلطی سے۔ اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خوں بہا اس کے وارثوں کو ادا کرنا چاہیئے لیکن یہ کہ وہ معاف کر دیں تو خیر۔ اگر مقتول خود مسلمان ہو اور کسی دشمن قوم سے تو صرف ایک غلام آزاد کرو اور اگر ایسی قوم ہو جس سے تم سے معاہدہ ہو تو خوں بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا چاہیئے۔ اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں کہ خدا اس کی طرف رجوع ہو۔ خدا

مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (النسآء: ۹۲-۹۳)

علم اور حکمت والا ہے۔ اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے۔ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ خدا اس پر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا اور اس کے لئے بڑا عذاب اس نے مہیا کیا ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت ہے کہ قصاص و قتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم تھا۔ حفاظتِ جان کا اعلان فتحِ مکہ کے موقع پر ہوا۔ جب آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے تمام خون میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔ اس کے بعد قتلِ خطا مشابہ بہ قتلِ عمد کے خوں بہا کی تحدید[1] فرمائی۔ قتلِ خطا کا خوں بہا اہلِ قریہ کے لئے چار سو دینار مقرر کیا۔[2]

۶ھ تک رہزنوں کے لئے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ۶ھ میں عکل و عرینہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی۔ آنحضرتؐ نے شہر سے باہر چراگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی۔ ایک موقع پر مسلمان چرواہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا اور مویشی لوٹ کر لے گئے۔ وہ گرفتار ہو کر آئے۔ آنحضرتؐ نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا۔ گو یہ برابر کا انتقام تھا تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور ڈاکوؤں کے لئے علیحدہ احکام نازل ہوئے:[3]

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا

ان لوگوں کی سزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں فساد

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات باب فی دیۃ الخطاء شبہ العمد۔ [2] ابوداؤد دیات الاعضاء۔ [3] ابوداؤد کتاب الحدود باب المحاربہ۔

اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط (المائدۃ: ۳۳)	مچاتے ہیں یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دئے جائیں یا ان کے ادھر کے ہاتھ اور ادھر کے پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے الگ کر دئے جائیں یعنی قید ہوں یا جلاوطن کئے جائیں۔

جان کے بعد مال کا درجہ ہے۔ اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لئے قطعِ ید کی سزا جاری تھی۔ اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا[۲]۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی اس لئے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ آنحضرتؐ کے بہت چہیتے تھے۔ ان سے سفارش کرائی گئی۔ آپؐ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام جاری کرتے لیکن اونچے درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگذر کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔" اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چوں وچرا اس حکم کی تعمیل کی[۱]۔

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ یہودیوں میں توراۃ کی رو سے زانی کی سزا "رجم" (یعنی سنگسار کرنا) مقرر تھی۔ لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس حکم کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ اطراف مدینہ میں جو یہود آباد تھے رجم کے بجائے انہوں نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ میں کالک لگا کر کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرتے تھے۔ جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپؐ کی

---

[۱] صحیح بخاری غزوۃ الفتح۔ [۲] المائدہ: ۳۸۔

خدمت میں پیش کیا۔ غالباً یہ ۳ھ کے اندر کا واقعہ ہے۔ آپؐ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے اپنا رواج بتایا۔ آپؐ نے توراۃ منگوا کر اُن سے پڑھوایا۔ انہوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپا دی۔ آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی۔ آپؐ نے فرمایا "خداوندا یہ تیرا حکم ہے جس کو اُن لوگوں نے مردہ کر دیا ہے۔ میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا"۔ چنانچہ آپؐ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا، اور وہ سنگسار کیا گیا۔

۵ھ میں سورۂ نور نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا سو دُرّے قرار دی گئی۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن نے باقی رکھی تھی۔ اُس کی تلاوت[۲] منسوخ ہو گئی۔ بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے سو دُرّے اور بیاہوں کے لئے رجم کا حکم ہے[۳]۔ چنانچہ ۶ھ میں ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور گو لوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آنحضرتؐ کے عذاب پر اس نے ترجیح دی اور مجمع عام میں آکر بارگاہِ نبوتؐ میں عرض پرداز ہوا کہ "یا رسول اللہؐ! میں گنہگار ہوں مجھے پاک کیجئے"۔ آپؐ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم دیا[۴]۔

شراب ۶ھ میں حرام ہوئی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں شرابخوری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ چالیس دُرّے تک لوگوں کو اس جرم میں مارے گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اسّی دُرّے کر دیئے تھے[۵]۔ قذف یعنی پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا ۶ھ[۶] میں نازل ہوئی۔

---

[۱] ابو داؤد باب فی رجم الیہودیین۔ [۲] صحیح بخاری رجم المحصن۔ [۳] تمام کتب حدیث میں یہ مذکور ہے۔ [۴] ۶ھ کی تحدید میں کہیں یہ تفصیل مذکور نہیں ہے یہ سنہ اس قیاس سے شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوہریرہؓ مدینہ میں موجود تھے اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بزمانہ فتح خیبر مدینہ میں آئے تھے [۵] ابو داؤد اذا تتابع فی الخمر۔

[۶] واقعۂ افک اسی سال ہوا تھا اور یہ اسی تعلق سے نازل ہوئی ہے اس لئے اس کے لئے ۶ھ کا زمانہ متعین کیا گیا۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر سزا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی دُرّے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی نہ قبول کرو۔

(النور: ۴)

دنیا میں تین چیزیں ہیں جان، مال اور آبرو۔ جن حدود اور تعزیرات کا اوپر ذکر ہوا وہ انہیں تین چیزوں کے تحفظ کے لئے ہیں۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے ان قوانین کے نزول کے بعد سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہِ حرام کی تاریخوں میں فرمایا:

"مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابلِ حرمت ہے جس طرح اس محترم شہر میں، اس احاطۂ حرم کے اندر یہ مقدس دن قابل حرمت ہے۔"

حلال و حرام

ماکولات میں حلال و حرام

(عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی۔ مردار اور حشرات الارض تک کھاتے تھے۔ البتہ بعض بعض جانور جن کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کو ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں عورتیں نہیں۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد عورت دونوں کھا سکتے ہیں اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائیں۔ اسی قسم کی اور بعض بُت پرستانہ رسوم تھیں۔ سورۂ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے۔ اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ میں اترے لیکن ماکولات کی حلت و حرمت کے احکام مکہ ہی میں اترنے شروع

میں اسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا اور یہی چار چیزیں مردار، خون، سؤر، اور بتوں پر چڑھاوے حرام بیان کی گئیں۔ مدینہ طیبہ میں آکر پہلے سورۂ بقرہ میں اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ، تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کئے گئے۔ عرب میں حلال وحرام کی تمیز کم تھی۔ وحشت وجہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب عام غربت اور افلاس تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی۔ لوگ عموماً مُردار اسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہوکر اپنی موت سے مرجائے۔ اس لئے اگر اور کسی سبب سے جانور مرجاتا تو اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ ہجرت کے چار پانچ سال بعد سورۂ مائدہ میں مُردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو (وَالْمُنْخَنِقَةُ[1]) یا گردن ٹوٹنے سے مرا ہو (وَالْمَوْقُوذَةُ[2]) یا اوپر سے گر کر مرا ہو (وَالْمُتَرَدِّيَةُ[3]) یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مرگیا ہو (وَالنَّطِيحَةُ[4]) یا کسی جانور نے اس کو پھاڑ ڈالا ہو (وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ[5])۔ صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا (إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ[6])۔

۷ھ میں جب مسلمانوں کو خیبر کی فتوحات اور جاگیریں ہاتھ آئیں تو جانوروں میں بھی حلال وحرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور اور پنجہ دار پرند حرام ہیں۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا، اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے۔ اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مُردہ جانور حرام ہیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا۔ اس پر یہ آیت اتری:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ[1]	تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا۔ کہدے کہ تمام ستھری چیزیں۔
(المائدۃ: ۴)	

---

[1] ، [2] ، [3] ، [4] ، [5] ، [6] المائدہ: ۳۔

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے[1]۔

شراب کی حرمت

مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً تعدد ازدواج وغیرہ) نفس پرستی کے مؤید تھے اس لئے عرب کو اُس کے قبول کرنے میں کوئی ایثار درکار نہ تھا بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے۔ اس بحث کی تحقیق آگے آئے گی۔ یہاں صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے۔

عرب کو شراب سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ تمام ملک اس مرض میں مبتلا تھا۔ عرب کی شاعری کا موضوعِ اعظم شراب ہے۔ مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہیں اس لئے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی۔

مدینہ میں شراب خواری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاء علانیہ شراب پیتے تھے۔ عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے جنہوں نے شراب پینی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلافِ اتقاء سمجھتے تھے۔ ابھی تک اسلام نے اس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

اللّٰھم بیّن لنا فی الخمر بیانا شافیا — اے خدا شراب کے بارے میں ہمارے لئے شافی بیان کر دے،

اس پر یہ آیت اتری:

---

[1] حوالوں کے لئے ان آیتوں کی شانِ نزول تفسیروں میں دیکھو۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط

(البقرۃ: ۲/۱۹)

لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت رُجوع کرتے ہیں کہدو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لیکن فائدے سے گناہ بڑھ کر ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی دعوت کی جس میں شراب بھی تھی۔ کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے پھر دُعا کی کہ خدا شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے) اس پر یہ آیت اتری:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

(النساء: ۴/۴۳)

نشہ کی حالت میں تم نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ جو تم کہو اُس کو بھی سمجھ سکو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرتؐ کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں نہ شامل ہونے پائے[1]۔ لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا، اس لئے نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی دُعا کی۔ اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس میں مار پیٹ تک نوبت پہنچ گئی[2] اس پر یہ آیت اتری[3]:

---

[1] یہ پورا واقعہ ابو داؤد کتاب الاشربہ میں مذکور ہے۔ [2] صحیح مسلم جلد دوم، ذکر سعد بن وقاصؓ [3] ابو داؤد میں پوری آیتیں نہیں مذکور ہیں بلکہ چند الفاظ نقل کرکے پوری آیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

ہو چکے تھے۔ چنانچہ سورہ انعام میں مشرکین کی ان رسوم کی تردید کے بعد حکم آیا :

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(الانعام : ۱۴۵)

کہدے کہ مجھ پر جو وحی اتری ہے اس میں کسی کھانیوالے پر کوئی شے حرام نہیں ہے، ہاں اگر حرام ہے تو مُردار یا بہتا ہوا خون یا سُور کا گوشت۔ کیونکہ یہ چیزیں ناپاک ہیں یا وہ گناہ (کا جانور) جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے۔ لیکن جو بھوک سے لاچار ہو کر نافرمانی اور گناہ کے ارادے سے نہیں ان میں سے کچھ کھالے تو تیرا پروردگار معاف کرنیوالا اور رحم والا ہے۔

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوا کہ جو آپ سے مرجائے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس کو خود اپنے ہاتھ سے ماریں اس کو حلال جانتے ہیں حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری :

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ○ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ

(الانعام : ۱۱۸ - ۱۱۹)

جو جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔ خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے اس کو تو وہ بیان ہی کر چکا۔

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی میں سورہ نحل کی آیت فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ الخ نازل ہوئی جس

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ
الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ
مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ
اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّنْتَهُوْنَ ○

(المائدۃ: ۹۰-۹۱)

مسلمانوں! بے شبہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈالدے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو بولو تم باز آتے ہو۔

ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی۔ اسی وقت آنحضرتؐ نے مدینہ کی گلی کوچوں میں منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے۔ لیکن باایں ہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی۔ ۸ھ میں یہ بھی حرام ہوگئی۔ آپؐ نے مسجد نبویؐ میں لوگوں کو جمع کرکے اسی وقت اعلان کیا[1]۔ اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپؐ نے علی الاعلان ان چیزوں کی تجارت کی ممانعت فرمائی جن کا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

ان اللہ ورسولہ حرّم بیع الخمر و الميتة والخنزير والاصنام[2]

خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور، اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کردی۔

---

[1] صحیح بخاری تفسیر آیت الربوا، و صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اواخر سورۂ بقرہ کے نزول کے بعد جس میں حرمت ربوا کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا۔ یہ آیتیں ۸ھ میں نازل ہوئی ہیں۔ [2] صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والاصنام۔

غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلانِ عام کے ساتھ عمل میں آئی۔ با ینہمہ ابھی تک یہ نہیں متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے۔ محدثین اور ارباب روایت اس امر میں نہایت مختلف الآرا ہیں[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب التفسیر سورۂ مائدہ باب لیس علی الذین امنوا میں لکھتے ہیں:

والذی یظهر ان تحریمها کان عام	اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی
الفتح سنة ثمان کما روی احمد من	حرمت فتح مکہ کے زمانے ۸ھ میں ہوئی
طریق عبد الرحمٰن بن وعلة قال	اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد نے عبدالرحمٰن
سألت ابن عباس عن بیع الخمر	بن وعلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے
فقال کان لرسول الله صلی الله علیه	حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ شراب کا
وسلم صدیق من ثقیف او دوس	بیچنا کیسا ہے تو انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کے
فلقیه یوم الفتح براویة خمر یهدیها	ایک دوست تھے، جو ثقیف یا دوس کے قبیلہ
الیه فقال یا فلان اما علمت ان	سے تھے، وہ آنحضرتؐ سے فتح مکہ میں ملے ایک مشک
الله حرمها الخ	شراب تحفہ میں پیش کی اور آپؐ نے فرمایا کہ تم کو معلوم
	نہیں کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے۔

ہماری رائے میں حافظ ابن حجر کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہیں۔ اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول میں حرمت شراب کی دو تاریخیں مختلف مقامات پر لکھی گئی ہیں پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے دوسرا علامہ ابن حجر کی تحقیق ہے۔ لیکن مصنفین سیرۃ النبی کی اصل تحقیق یہاں مذکور ہوئی ہے اور وہ اس باب میں عام محدثین کے ساتھ ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ۱۲

تک نہیں معلوم ہوا تھا۔[1] یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد ہوئی۔

علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸ھ تک حلال رہتی اور آنحضرتؐ کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی۔ حقیقت میں شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے

---

[1] مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے۔ جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے۔ ثقیف کا قبیلہ ۸ھ میں مسلمان ہوا اور دوس تو بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جس کی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہیں کی ہے۔ وہ یہ ہے جیسا کہ ہم متن میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ شراب کا پینا گو ۸ھ میں حرام ہو چکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے۔ شراب کی خرید و فروخت ممانعت ربا کی حرمت کیساتھ عمل میں آئی اور ربا کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی یعنی ۱۰ھ میں شراب، شراب نوشی کی ممانعت مدینہ میں اسی وقت کر دی گئی لیکن اس کا عام اعلان آپؐ نے فتح مکہ کے زمانہ میں فرمایا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہے۔ (دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت ربا و باب بیع المیتۃ والاصنام اور صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر) حافظ ابن حجر جو اس بات کے قائل ہیں کہ شراب کی حرمت ۸ھ میں نازل ہوئی وہ خود جلد اوّل میں قاضی عیاض کے جواب میں لکھتے ہیں قلت ویحتمل ان یکون تحریم التجارۃ فیھا تاخر عن وقت تحریمھا واللہ اعلم یعنی ممکن ہے کہ شراب پینے کی حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو۔ صحیح مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے (باب تحریم بیع الخمر) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے اور اس کی خرید و فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی۔ لیکن اس کے بعد حضرت عائشہؓ اور جابر بن عبداللہؓ سے۔ ۔ ۔ روایتیں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں ابو سعید خدریؓ یا ان کے بعد کے راویوں سے کسی قدر تسامح ہوا ہے۔ وھذا ھو الحق علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے امام احمد کی جس حدیث سے فتح مکہ میں شراب کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحریم بیع الخمر) میں بھی ہے۔ لیکن اس میں فتح مکہ کی تعیین نہیں۔

برس حرام ہو چکی تھی۔[1]

سود کی حرمت

(سود[2] خواری بھی ان اخلاقِ ذمیمہ میں سے ہے، جو اہل عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے تھے۔ اسی لئے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اترے۔ قریش عموماً تجارت پیشہ تھے۔ ان میں جو امیر اور دولتمند سوداگر تھے وہ غریبوں اور کاشتکاروں کو بھی شرحِ سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے[3] جاتے۔ خود آنحضرتؐ کے چچا عباسؓ (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے۔[4] آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجروں کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کا رواج

---

[1] سب سے بڑی دلیل اس کی یہ ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ اُحد میں شریک ہوئے اور اسی حالت میں مارے گئے ان کا کیا حال ہوگا۔ اس پر یہ آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگِ اُحد سے بالکل متصل تھا اور جنگِ اُحد کا زمانہ یہی ہے۔ بخاری تفسیر آیت مذکور میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے:

صبح ناس غداۃ احد الخمر فقتلوا من	غزوۂ اُحد کی صبح کو کچھ لوگوں نے شراب پی
یومھم جمیعا شھداء وذلک من قبل تحریمھا	اور یہ سب اسی دن شہید ہوئے، یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا۔

اس روایت کے ساتھ حضرت انسؓ کی اس روایت کو ملاؤ جو اس کے بعد ہی واقع ہے:

فقال بعض القوم قتل قوم وھی فی بطنھم	حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں
قال فانزل اللہ وَلَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا الخ	نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں مارے گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی اس پر یہ آیت اتری کہ مومنوں پر کچھ حرج نہیں ہے۔

[2] اضافہ تا ختم سود [3] موطا امام مالک باب الربوا۔ [4] ابن جریر طبری آیت ربوا۔

دیکھا سب سے پہلے آپؐ نے چاندی اور سونے کی اُدھار خرید و فروخت کو سود قرار دیا[1]۔ پھر دُگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اتری:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا	مسلمانو! دُگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو، اور خدا
اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ	سے ڈرا کرو تاکہ فلاح پاؤ۔
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○	

(آل عمران: ۱۳۰)

اس کے بعد آپؐ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ[2] منع فرمایا۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا۔ اس وقت آپؐ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے[3]۔ سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ میں نازل ہوئے۔ آلِ عمران کے سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت اُتری:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے
اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ	ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھو کر مخبوط
مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا	بنا دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ
الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ	بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے۔ خدا نے
وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ	بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا۔ پس
مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ	جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات
(البقرۃ: ۲۷۵)	پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا چاہیے
	جو پہلے دیا۔

---

[1] صحیح مسلم باب الصرف۔ [2] صحاح کتاب البیوع۔ [3] صحیح مسلم باب: بیع القلادۃ فیہا خرز۔

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے۔ اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گا یہاں صرف سود کی تاریخِ حرمت سے بحث ہے۔ بہرحال اس آیت میں بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۹ھ میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا	مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝	اس کو چھوڑ دو اگر تم سچے مومن ہو، اگر یہ نہ
فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ	کرو تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لئے تیار
اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ	ہو جاؤ۔ اگر باز آجاؤ تو تم کو اپنے راس المال
أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝	کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

(البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹)

یہ آیت جب اتری تو آپؐ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا[1] ۹ھ میں اہلِ نجران سے جو معاہداتِ صلح ہوئے ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ سود نہ لیں گے[2]۔ ذوالحجہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب میں جس قدر سودی معاملات تھے آپؐ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے[3]۔

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر۔ [2] ابوداؤد باب فی اخذ الجزیہ۔ [3] تفسیر آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا (البقرۃ: ۲۸۱)۔

سالِ اخیر حجۃ الوداع، اختتامِ فرضِ نبوّت

ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ مطابق فروری سنہ ۶۳۲ء

حجۃ الوداع، خطبۂ نبویؐ اور اصولِ شریعت کا اعلان

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ
النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ
كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر: ۱-۳)

جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں تو خدا کے حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر۔ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیئے تھی۔ تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اس بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے اس آیت کے معنی پوچھے۔ لوگوں نے مختلف معنی بتائے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا۔ وہ کمسن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے کہا کہ "یہ آیت آنحضرتؐ کے قربِ وفات کا اعلان[1] ہے کہ استغفار موت کے لئے مخصوص ہے"۔

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ اذا جاء۔

اس سورہ کے نازل ہوتے کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلتؐ کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اس لئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصولِ اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے ہجرتؐ کے زمانہ سے اب تک فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سدِّ راہ رہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔

بہرحال ذیقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرتؐ حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔

لہ واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ سورہ آنحضرتؐ کی وفات سے دو برس پہلے اتری۔ لیکن ابن قیم نے زادالمعاد میں لکھا ہے کہ ۸ھ میں اور عین ایامِ تشریق میں اتری۔ یہ دوسری روایت اصل میں بیہقی کی ہے اور ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس لئے واحدی کی روایت صحیح ہے۔ سیوطی نے بھی اسباب النزول میں مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل ہے کہ یہ سورہ فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی۔ تصریحاتِ ائمہ و اشاراتِ حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کے طرزِ بیان نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہے، یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو برس دو برس پہلے۔ جن روایتوں میں وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے وہ روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ضعیف ہیں۔

ٹہ (سنن ابن ماجہ میں ہے (باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہجرت سے پہلے آپؐ نے دو حج فرمائے۔ بعض حدیثوں میں جو یہ ہے کہ آپؐ نے ایک ہی حج کیا تھا (الذی باب کم حج النبیؐ اور ابو داؤد وقت الاحرام) اس سے مقصود بعد ہجرت ہے۔ ٹہ ابوداؤد اور صحیح مسلم میں حجۃ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے جس کی شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقرؒ نے حضرت جابرؓ سے جب وہ نابینا ہو گئے تھے، آنحضرتؐ کے حج کا حال پوچھا۔ حضرت جابرؓ نے آلِ رسول کی محبت سے حضرت امام باقرؒ کے گریبان کے بٹن کھولے اور ان کے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا "بھتیجے پوچھو کیا پوچھتے ہو"؟ پھر نہایت تفصیل سے حجِ نبویؐ کے تمام حالات بیان کئے۔ (اوقات کی تعیین بھی بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں ہے اور امام نسائی نے کتاب المناسک میں آنحضرتؐ کے اوقات و تاریخ کے لئے خاص باب باندھا ہے۔ باب الوقت الذی خرج فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یہ خبر دفعتہً پھیل گئی اور شرفِ ہمرکابی کے لئے تمام عرب امنڈ آیا۔ (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپؐ نے غسل فرمایا[1] اور چادر اور تہمد باندھا۔ نمازِ ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواجِ مطہراتؓ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر شب بھر اقامت فرمائی۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا[2] حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپؐ کے جسم مبارک پر عطر ملا۔[3] اس کے بعد آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے:

لبّیك اللّٰھمّ لبّیك لبّیك لاشریك	اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔ اے
لك لبّیك ان الحمد والنعمة لك	خدا تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں۔
والملك لاشریك لك	تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت
	میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔[4] آنحضرتؐ جب لبیك فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپؐ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنا لی تھیں۔ آنحضرتؐ ان مساجد میں نماز ادا کرتے چلتے تھے۔ سرف پہنچکر غسل فرمایا۔ دوسرے دن (اتوار کے روز ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت) مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندانِ ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے۔

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ [2] غسل کا ذکر طبقات ابنِ سعد ذکر حجۃ الوداع میں ہے۔ [3] کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریکِ حج تھے۔

آپ نے فرطِ محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا[1]۔ کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے"۔ پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہوکر مقامِ ابراہیمؑ میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى — اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔

(البقرۃ: ۱۲۵)

صفا پہنچے تو آیت پڑھی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ — صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔

(البقرۃ: ۱۵۸)

(یہاں سے کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے:

لا الٰه الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شئ قدير لا الٰه الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده

خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے لئے سلطنت اور ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔

صفا سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے۔ یہاں بھی دعا و تہلیل کی۔ اہلِ عرب ایامِ حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے۔ صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہوکر آپ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے

---

[1] نسائی باب استقبال الخ۔

جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کرکے احرام اتارنے کا حکم دیا۔ بعض صحابہؓ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجاآوری میں معذرت کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا"۔ حضرت علیؓ حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے۔ اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے۔ چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے انہوں نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ اور دوسرے دن نویں ذوالحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لئے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسکِ حج ادا کئے تو ان کی شانِ یکتائی میں فرق آجائے گا۔ لیکن اسلام کو جو مساواتِ عام قائم کرنی تھی اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ اس لئے (خدا نے حکم دیا)۔ ثُمَّ[1] اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ آپؐ (بھی عام مسلمانوں کے ساتھ) عرفات میں آئے[2] اور یہ اعلان کرا دیا[3]:

قفوا علیٰ مشاعرکم فانکم علیٰ	اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو
ارث من ارث ابیکم ابراھیمؑ	کہ تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی وراثت
	پر ہو۔

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور انہی نے اس مقام کو اس غرضِ خاص کے لئے متعین کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے۔ آپؐ نے

---

[1] البقرۃ: ۱۹۹۔ [2] صحیح بخاری باب الوقوف بعرفہ۔ [3] ابوداؤد موضع الوقوف بعرفہ۔

ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواء تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا:

(آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کی تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا اس لئے آپؐ نے فرمایا):

سلہ یہ تمام عربی جملے آنحضرتؐ کے خطبے کے ٹکڑے ہیں (یہ جملے کسی حدیث میں یکجا نہیں ہوئے۔ اس لئے ان کو مختلف ماخذوں سے جمع کرنا پڑا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم (باب حجۃ النبی و باب الدیات) اور ابوداؤد (باب الاشہر الحرام و حجۃ النبی) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوامامہ باہلیؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوبکرؓ وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے مذکور ہے ان روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں مثلاً ان دمائکم و اموالکم حرام علیکم کحرمۃ الخ اور بعض باتیں الگ ہیں۔ مغازی و سیر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا۔ ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اسی کی اس نے روایت کی۔ اس بنا پر مختلف ماخذوں سے ان ٹکڑوں کو جمع کر لیا گیا ہے اور اس کے جا بجا حوالے دئے گئے ہیں۔ خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دئے ہیں۔ روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے۔ حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں بعض روایتوں ایام التشریق کے خطبہ کی ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ، ترمذی اور مسند احمد میں خطبۂ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہیں۔ جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپؐ نے یہ فرمایا۔ بہرحال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو، ۱۰ ذی الحجہ یوم النحر کو اور تیسرا خطبہ ایام تشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپؐ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لئے آپؐ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے ہیں) س۔

الا کل شیٔ من امر الجاھلیۃ تحت	ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں
قدمی موضوع	پاؤں کے نیچے ہیں)

(صحیح مسلم و ابوداؤد)

تکمیلِ انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیازِ مراتب تھا جو دنیا کی تمام قوموں نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا۔ سلاطین سایۂ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چوں وچرا کی مجال نہ تھی۔ ائمہ مذاہب کے ساتھ کوئی شخص مسائلِ مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ شرفاء رذیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حدبندیاں دفعتہً ٹوٹ گئیں:

ایھا الناس! الا ان ربکم واحد وان	لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک
اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی	تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی
عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر	کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ
علی اسود ولا لاسود علی احمر الا	پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب
بالتقویٰ[1]	سے۔

(مسند احمد)

ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین	ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے
اخوۃ	اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

(مستدرک الحاکم، جلد اول و طبری و ابن اسحٰق)

---

[1] امام احمد نے مسند میں ابو نضرۃ تابعی کے واسطہ سے اور تابعی مذکور نے ایک صحابیؓ سے جنہوں نے آنحضرتؐ کو حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے سنا تھا، یہ فقرہ نقل کیا۔ (بحوالہ منتقی الاخبار ابن تیمیہ مع نیل الاوطار)

ارقاءکم ارقاءکم اطعموھم مما	تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ
تاکلون واکسوھم مما تلبسون	وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

(ابن سعد بسند)

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا یہاں تک کہ سیکڑوں برس گذر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پُر فخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے (اور اس کے لئے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے)

ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان	جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون)
اول دم اضع من دمآءنا دم ابن	باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں
ربیعۃ بن الحارث	(اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث
(بخاری ومسلم وابوداؤد بروایۃ جابر)	کے بیٹے[1] کا خون باطل کر دیتا ہوں۔

(تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے عرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے۔ آج وہ دن ہے کہ اس

---

[1] ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کے طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا۔ (ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی تھے اور بعض روایتوں میں خود ان کے قتل کا ذکر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ربیعہ خلافتِ فاروقی تک زندہ تھے اور ۲۳ھ میں وفات پائی۔ صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا وہ قبیلہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا۔ دیکھو ابو داؤد صحیح مسلم باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زرقانی جلد ہشتم)

جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لئے بھی معلّمِ حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے:

وربا الجاهلية موضوع واول ربا	جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے
اضع من ربانا ربا عباس بن عبد	اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباسؓ
المطلب	بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم وابوداؤد)

آج تک عورتیں ایک جائداد منقولہ تھیں جو قمار بازی میں داؤں پر چڑھادی جاسکتی تھیں۔ آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہِ مظلوم، یہ صنفِ لطیف، یہ جوہرِ نازک قدر دانی کا تاج پہنتا ہے:

فاتقوا الله فی النساء[۲]	(عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو)

(صحیح مسلم وابوداؤد)

ان لكم على نسآءكم حقا ولهن عليكم	تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق
حقا	ہے۔

(طبری، ابن ہشام وغیرہ)

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی۔ جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا۔ آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے:

ان دماءكم واموالكم عليكم حرام	تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی
كحرمة يومكم هذا فی شهركم هذا	طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ

---

[۱] (آنحضرتؐ کے چچا عباسؓ اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا۔ دیکھو تفسیر آیت ربوا)۔ [۲] اس کے بعد آپؐ نے زن و شو کے فرائض کی تفصیل فرمائی۔

فی بلدکم هذا الی یوم تلقون ربکم[1] — میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحبِ شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی۔ ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں بندوں کی ہوس پرستیوں نے اُن کی حقیقت گم کر دی تھی۔ ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایتِ ربانی کا مجموعہ خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے:

وانی قد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعده ان اعتصمتم به کتاب الله (صحیح)	میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہ ہوگے وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ!۔

اس کے بعد آپؐ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا[2]:

ان الله عز وجل قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث	خدا نے ہر حق دار کو از روئے وراثت اس کا حق دے دیا۔ اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔
الولد للفراش وللعاهر الحجر، و حسابهم علی الله	لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ زناکار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔
من ادعی الی غیر ابیه او انتمی الی غیر موالیه فعلیه لعنة الله	جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولا

---

(۱) صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ۔ (۲) سنن ابن ماجہ باب الوصایا و مسند ابوداؤد طیالسی بروایت ابی امامۃ الباہلی۔ ابوداؤد کتاب الحج میں مختصراً ہے۔ ابن سعد اور ابن اسحٰق نے بھی اس کی بسند روایت کی ہے کہ یہ عرفہ کے خطبہ میں آپؐ نے فرمایا۔)

کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

الا لا یحل لامرأۃ ان تعطی من مال زوجھا شیئا الا باذنہ، الدین مقضی، والعاریۃ مؤداۃ والمنحۃ مردودۃ، والزعیم غارم

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹا دیا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا:

انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون

تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے؟

(صحیح مسلم و ابوداؤد)

صحابہؓ نے عرض کی ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

اللّٰھم اشھد

اے خدا تو گواہ رہنا۔

(صحیح مسلم و ابوداؤد)

عین اس وقت جب آپؐ یہ فرضِ نبوت ادا کر رہے تھے یہ آیت اتری[1]:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم و ابوداؤد وغیرہ۔ ابن سعد میں تصریح خاص ہے۔

دِیْنًا ط — لئے مذہب اسلام کو انتخاب کر لیا۔

(المائدۃ: ۳)

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہِ عالمؐ جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمانِ ربانی کا اعلان کر رہا تھا اس کے تختِ شاہنشاہی کا مسند و بالیں رکھا وہ اور عرق گیر، ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔[1]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف رہے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپؐ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اسامہ ابنِ زیدؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا۔ آپؐ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آکر لگتی تھی۔ لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ لوگوں کو دستِ راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپؐ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ آہستہ اور زبانِ مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے:

السکینۃ یا ایھا الناس السکینۃ یا ایھا الناس[2] — لوگو! سکون کے ساتھ! لوگو! سکون کے ساتھ۔

اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی۔ اسامہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے"۔ فرمایا "نماز کا موقع آگے آتا ہے"۔ تھوڑی دیر بعد آپؐ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریوں کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نمازِ عشا کی تکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لیٹ گئے۔ اور

---

[1] طبقات ابنِ سعد (کتاب الشمائل للترمذی و ابن ماجہ)؛ [2] بخاری و مسلم و ابو داؤد۔

صبح تک آرام فرمایا۔ حج میں روزانہ دستور کے خلاف عبادتِ شبانہ کے لئے بیدار نہ ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپؐ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی۔ صبح سویرے اُٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ کفارِ قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے۔ جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی۔ اس وقت باآوازِ بلند کہتے تھے "کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا"۔ آنحضرتؐ نے اس رسم کے ابطال کے لئے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ کیا[1]۔ یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔

فضل بن عباسؓ آپؐ کے برادرِ عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے۔ اہلِ حاجت داہنے بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لئے آرہے تھے۔ آپؐ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسکِ حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے[2]۔ وادیِ محسر کے راستہ سے آپؐ جمرۃ کے پاس آئے۔ ابن عباسؓ سے جو اس وقت کمسن تھے۔ فرمایا "مجھے کنکریاں چن کر دو"۔ آپؐ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا[3]۔

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلك من قبلکم الغلو فی الدین	مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔
(ابن ماجہ ونسائی)	

اسی اثنا میں آپؐ یہ بھی فرماتے:

لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ	حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔
(مسلم وابوداود)	

---

[1] صحیح بخاری وابوداؤد۔ [2] ابوداؤد۔ [3] نسائی۔

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے۔ داہنے بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرتؐ ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائضِ نبوت کے تیئیس سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعترافِ حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوانِ قضا میں انبیائے سابقینؑ کے فرائضِ تبلیغ کے کارناموں پر ختمِ رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبانِ حق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و دہن میں زمزمہ پرداز ہوئی)۔

اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا:

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم	ابتدا میں جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا
خلق اللہ السموات والارض	کیا تھا زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ
(بروایۃ ابوبکرۃ)	پر آگیا۔

ابراہیم علیہ السلام کے طریقِ عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اِس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں[1] تھی۔ اس لئے عربوں کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ

---

[1] حج کے ان مہینوں کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب میں نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا۔ اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیرو ہوں سب برابر اُنکی عزت کرتے تھے۔ ان مہینوں میں جنگ و جدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے۔ قدیم اشعارِ عرب میں اس کا بیان نہایت کثرت سے ہے۔ رومیوں کی تاریخ میں بھی عربوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ ۵۴۲ء میں رومیوں کو شام اور فلسطینیوں میں کوئی جنگی کارروائی

کے لئے اِس کو کبھی گھٹا بھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماعِ عظیم کے اشہرِ حرم کی تعیین کر دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ	سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے
حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ و	قابلِ احترام ہیں تین تو متواتر مہینے ہیں
ذوالحجۃ ومحرم ورجب شھر مضر	ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب
الذی بین جمادی وشعبان	مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے
(بروایۃ ابوبکرۃ)	بیچ میں ہے۔

دنیا میں عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں۔ جان مال اور آبرو۔ آنحضرتؐ کل کے خطبہ میں گو ان کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لئے مکرر تاکید کی ضرورت تھی۔ آج آپؐ نے اس کے لئے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔ لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا "کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟" لوگوں نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپؐ دیر تک چپ رہے۔ لوگ سمجھے کہ شاید آپؐ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ دیر تک سکوت کے بعد فرمایا "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا "ہاں بیشک ہے"۔ پھر ارشاد ہوا "یہ کون سا مہینہ ہے"۔ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا۔ آپؐ نے پھر دیر تک سکوت کیا، اور فرمایا "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے"؟ لوگوں نے کہا "ہاں بیشک ہے" پھر پوچھا "یہ کون سا

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۵ سے آگے) کرتی تھی اور ساتھ ہی عربوں کے حملہ کا خوف لگا تھا۔ سپہ سالارِ روم جو عربوں کے اندرونی حالات سے واقف تھا، اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں عربوں سے کوئی خوف نہیں کیونکہ عنقریب وہ دو مہینے آرہے ہیں جن میں اہل عرب عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لگاتے۔ نتائج الافہام محمود پاشا فلکی بحوالہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل اپریل ۱۸۴۳ء ص۔

شہر ہے ؟" لوگوں نے بدستور جواب دیا۔ آپؐ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا: کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے ؟ لوگوں نے کہا "ہاں بیشک ہے"۔ جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزین ہو چکا کہ آج کا دن بھی مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس دن اس مقام میں جنگ اور خونریزی جائز نہیں تب فرمایا:

فان دماءکم واموالکم واعراضکم	تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو
علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی	تا قیامت اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ
شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا	دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم
(بروایۃ ابی بکرۃ)	ہے۔

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ وجدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اس نے اپنے پیروؤں سے باآوازِ بلند کہا:

الا لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب	ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود
بعضکم رقاب بعض وستلقون	ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔
ربکم فیسئلکم عن اعمالکم	تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا
(بروایۃ ابی بکرۃ)	اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز
	پرس کرے گا۔

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا، اس کو سزا دیتا تھا۔ باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا

پڑتا تھا۔ یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا پر حکمران تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] کے وسیع قانون کے رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کر دی تھی لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبرؐ ایک نیا نظامِ سیاست ترتیب دے رہا تھا، اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

الا لا یجنی جان الا علی نفسہ الا لا یجنی جان علی ولدہ ولا مولود علی والدہ	ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دِہ باپ نہیں۔

(ابن ماجۃ و ترمذی)

عرب کی بدامنی اور نظامِ ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ شخص اپنی خداوندی کا آپ مدّعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لئے ننگ اور عار جانتا تھا۔ ارشاد ہوا:

ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا لہ واطیعوا	اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

(صحیح مسلم)

ریگستانِ عرب کا ذرّہ ذرّہ اس وقت اسلام کے نور سے منوّر ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لئے ملّتِ ابراہیمؑ کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پرداز نہ قوتیں پامال ہو چکی تھیں۔ اس بنا پر آپؐ

---

[1] الانعام: ۱۶۴۔

نے ارشاد فرمایا:

الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد	ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو
فی بلدکم ھذا ابدا و لکن ستکون	چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی
لہ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم	پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی۔
فیرضی بہ	لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس
(ابن ماجہ و ترمذی)	کی پیروی کروگے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔

سب سے آخر میں آپؐ نے اسلام کے فرضِ اوّلین یاد دلائے:

اعبدوا ربکم و صلوا خمسکم و	اپنے پروردگار کو پوجو۔ پانچوں وقت کی
صوموا شھرکم و اطیعوا اذا امرکم	نماز پڑھو۔ مہینہ کا روزہ رکھا کرو اور میرے
تدخلوا جنۃ ربکم	احکام کی اطاعت کرو۔ خدا کی جنت میں
(مسند احمد ج پنجم و مستدرک حاکم ج اول)	داخل ہو جاؤگے۔

یہ فرما کر آپؐ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

الا ھل بلّغت	کیوں! میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟

سب بول اٹھے "ہاں"۔ فرمایا:

اللّٰھم اشھد	اے خدا تو گواہ رہنا!

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

فلیبلغ الشاھد الغائب	جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ
	ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔

(خطبہ[1] کے اختتام پر آپؐ نے تمام مسلمانوں کو الوداع[2] کہا۔

اس کے بعد آپؐ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "قربانی کے لئے منیٰ کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے"۔ آپؐ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے۔ کچھ تو آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو سب خیرات کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے معمر بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرطِ محبت سے کچھ بال خود اپنے دستِ مبارک سے ابو طلحہ انصاریؓ اور اُن کی بیوی اُمِ سلیمؓ اور بعض اُن لوگوں کو جو پاس[3] بیٹھے تھے، عنایت فرمائے اور باقی ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپؐ مکہ معظمہ تشریف لائے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ اس سے فارغ ہو کر چاہِ زمزم کے پاس آئے۔

چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندانِ عبدالمطلب سے متعلق تھی۔ چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا"۔ حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منیٰ واپس

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا۔ صحیح مسلم (حج) میں روایت ہے کہ قال قولا کثیرا (آپؐ نے بہت سی باتیں فرمائیں)۔ صحیح بخاری (حجۃ الوداع) میں ہے کہ آپؐ نے اس میں دجّال کا ذکر بھی فرمایا تھا لیکن یہ تعیین نہیں کہ کس دن کے خطبہ میں یہ فرمایا۔ [2] صحیح بخاری باب الخطبۃ ایام منیٰ۔ [3] صحیح مسلم و ابو داؤد۔

تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی[1]۔

بقیہ ایام التشریق یعنی بارہ ذی الحجہ تک آپؐ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی۔ ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آجاتے۔ ابو داؤد (باب الخطبۃ منیٰ) میں ایک حدیث ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بارہ ذی الحجہ کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبہ میں گذر چکے۔ تیرہ ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپؐ نے یہاں سے نکل کر وادی محسب[2] میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔ پچھلے پہر اُٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کرکے وہیں صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہوگیا اور آپؐ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ راہ میں ایک مقام خُم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے (عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں) اور اس لئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خُم آتا ہے۔ آپؐ نے تمام صحابہؓ کو جمع کرکے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا	حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر
بشر یوشک ان یاتی رسول ربی	ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ

---

[1] حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے کہ آپؐ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن منیٰ میں پڑھی۔ لیکن حضرت جابرؓ کی جو طویل حدیث قصۃ حجۃ الوداع میں ہے اس میں تعیین ہے کہ آپؐ نے مکہ میں نماز ظہر پڑھی۔ حضرت عائشہ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس بنا پر محدثین میں ان دونوں قولوں کی باہمی ترجیح اور وجوہ ترجیح میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حزم نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں پہلے قول کو مرجح ثابت کیا ہے۔ فریقین کے موازنہ دلائل کے بعد ہم نے ابن قیمؒ کا فیصلہ قبول کیا ہے۔

فاجیب وانا تارك فیکم الثقلین
اولهما کتاب الله فیه الهدی والنور
فخذوا کتاب الله واستمسکوا به و
اهل بیتی اذکرکم الله فی اهل بیتی

جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت)
میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں
چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے
اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب
کو مضبوطی سے پکڑو۔ اور دوسری چیز میرے
اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے
بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلایا ہوں۔

آخری جملہ کو آپؐ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علیؓ) کی روایت ہے۔ نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔

من کنت مولاه فعلی مولاه اللهم
وال من والاه وعاد من عاداه

جس کو میں محبوب ہوں علیؓ بھی اس کو محبوب
ہونا چاہیئے۔ الٰہی جو علیؓ سے محبت رکھے
اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علیؓ سے عداوت
رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے تھے جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیارات سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔

آپؐ نے فرمایا "علیؓ کو اس سے زیادہ کا حق تھا"[1]۔ عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لئے اس موقع پر آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی۔ صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کوکبۂ نبویؐ مدینہ میں داخل ہوا۔ سوادِ مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے[2]:

اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک	خدا بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی خدا
لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل	نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت
شیٔ قدیر۔ آئبون تائبون عابدون	ہے اسی کے لئے مدح و ستایش ہے وہ ہر بات
ساجدون لربنا حامدون صدق	پر قادر ہے۔ لوٹے آرہے ہیں، توبہ کرتے ہوئے،
اللہ وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم	فرماں بردارانہ زمین پر پیشانی رکھ کر اپنے
الاحزاب[3] وحدہٗ	پروردگار کی مدح و ستائش میں مصروف ہو
	کر۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا اپنے بندہ کی
	نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست

(۴)

---

[1] صحیح بخاری بعث علیؓ الی الیمن والترمذی مناقب حضرت علیؓ۔ [2] صحیح بخاری بعث علیؓ الی الیمن و ترمذی ومناقب حضرت علیؓ۔ [3] حجۃ الوداع کے تمام تر واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، نسائی سے لئے گئے ہیں۔ ہر واقعہ کے لئے ان کتابوں میں کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو۔

وفات

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ (الزمر: ۳۰)

(تمہیں بھی مرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے)

ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ بمطابق مئی سنہ ۶۳۲ء

روح قدسی کو عالمِ جسمانی میں اُسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیلِ شریعت اور تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان کام درجۂ کمال تک پہنچ جائے۔ حجۃ الوداع میں یہ فرض اہم ادا ہو چکا، توحید کامل اور مکارمِ اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔

(المائدۃ: ۳)

(سورۂ نصر کا نزول خاص خاص صحابہؓ کو آنحضرتؐ کے قربِ وفات کی اطلاع دے چکا تھا[1] اور آپؐ حکمِ ربانی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (النصر) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح و تہلیل میں بسر فرماتے تھے۔ آپؐ عموماً ہر سال رمضان المبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے۔ لیکن رمضان سنہ ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپؐ پورا قرآن

(۱؎ صحیح بخاری تفسیر اِذَا جَآءَ۔ ۲؎ اس قسم کی روایتیں گو طبری، ابن خزیمہ اور ابن مردویہ میں ہیں لیکن مختصراً صحیح بخاری تفسیر اِذَا جَآءَ میں بھی مذکور ہیں)۔

ناموسِ اکبر کی زبانی سنتے تھے۔ لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا[۱] حجۃ الوداع کے موقع پر مناسکِ حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپؐ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوتے ہیں "شاید میں اس کے بعد حج نہ کر سکوں[۲]"۔ غدیر خم کے خطبوں میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے۔

غزوۂ اُحد کے بیان میں گذر چکا ہے کہ شہدائے اُحد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی۔ تمام غزوات میں صرف غزوۂ اُحد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بے کسی کے ساتھ جان دی۔ اس لئے ان کی یاد آپؐ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیضِ دیدار سے مشرف فرمایا اور اُن کو حسرت کے ساتھ وداع کیا۔ شہدائے اُحد جو بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ[۳] کے مژدۂ جانفزا سے فیضیاب تھے آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپؐ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں اُن کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو وداع کیا کہ جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے[۴]۔ اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا "میں تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہوں اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے۔ مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت وخون نہ کرو تو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں"۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

---

(۱) صحیح بخاری باب الاعتکاف وباب تالیف القرآن، (۲) مسلم وابو داؤد۔ نسائی کتاب الحج۔ (۳) البقرۃ: ۱۵۴۔

(۴) صحیح بخاری کتاب الجنائز وصحیح مسلم باب اثبات الحوض۔

غزوات میں گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ کو حدودِ شام کے عربوں نے شہید کر ڈالا تھا۔ آنحضرتؐ ان سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے۔ آغازِ علالت سے ایک روز پہلے آپؐ نے اسامہ ابن زیدؓ کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں[۱]۔

علالت کی ابتدا

اٹھارہ یا انیس صفر ۱۱ھ میں آدھی رات کو آپؐ جنۃ البقیع میں (جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا) تشریف

---

[۱] واقدی اور ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی جانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن یہ روایتیں بے سند ہیں۔ اس لئے علامہ ابن تیمیہ نے اس سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا لیکن حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ نے ایامِ علالت میں امامِ نماز مقرر فرمایا اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے۔ اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپؐ نے مستثنیٰ کر لیا۔ ۲ آنحضرتؐ کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخِ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ امرِ مختلف فیہ سے پہلے ان امور کو بتا دینا چاہیئے جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر گویا محدثین اور اربابِ سیر کا اجماعِ عام ہے اور وہ یہ ہیں (۱) سال وفات ۱۱ھ ہے (۲) مہینہ ربیع الاوّل کا تھا (۳) یکم سے بارہ تک کوئی تاریخ تھی۔ (۴) دوشنبہ کا دن تھا۔ (صحیح بخاری ذکر وفات، کتاب الجنائز) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کل تیرہ دن بیمار رہے۔ اس بنا پر اگر یہ تحقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپؐ نے کس تاریخ کو وفات پائی تو تاریخِ آغازِ مرض بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے گھر بروایت صحیح آٹھ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے دوشنبہ تک) بیمار رہے اور یہیں وفات فرمائی۔ اس لئے ایامِ علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے۔ عام روایات کی رو سے پانچ دن اور چاہئیں اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے تیرہ دن مدتِ علالت صحیح ہے۔ علالت کے پانچ دن آپؐ نے دوسری ازواجؓ کے حجروں میں بسر فرمائے۔ اس حساب سے علالت کا آغاز چار شنبہ سے ہوتا ہے۔ تاریخِ وفات کی تعیین میں راویوں کا اختلاف ہے۔ کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخِ وفات کی مجھ کو کوئی روایت احادیث میں نہیں مل سکی۔ اربابِ سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں۔ یکم ربیع الاوّل، دوم ربیع الاوّل اور بارہ ربیع الاوّل۔ ان تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کے لئے اصولِ روایت و روایت دونوں سے کام لینا ہے۔ روایۃ دوم ربیع الاوّل کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابو مخنف کے واسطہ سے مروی ہے۔ (طبری) اس روایت

لے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا۔ (یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۶) کو گو اکثر قدیم مؤرخوں (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں مشہور دروغ گو اور غیر معتبر ہیں۔ یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد و طبری نے نقل کی ہے (جزء وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ہے وہ بارہ ربیع الاوّل کی ہے۔ البتہ بیہقی نے دلائل میں مسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاوّل کی روایت نقل کی ہے (نور النبراس ابن سید الناس، وفات) لیکن یکم ربیع الاوّل کی روایت ثقہ ترین اربابِ سیر سے ابن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (فتح الباری، وفات)۔ امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ہے (جلد دوم، وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیا کہ بارہ ربیع الاوّل کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ہیں، روزِ وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)۔ اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذیحجہ ۱۰ھ کی نویں تاریخ کو جمعہ کا دن تھا۔ (صحاح قصۂ حجۃ الوداع، صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) نو ذیحجہ ۱۰ھ روز جمعہ سے بارہ ربیع الاوّل ۱۱ھ تک حساب لگاؤ۔ ذیحجہ، محرم، صفر، ان تینوں مہینوں کو خواہ انتیس انتیس، تیس تیس خواہ بعض تیس کسی حالت اور کسی شکل سے بارہ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا۔ اس لئے روایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے۔ دوم ربیع الاوّل کو حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑ سکتا ہے جب تینوں مہینے انتیس کے ہوں، جب دو پہلی صورتیں صحیح نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے۔ جو کثیر الوقوع ہے۔ یعنی یہ کہ دو مہینے انتیس کے اور ایک مہینہ تیس کا لیا جائے۔ اس حالت میں۔ یکم ربیع الاوّل کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے۔

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ نو ذیحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاوّل میں اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہو سکتا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذیحجہ، محرم اور صفر سب تیس دن کے ہوں	۶	۱۳	
۲	ذیحجہ، محرم اور صفر سب انتیس دن کے ہوں	۲	۹	۱۶
۳	ذیحجہ، انتیس محرم انتیس اور صفر تیس دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذیحجہ تیس محرم انتیس اور صفر انتیس دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذیحجہ انتیس محرم تیس اور صفر انتیس دن کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذیحجہ تیس محرم انتیس اور صفر تیس دن کا ہو	۷	۱۴	
۷	ذیحجہ، تیس محرم تیس اور صفر انتیس دن کا ہو	۷	۱۴	
۸	ذیحجہ، انتیس اور محرم و صفر تیس دن کے ہوں	۷	۱۴	

لے ابن سعد و عبد الرزاق بسند صحیح و صحیح مسلم باب الامامۃ۔

روز چہار شنبہ تھا۔ پانچ دن تک آپؐ اس حالت میں بھی از راہِ عدل و کرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ دوشنبہ کے دن (مرض میں شدت ہوئی تو ازواجِ مطہراتؓ سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں۔ خلقِ عظیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور اعلانیہ نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کا تھا۔ ازواجِ مطہراتؓ نے مرضیٔ اقدسؐ سمجھ کر عرض کی کہ آپؐ جہاں چاہیں قیام فرمائیں[1]۔ ضعف اس قدر ہوگیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے۔

بقیہ صفحہ ۱۷۷) ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۱۳۔ ۹۔ ۱۴۔ ۱۵ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں آ رہ گئیں پنجم اور دوم تاریخیں تو دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑ سکتی ہے جو خلافِ اصول ہے پنجم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہو سکتی ہے اور تینوں کثیر الوقوع ہیں اور روایتِ ثقات ان کی تائید میں ہیں۔ اس لئے وفاتِ نبویؐ کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک پنجم ربیع الاوّل ۱۱ھ ہے۔ اس حساب میں فقط رویتِ ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینوں کی بنیاد ہے۔ اصولِ فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہو سکتے ہوں کتبِ تفسیر میں تحت آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول نو ذی الحجہ ۱۰ھ سے روزِ وفات تک کے اکیاسی دن ہیں (دیکھو ابنِ جریر ابنِ کثیر و بغوی وغیرہ)۔ ہمارے حساب سے نو ذی الحجہ ۱۰ھ سے لے کر پنجم ربیع الاوّل تک دو انتیس اور ایک مہینہ تیس لے کر، جو ہماری مفروضہ صورت ہے پورے اکیاسی دن ہوتے ہیں۔ ابو نعیم نے بھی دلائل میں بسند پنجم ربیع الاوّل تک تاریخِ وفات نقل کی ہے۔ س)

---

[1] صحیح بخاری (ذکرِ وفات) ابنِ سعد نے بروایات صحیحہ نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ زہرا نے اجازت طلب کی تھی۔

(آمد و رفت کی قوت جب تک رہی آپؐ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے۔
سب سے آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ سر میں درد تھا اس لئے سر میں رومال
باندھ کر آپؐ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا قرأت فرمائی[1]۔ عشاءؓ کا وقت
آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضورؐ کا انتظار ہے۔ لگن میں پانی
بھروا کر غسل فرمایا۔ پھر اٹھنا چاہا کہ غش آگیا۔ افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی
جواب دیا۔ آپؐ نے پھر غسل فرمایا۔ اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آگیا۔ افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا

---

[1] یہ حدیث بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی اور نسائی باب القرأۃ میں مذکور ہے۔ آئندہ حضرت عائشہؓ کی روایت آئے گی
جس میں مذکور ہوگا کہ آخری نماز مسجد میں ظہر کی آپؐ نے پڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح
تطبیق دی ہے کہ مغرب کا واقعہ اندرونِ حجرۂ نبویؐ کا واقعہ ہے جیسا کہ نسائی میں ہے (جلد دوم) لیکن آگے چل کر حافظ موصوف
کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی جس میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے باہر نکل کر نماز پڑھائی۔ اس کی تاویل ان کو یہ کرنی پڑی
کہ اس سے مقصود ہے کہ خوابگاہ سے باہر آکر (جلد چہارم)۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں کہ اوّل تو حجرۂ نبویؐ میں
اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہو سکے دوسرے یہ کہ خوابگاہ کی علاوہ حجرۂ نبویؐ میں اور جگہ کہاں تھی۔ علاوہ ازیں احادیث
میں صلّی بنا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے امام بن کر نماز پڑھائی۔ گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہیں آتا۔
اس لئے صحیح یہ ہے کہ نماز مسجد نبویؐ میں پڑھی گئی جیسا کہ عام روایت کا اشارہ ہے آخری نماز مغرب تھی یا ظہر اس کی تطبیق یہ ہے
کہ آنحضرتؐ کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کی نماز مذکورہ پر ہوا جیسا کہ آگے عشا کی نماز کے ذکر میں آئے گا۔ ظہر کی نماز جو آنحضرتؐ نے مسجد
میں ادا فرمائی وہ اتفاقی تھی۔ اصل میں امام پہلے سے حضرت ابوبکرؓ تھے آنحضرتؐ آکر بعد کو شریک ہو گئے تھے یہ نماز مسجد میں آپؐ کی آخری
نماز تھی۔ بعض صحابہ سے مذکور ہے کہ آخری نماز صبح کی تھی یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہے یعنی آخری بار یہی موقع ملا تھا۔

[2] صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہ یہ تخصیص ہے۔ (دیکھو کتاب الصلوٰۃ اور وفات)

اور لوگوں نے وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ جسمِ مبارک پر پانی ڈالا۔ پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہوگئی۔ جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں (حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ) یا رسول اللہؐ! ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں، آپؐ کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا۔ آپؐ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ کئی دن[1] تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

قرطاس کا واقعہ

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) کو آپؐ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ، میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ بعض صحابہؓ نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ رسول اللہؐ کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے" اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا بعض کہتے تھے کہ تعمیلِ ارشاد کیجئے۔ بعض کچھ اور کہتے تھے۔ اختلاف اور شور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا اھجرا استفھموہ خود آپؐ سے دریافت کرلو۔ لوگ جب پوچھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو"[2]

---

[1] صحیح بخاری باب الامامۃ (جلد اوّل) میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرتؐ نے نماز نہیں پڑھائی اور حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کی قائم مقامی کی۔ اس قائم مقامی کا آغاز شبِ جمعہ کی نمازِ عشا سے ہے (بخاری و مسلم کتاب الصلوٰۃ) اور اختتام دوشنبہ کی صبح کی نماز پر ہوا (بخاری باب من رجع القہقری فی الصلوٰۃ) کل ان تین دن میں سترہ وقت کی نمازیں ہوئیں۔ ابنِ سعد نے واقدی سے بعینہٖ یہی روایتیں کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ تین دن امامت کی دوسری میں ہے کہ سترہ وقت کی) س۔

[2] یہ روایت صحیح بخاری مرتع وفات کی ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ کچھ اختلاف ہے (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ میں یہ روایتیں یکجا ہیں) جن صحابیؓ نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی بخاری میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں (مثلاً صحیح مسلم) بہ تصریح حضرت عمرؓ کا نام ہے۔ صحیح مسلم میں (ان کے) یہ الفاظ ہیں:

قد غلب علیہ الوجع وعندکم — آپؐ کو مرض کی شدت ہے۔ ہمارے پاس قرآن موجود

(اس کے بعد آپؐ نے تین) وصیتیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے، دوسری یہ کہ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپؐ کے زمانہ میں دستور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) القرآن وحسبنا کتاب اللہ — ہے خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔

(صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں:)

فقالوا ان رسول اللہؐ یھجو — تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہودہ (ھجر) کی باتیں کرتے ہیں

فقالوا ھجرا استفھموہ — (تو لوگوں نے کہا کیا آپ بے ہودہ کی باتیں کرتے ہیں آپؐ سے خود پوچھو تو)

اس بنا پر یہ روایت شیعہ وسنی کا بڑا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ سنی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرتؐ کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد چار دن آپؐ زندہ رہے۔ اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا۔ اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپؐ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپؐ عبداللہ بن ابی بکرؓ کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ پھر آپؐ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابوبکرؓ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے۔ اس اختلاف کے بعد آپؐ نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں فرمائیں۔ جو ضروری بات آپؐ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے، ممکن ہے وہ یہی ہوں۔ یا اگر وہ اس کے علاوہ تھی تو آپؐ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے۔ اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے، س۔ مجھ کو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرہ میں نہ آجائے تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں۔

تھا، تیسری وصیت راوی کو یاد نہیں رہی[1]۔

(اسی دن[2] ظہر کی نماز کے وقت آپؐ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکیں آپؐ پر ڈالی جائیں۔ غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھام کر مسجد میں لائے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے آپؐ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آپؐ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔

آنحضرتؐ کا آخری خطبہ

(نماز کے بعد آنحضرتؐ نے ایک خطبہ دیا جو آپؐ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت) میں جو کچھ ہے اس کو قبول کرے۔ لیکن اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں"۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ لوگوں نے اُن کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپؐ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں یہ رونے کی کونسی بات ہے۔ لیکن رازدارِ نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا "سب سے

---

[1] صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الوصیۃ۔ (۲) روایتوں میں بالتصریح یہ مذکور نہیں ہے کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ہے لیکن صحیح مسلم باب النہی عن بنا المساجد علی القبور میں حضرت جندبؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی شان میں جو الفاظ آپؐ نے فرمائے تھے جن کا بیان آگے آتا ہے وہ وفات سے پانچ روز پیشتر فرمائے تھے اور چونکہ مرض الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپؐ نے فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے اس لئے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہی فیصلہ کیا ہے۔ س

زیادہ ہیں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں ابوبکرؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی اُمت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابوبکرؓ کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ میں منع کر جاتا ہوں[1]۔"

زمانۂ علالت میں انصار آپ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کرکے روتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گذر ہوا۔ انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضور کی صحبتیں یاد آتی ہیں۔" ان میں سے ایک صاحب نے جاکر آنحضرتؐ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آج اس کی تلافی کا موقع تھا اس لئے اس کے بعد آپؐ نے انصار کی نسبت لوگوں کو طرف خطاب کرکے فرمایا یا ایھاالناس! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہوکر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرچکے۔ اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلۂ معدہ کے ہیں۔ جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیئے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں اُن کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہے ان کو معاف کرے[2]۔"

اوپر گذر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرتؐ نے تجویز کیا تھا اس کی سرداری اسامہ بن زیدؓ کو تفویض فرمائی تھی۔ اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوانوں کو یہ منصب کیوں عطا ہوا! آنحضرتؐ نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری و مسلم مناقب ابی بکرؓ۔ اخیر ٹکڑا صحیح مسلم، باب النہی عن بناء المساجد علی القبور میں ہے۔ [2] صحیح بخاری مناقب انصار۔

"اگر اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ زیدؓ کی سرداری پر بھی تم معترض تھے۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔"[1]

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام، شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے۔ پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام الٰہی کو اپنے قول و فعل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچا دے۔ چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک منجر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر تھے اس لئے ارشاد فرمایا:

"حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔"

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؑ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہؓ! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو۔ میں تمھیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"[2]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حجرۂ عائشہؓ میں واپس تشریف لائے۔

آپؐ کو حضرت فاطمہ زہراؑ سے بیحد محبت تھی۔ (اثنائے علالت میں) ان کو بلا بھیجا تشریف

---

(۱) صحیح بخاری بعث اسامہؓ و مناقب زید بن حارثہؓ۔ (۲) یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ کتاب الام امام شافعی اور ابن سعد جزا الوفات میں بسند حسن مروی ہے۔ لیکن ان روایتوں میں مذکور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ نے یہ فرمایا لیکن بخاری کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ آپؐ نے ظہر کی نماز میں شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد خطبہ دیا تھا۔ دوسری غلطی مسند اور ابن سعد کی روایتوں میں ہے کہ وہ دوشنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ اس کو بیان کرتے ہیں حالانکہ بروایت صحیح ثابت ہے کہ دوشنبہ کی صبح کو آپؐ نے صرف پردہ اٹھا کر جھانکا تھا نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز میں شرکت فرمائی۔ س۔

لائیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں۔ وہ رونے لگیں۔ پھر بُلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا پہلی دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ "میں اسی مرض میں انتقال کرونگا" جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ "میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آکر ملو گی"[1] تو ہنسنے لگی۔

یہود و نصاریٰ نے انبیاءؑ کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسلام کا فرضِ اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا اس لئے حالتِ مرض میں جو چیز سب سے زیادہ آپؐ کے پیشِ نظر تھی یہی تھی۔ اتفاق سے بعض ازواج مطہراتؓ نے جو حبشہ ہو آئی تھیں، اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں[2] کا اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی[3] مرجاتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بُت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے[4]۔ عین کرب کی شدت میں جب کہ چادر کبھی منہ پہ ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے حضرت عائشہؓ نے زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے:

لعنة الله على اليهود والنصارٰى — یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔

اتخذوا قبور انبيآءهم مساجد[5] — انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادتگاہ بنا لیا

اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں دریافت فرمایا کہ "عائشہؓ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو

---

[1] صحیح بخاری ذکر وفات۔ [2] کوئی رومن کیتھولک گرجا ہوگا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام اور ولیوں اور شہیدوں کے مجسمے اور تصویریں ہوتی ہیں)۔ [3] جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہیں)۔ [4] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔ [5] صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم باب مذکور سابق۔

خدا کی راہ[1] میں خیرات کر دو)"

(وفات سے ایک دن[2] پہلے اتوار کو) لوگوں نے دوا پلانی چاہی۔ چونکہ گوارا نہ تھی، آپؐ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں غشی طاری ہوگئی۔ لوگوں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ افاقہ کے بعد آپؐ کو احساس ہوا تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے۔ معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی اُن میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے۔ اس لئے وہ اس حکم[3] سے مستثنیٰ رہے۔ محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضا تھا یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آجاتی ہے آپؐ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہیں بلکہ لطفِ طبع تھا۔

مرض میں اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی۔ جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپؐ نے (صبح کے وقت) پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز میں مشغول تھے۔ دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے۔ لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں۔ فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہوگئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ آپؐ نے اشارہ سے روکا اور حجرۂ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دئیے[4] (صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپؐ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال[5] سکے۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہؓ نے جمالِ اقدس کی زیارت کی۔ حضرت انسؓ بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے[6] (یعنی سپید ہو گیا تھا)

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ششم و ابن سعد جزء الوفات بروایت متعددہ۔ [2] ابن سعدؓ وفات۔ [3] صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم (التدادی باللدود) [4] صحیح بخاری ذکر وفات و کتب صحاح کتاب الصلوٰۃ (5) صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ [6] صحیح مسلم باب الصلوٰۃ، حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں جو صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا حضرت فاطمۃ زہراؓ یہ دیکھ کر بولیں "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپؐ نے فرمایا "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیاتِ دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں اکثر آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے:۔

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (النسآء: ۶۹)	ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔

اور کبھی یہ فرماتے:۔

اللّٰهم فی الرفیق الاعلیٰ	خداوند! بڑے رفیق ہیں۔

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے)

وفات

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ خدمتِ اقدسؐ میں آئے۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے۔ عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا۔ حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمٰنؓ سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶) بیان ہے کہ تین دن کے بعد آپؐ اس وقت صبح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے۔ لیکن جماعت میں شریک نہ ہو سکے۔ امام شافعی نے کتاب الام میں اور ابنِ سعد نے جزء الوفات میں ابن سیرہ سے روایت کی ہے کہ آپؐ اس نماز میں شریک جماعت ہوئے۔ لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آپؐ شریکِ جماعت نہ ہو سکے اور واپس گئے۔ راوی کو گذشتہ نماز ظہر کا التباس ہوا۔ تین دن کے بعد سے مراد جمعرات کے روز جس دن آپؐ نے خطبہ دیا تھا اس کے بعد سے جمعہ، سنیچر اور اتوار کے دن ہیں۔

اور خدمت اقدس میں پیش کی۔ آپؐ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ (آپؐ کی وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سہ پہر تھا[1] سینہ میں سانس کی گھر گھراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اتنے میں لبِ مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے[2]:

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم (نماز اور غلام)

پاس پانی کی لگن تھی۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے۔ (چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے۔ اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔ اتنے میں) ہاتھ اٹھا کر (انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ) فرمایا:

بل الرفیق الاعلیٰ (اور اب کوئی نہیں بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے۔ آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں[3] اور روحِ پاک عالمِ قدس میں پہنچ گئی۔

اللّٰھم صل علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ صلوٰۃ کثیرا کثیرا

تجہیز و تکفین

(تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ تین ربیع الاوّل کو شروع ہوا۔ اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے)۔

(۱) عقیدتمندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضورؐ نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے تمام صحابہؓ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضورؐ کا اس جہانِ

---

[1] ابنِ اسحٰق نے سیرت میں لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی لیکن حضرت انس بن مالکؓ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی۔ حافظ ابنِ حجر نے دو روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی اور سہ پہر کا وقت تھا۔ [2] ادب المفرد امام بخاری، سنن ابی ماجہ کتاب الوصایا اور ابن سعد جزء الوفات بسند صحیح)

[3] یہ تمام واقعات صحیح بخاری ذکر وفات کے مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔

سے تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔

(۲) اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروبِ آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔

(۳) قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا اس لئے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

(۴) جس حجرہ میں آپؐ نے وفات پائی تھی، وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نمازِ جنازہ ادا کرتے تھے۔ اس لئے بھی بڑی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گذر کر رات کو فراغت ہوئی[1]

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی۔ فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان ہی نے پردہ بھی کیا تھا۔ چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا اس لئے حضرت علیؓ نے اندر سے کواڑ بند کر لئے تھے انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لئے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کا حق نہیں ہے۔ اس لئے اگر سب کو اجازت دی گئی تو کام رہ جائے گا۔ لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علیؓ نے اوس ابن خولی انصاریؓ کو جو اصحابِ بدر میں تھے، اندر بلا لیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے

---

[1] ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ چہار شنبہ کو تدفین ہوئی۔ لیکن یہ تمام تر کذب اور جھوٹ ہے۔ خود ابن سعد میں صحیح روایتیں یہ ہیں کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی۔ البتہ چہار شنبہ کی شام شروع ہو گئی تھی۔ ابن ماجہ کی روایت ہے۔ (کتاب الجنائز) فلما فرغوا من جهازه يوم الثلثاء، جب سہ شنبہ کے دن تجہیز و تکفین سے فرصت ہوئی)

قثم اور فضل جسمِ مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زیدؓ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔[1]

کفن کے لئے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا وہ حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی۔ لیکن بعد کو اتار لی گئی[2] اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بنے ہوئے تھے کفن میں دیئے گئے۔ ان میں قمیض اور عمامہ نہ تھا۔[3]

غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ کو دفن کہاں کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ نعشِ مبارک اُٹھا کر اور بستر اُلٹ کر حجرۂ عائشہؓ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا۔[4] حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ کو کسی میدان میں اس لئے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپؐ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرطِ عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالیں۔ میدان میں اس کی داروگیر مشکل تھی[5] اس لئے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے۔ حضرت ابوعبیدہ جراحؓ اور ابوطلحہؓ۔ حضرت ابوعبیدہؓ اہلِ مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔ لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہیں دونوں صاحبوںؓ کے پاس آدمی بھیجا جائے[6] جو پہلے آجائے۔ لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے۔ اتفاق یہ کہ حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے۔ ابوطلحہؓ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر

---

[1] طبقاتِ ابن سعد، جزء الوفات طبری (مختصراً) ابوداؤد کتاب الجنائز میں بھی ان صاحبوںؓ کے نام ہیں۔ نیز ابنِ ماجہ، کتاب الجنائز۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الجنائز۔ [3] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد، کتاب الجنائز۔
[4] ابنِ سعد، جزء الوفات بروایات صحیح و ابن ماجہ، کتاب الجنائز، ذکر وفاتِ نبویؐ۔ [5] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الوفات۔ [6] ابنِ ماجہ، کتاب الجنائز۔

کھودی جو لحدی یعنی بغلی تھی۔ چونکہ زمین نم تھی اس لئے جس بستر پر آپؐ نے وفات پائی تھی۔ وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

جنازہ تیار ہوگیا تو لوگ نماز کے لئے ٹوٹے (جنازہ حجرہ کے اندر تھا۔ باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کرکے جاتے تھے) پہلے مردوں نے، پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز پڑھی۔ لیکن کوئی امام نہ تھا۔[1]

جسمِ مبارک کو حضرت علیؓ، فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے قبر میں اُتارا۔[2]

---

[1] ابن سعد بروایت صحیح رجزء الوفات۔ [2] ابو داؤد کتاب الجنائز و ابنِ ماجہ اور ابنِ سعد میں اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ کے بجائے قثم بن عباسؓ اور شقران (غلامِ خاص) کے نام ہیں۔ (ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دو روایتوں میں ترجیح کس کو ہو سکتی ہے)

متروکات

(آنحضرتؐ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات وجائداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ آپؐ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے! اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے:

لانورث ما ترکنا صدقۃ[1] — ہم (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے۔ یعنی نہ ہوگی نہ پائیں گے۔ چنانچہ یاد ہوگا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عائشہؓ کے پاس امانت تھے۔ آپؐ نے اسی وقت نکلوا کر خیرات کرا دیئے۔

حضرت عمرو بن حویرثؓ سے جو ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی تھے، بخاری میں روایت ہے:

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھماً ولا دیناراً ولا عبداً ولا امۃ ولا شیئاً الا بغلتہ — آنحضرتؐ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم نہ دینار نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کچھ اور صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو

---

[1] یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابوں میں ہے۔ بخاری میں متعدد مقامات میں ہے۔ کتاب الوصایا، کتاب الفرائض، باب فرض الخمس۔

البیضاء وسلاحه وارضا جعلها[1] عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔

صدقة

ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

ما ترك رسول الله صلى الله عليه و سلم دينارا ولا درهما ولا بعيرا و لا شاة[2] آنحضرتؐ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ اونٹ نہ بکری۔

بہر حال متروکات میں اگر تھیں تو یہی تین چیزیں تھیں۔ کچھ زمین، سواری کے جانور اور ہتھیار۔

زمین حضرت عمرو بن حویرثؓ نے جس زمین کا ذکر کیا ہے وہ مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغ تھے۔ مدینہ کی جائداد سے بنو نضیر کی جائداد مراد ہے یا مخیریق نام ایک یہودی نے ۳ھ میں (غزوۂ اُحد کے موقع پر) آنحضرتؐ کو چند باغ وصیۃً ہبہ کئے تھے۔ وہ مراد ہیں۔ لیکن صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ باغ اسی وقت مستحقین کو تقسیم کر دیئے تھے

فدک اور خیبر کی نسبت ابتدا ہی سے شیعہ اور اہلِ سُنّت میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آپؐ کی ذاتی جائداد تھی اور وراثت کے طور پر اہلِ بیت میں تقسیم ہونی چاہیئے تھی۔ اہلِ سُنّت کہتے ہیں کہ یہ بطور ولایتِ اسلامی آپؐ کے قبضہ میں تھی اور ذاتی ہو بھی تو آپؐ نے خود فرمایا تھا کہ "ہمارا جو ترکہ ہو وہ صدقہ ہے"۔

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت میں پیدا ہو چکا تھا۔ حضرت عباسؓ (آپؐ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الوصایا [2] بخاری باب فرض الخمس میں ہے وصدقته بالمدينة یہ ان ہی باغوں کے متعلق ہے تفصیل کے لئے فتح الباری ج ششم دیکھو۔ نیز صحیح بخاری میں کتاب المغازی ذکر نضیر۔

کے چچا، حضرت فاطمہؓ (صاحبزادی) اور اکثر ازواجِ مطہراتؓ مدعی تھیں کہ اس جائداد کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے۔ آنحضرتؐ خود اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی صرف کرتے تھے۔ اس میں تغیر نہ ہوگا۔ آنحضرتؐ نے اپنے زمانۂ حیات میں ان تینوں جائدادوں کی آمدنی مختلف مدوں میں متعین کر دی تھی۔ بنو نضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لئے مخصوص تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لئے وقف تھی۔ خیبر کی آمدنی کو آپؐ تین حصّوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ دو حصّے عام مسلمانوں کے لئے تھے۔ ایک حصّہ ازواج مطہراتؓ کو سالانہ مصارف کے لئے ملتا تھا۔ اس میں سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت میں کام آتا۔[1] آخر میں حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونوں کی تولیت میں دیدی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ خیبر اور فدک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ میں رہے۔[2]

جانور

اربابِ سیر نے آپؐ کے اسپِ خاصہ اور مویشی اور دواب کی تفصیل اس طرح لکھی ہے جس سے ایک دائی ملک کے اصطبل اور دواب خانہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔

طبری نے ان تمام جانوروں کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور اگر وہ قابلِ اعتبار ہوتے تو حقیقت میں نہایت دلچسپ تھے۔ لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روائتیں ہیں۔ سب بلا استثناء واقدی سے ماخوذ ہیں۔ پچھلے مصنفین، جن میں بڑے بڑے محدثین ہیں مثلاً یعری، مغلطائی، حافظ عراقی وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہے اور چونکہ یہ مصنفین اکثر سلسلۂ سند نہیں لکھتے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفرائض [2] یہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے، دیکھو کتاب الفرائض۔

[3] سنن ابی داؤد، باب صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوالۂ مذکورہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دے دیا تھا۔

اس لئے اکثر لوگ ان کے مستند ہونے کی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں لیکن جب تفتیش کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں کا سلسلۂ سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گذر چکی ہے:

ما ترك رسول الله صلى الله عليه و	آنحضرتؐ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم
سلم دينارا ولا درهما ولا بعيرا و	نہ اونٹ نہ بکری۔
لا شاة	

صحیح بخاری (کتاب الجہاد) میں حضرت عمرو بن حویرثؓ (ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی) سے روایت ہے۔

ما ترك النبيّ صلى الله عليه وسلم الا	آنحضرتؐ نے کچھ نہیں چھوڑا بجز اپنے
بغلته البيضاء وسلاحه وارضا	سفید خچر اور ہتھیار اور ایک زمین کے جو وقف
تركها صدقة	عام ہوگئی۔

ان روایتوں سے معلوم ہوگا کہ متروکاتِ خاصہ میں صرف ایک جانور تھا۔ ان صحیح اور مسلّم روایات کے ہوتے آنحضرتؐ کے اسباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدارِ سلطنت کے شایانِ حال ہے کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے۔

احادیثِ صحیحہ کے استقرا سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن حویرثؓ کی مختصر فہرست سے زائد چیزیں بھی آپؐ کے قبضہ میں آئیں۔ لیکن اس سے عمروؓ کی روایت پر اثر نہیں پڑسکتا۔ کیونکہ عمروؓ صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہ چیزیں وفات سے پہلے آپؐ نے حسبِ عادت ہبہ یا خیرات کردی ہوں۔ بہرحال راز رفے روایاتِ صحیحہ مختلف اوقات میں حسبِ ذیل جانور آپؐ کے دائرۂ ملک میں آئے:

لُحَیف : ایک گھوڑا جو ابی بن عباس کے باغ میں بندھتا تھا۔ بخاری نے کتاب الجہاد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عُفیر : ایک گدھا تھا۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھکو اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا۔ (بخاری کتاب الجہاد)۔

عَضباء و قَصواء : نہایت تیز اونٹنی تھی۔ قصواء بھی اسی کا نام ہے (طبری میں ہے کہ اسی کو آپؐ نے ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ سے خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر آپؐ نے ہجرت فرمائی تھی اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابو ایوبؓ کے مکان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی[1]۔ حجۃ الوداع کا خطبہ بھی آپؐ نے اس کی پشت پر دیا تھا[2]) یہ ہر معرکہ میں بازی لے جاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک بدو باہر سے آیا اس کی سواری میں ایک اونٹ تھا جو ابھی جوان نہیں ہوا تھا۔ عضباء کا اس سے مقابلہ ہوا اور وہ آگے نکل گیا۔ صحابہؓ کو ملال ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "یہ خدا کا فرض ہے کہ دنیا کی کوئی چیز جب سر اٹھائے تو اس کو پست کر دے"۔ (بخاری کتاب الجہاد)۔

تیمہ : دلدل جس کا ذکر اکثر روایتوں میں ہے اسی خچر کا نام ہے جس کا ذکر عمرو بن حویرثؓ کی روایت میں ہے۔ چنانچہ بخاری کے شارحین نے تصریح کی ہے۔ یہ خچر مقوقس مصری نے آپؐ کو تحفہ میں بھیجا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن العلماء (رئیس ایلہ) نے بھی آپؐ کو ایک سفید خچر (غزوۂ تبوک کے موقع پر) تحفۃً بھیجا تھا[3]۔ غزوۂ حنین میں جس سفید خچر پر آپؐ سوار تھے وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ ارباب سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے[4]۔ صحیح مسلم میں اس کی تصریح موجود ہے[5]۔

---

[1] صحیح بخاری ذکر ہجرت۔ [2] صحیح مسلم، ابوداؤد ذکر حجۃ الوداع۔ [3] کتاب الجہاد باعثۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[4] فتح الباری ذکر غزوۂ حنین ج ہشتم۔ [5] فتح الباری باب غزوۂ حنین۔

اسلحہ

اس زہد و قناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانۂ مبارک میں حسب ذیل سامان تھا:

نو عدد تلواریں تھیں جن کے نام یہ ہیں، ماثور، عضب، ذوالفقار، قلعی، بتّار، حتف، مخذم، قضیب۔

ماثور والد ماجد سے میراث میں ملی تھی۔ ذوالفقار بدر میں ہاتھ آئی تھی۔ تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔ فتحِ مکّہ میں جو تلوار آپؐ کے ہاتھ میں تھی اس کا قبضہ زرّین تھا۔ سات زرہیں تھیں: ذات الفضول، ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضہ، تبرا، خرنق۔ ذات الفضول وہی زرہ تھی جو تیس صاع پر ایک یہودی کے ہاں سال بھر کے لئے آپؐ نے رہن[1] رکھی تھی۔ زرہیں سب لوہے کی تھیں، اگرچہ عرب میں چمڑے کی زرہیں بھی ہوتی تھیں۔

چھ کمانیں تھیں: زوراء، روحاء، صفراء، بیضاء، کتوم، شداد۔ کتوم وہ کمان تھی جو غزوۂ اُحد میں ٹوٹ گئی تھی اور آپؐ نے قتادہؓ کو دے دی تھی۔ ایک ترکش تھا جس کو کافور کہتے تھے۔ چمڑے کی ایک پیٹی تھی جس میں چاندی کے تین حلقے تھے۔ لیکن ابنِ تیمیہ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث سے مجھ کو یہ پتہ نہیں لگا کہ آپؐ نے کبھی پیٹی لگائی بھی تھی۔ ایک ڈھال تھی جس کا نام زلوق تھا۔ پانچ برچھیاں تھیں۔ لوہے کا ایک مغفر تھا جس کا نام موشح تھا۔ ایک اور مغفر تھا جس کو سبوغ کہتے تھے۔

تین جبّے تھے جن کو آپؐ لڑائی میں پہنتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک دیبائے سبز کا تھا۔ ایک سیاہ علم تھا جس کا نام عقاب تھا اور بھی زرد و سفید علم تھے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع: کتاب الرہن۔

آثارِ متبرکہ

(ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں جو لوگوں نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑی تھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے عقیدت مندوں کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے جو زیادہ تر حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے ہاتھ آئے تھے۔[1] حضرت انس بن مالکؓ کے پاس بھی موئے مبارک تھے۔ ان کے پاس دو چیزیں اور تھیں نعلینِ مبارک اور لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ جو چاندی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا تھا۔ ذوالفقار جو حضرت علیؓ کے پاس تھی اُن کے بعد اُن کے خاندان میں یادگار رہی امام حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسینؒ کے ہاتھ آئی۔ بعض صحابہؓ نے آکر ان کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ یادگار آپ سے نہ چھن جائے۔ اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے۔ لیکن انہوں نے یہ ایثار گوارا نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ کے پاس آپؐ کے وہ کپڑے تھے جن میں آپؐ نے انتقال فرمایا تھا۔[2] استحقاقِ خلافت کی بنا پر خاتم (مہر) اور عصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر ہے، پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کے قبضہ میں آئے لیکن ان کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہوگئیں۔ انگوٹھی تو حضرت عثمان کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں گر گئی اور عصائے مبارک کو جہجاہ غفاریؓ نے توڑ ڈالا۔

(امام بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لئے ایک خاص باب باندھا ہے)

مسکنِ مبارک

آنحضرتؐ کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اپنے دادا اور چچا کے گھروں میں پرورش پائی اور یہیں سنِ رشد کو پہنچے۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کی۔ یہ متیقن طور پر نہیں معلوم کہ اس کے بعد آپؐ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الطہارت [2] (ان تمام آثار مذکورہ بالا کا ذکر صحیح بخاری کتاب الخمس میں ہے [3] خاتم کا ذکر کتاب الخمس کے علاوہ بخاری کی کتاب اللباس میں ہے۔ عصائے مبارک کا حال فتح الباری جلد ہفتم سے ماخوذ ہے)۔

نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے۔ لیکن آپؐ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ میں موجود تھا جس پر عقیلؓ نے جو آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپؐ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ آپؐ کہاں قیام فرمائیں گے؟ کیا اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے؟ آپؐ نے فرمایا "عقیل نے ہمارے لئے گھر کہاں چھوڑا"۔[1]

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرتؐ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر قیام فرما رہے۔ اس اثنا میں آپؐ تنہا تھے۔ اہل وعیال مکہ ہی میں تھے۔ جب آپؐ نے مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے۔ اور اس وقت آپؐ نے آدمی بھیج کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا اور ان ہی حجروں میں اتارا۔[2]

آخر ایام میں آنحضرتؐ کی نو بیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں۔ جن میں نہ صحن تھا نہ دالان تھے، نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے۔ ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ اُن میں شگاف پڑ گیا تھا۔ اُن سے اندر دھوپ آتی تھی۔ چھت کھجور کی شاخوں اور پتیوں سے چھائی تھی۔ بارش سے بچنے کے لئے بال کے کمبل لپیٹ دیئے جاتے تھے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔[3]

آنحضرتؐ ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرہ میں بسر فرماتے تھے۔ دن کو عموماً اصحابؓ کی مجلس میں تشریف رکھتے جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشستگاہ تھی۔

---

(۱) صحیح بخاری فتح مکہ۔ (۲) ابن سعد (۳) یہ پوری تفصیل ادب المفرد بخاری باب التطاول فی البنیان والبناء میں

ان حجروں کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا۔ جس کو احادیث میں "مشربہ" کہا گیا ہے۔ ۹ھ میں جب آپؐ نے ایلا کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کر چوٹ کھائی تھی تو ایک مہینہ اسی پر اقامت فرمائی تھی[1]

اس بالاخانہ پر سامانِ آرایش کیا تھا ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ادھر اُدھر چند کھالیں لٹکی ہوئی تھیں[2]

کاشانۂ نبوت گو انوارِ الٰہی کا مظہر تھا تاہم اس میں رات کو چراغ تک نہیں ہوتا تھا[3]۔ گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرایش بھی پسندِ خاطر نہ تھی۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دیواروں پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا ہم کو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لئے مامور نہیں کیا گیا ہے[4]

یہ حجرہ ہائے مبارک آپؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہراتؓ کے قبضہ میں رہے۔ ان میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت میں چلا جاتا۔ جن سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اکثر حجروں کو خرید لیا تھا[5]

حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض حجرے توڑ کر مسجد نبویؐ میں داخل کر لئے گئے۔ تاہم ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے۔ ۸۸ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے والی تھے تمام حجرے بجز حجرۂ عائشہؓ کے کہ وہ مدفن نبویؐ ہے، توڑ کر مسجدِ نبویؐ میں ملا دیئے گئے۔ جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہیں تمام مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا کہ حضور انورؐ کی ایک اور یادگار مٹ گئی[6]

---

[1] ابوداؤد باب امامۃ القاعد [2] صحیح بخاری باب ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتجوز من الاکل [3] البسط [4] صحیح بخاری جلد اول باب التطوع خلف المرأۃ۔

[5] ابوداؤد جلد دوم کتاب اللباس باب فی الصور [6] ابن سعد جزء نساء [7] ابن سعد جزء ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

دایہ

آنحضرتؐ کو جو ترکہ والد سے ملا تھا اس میں ایک حبشہ کنیز بھی تھیں جن کا نام اُمِ ایمنؓ تھا۔ آنحضرتؐ کی انا یا دایہ وہی تھیں۔ آنحضرتؐ کی وفات تک زندہ رہیں۔ آنحضرتؐ ہمیشہ ان کو ماں کہہ کر پکارتے تھے اور جب اُن کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ "اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں"۔ جب آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے عقد کیا تو اُن کو آزاد کر کے حضرت زیدؓ سے جو آپؐ کے متبنّٰی اور محبوبِ خاص اور حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے، شادی کر دی۔ اسامہؓ انہی کے بطن سے تھے۔

آنحضرتؐ کے مزاح کا واقعہ جو کتابوں میں منقول ہے کہ ایک عورت نے آنحضرتؐ سے ایک اونٹ مانگا۔ آپؐ نے فرمایا "میں اونٹ کا بچہ دوں گا"۔ بولی بچہ لیکر کیا کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "جتنے اونٹ ہیں اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہیں"۔ ان ہی کا واقعہ ہے۔

یہ اکثر غزوات میں شریک رہیں۔ جنگِ اُحد میں سپاہیوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ جنگِ خیبر میں بھی شریک تھیں[1]۔

خدّامِ خاص

صحابہؓ میں سے بعض عقیدتمند ایسے تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے اور خاص خاص کام انجام دیتے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی ہیں۔ فقہ حنفی کے بانیٔ اوّل گویا وہی ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی فقہ کا سلسلہ ان ہی کی روایات اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہے۔ مکّہ معظمہ میں قرآن مجید کی اشاعت آنحضرتؐ کے ابتدائی زمانہ میں ان ہی نے کی۔ ستر سورتیں خود آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔

---

[1] صحیح مسلم باب ردالمہاجرین الی الانصار منائحہم۔ [2] یہ تمام حالات طبقات ابنِ سعد جزء ثامن تذکرہ اُمِّ ایمنؓ سے ماخوذ ہیں۔

یہ آنحضرتؐ کے راز دار بھی تھے اور جب آنحضرتؐ سفر میں جاتے تو خوابگاہ، وضو اور مسواک کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا۔ جب آپؐ مجلس سے اٹھتے تو جوتیاں پہناتے۔ راہ میں آگے آگے عصا لے کر چلتے۔ جب آپؐ کہیں کسی مجلس میں جاکر بیٹھتے تو نعلینِ مبارک اتار کر بغل میں رکھ لیتے پھر اٹھتے کے وقت سامنے لاکر رکھ دیتے۔ جلوت و خلوت میں ساتھ رہتے تھے آنحضرتؐ کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن گئے تھے[1]

۲۔ حضرت بلالؓ۔ دنیا ان کو مؤذن کے لقب سے جانتی ہے۔ وہ یہ حبشی نژاد غلام تھے مکہ میں ایمان لائے تھے اور جس جوش و خروش سے ایمان لائے تھے، اس کا مختصر ذکر آغازِ کتاب میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ اس وقت سے برابر آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے، آپؐ کا خانگی انتظام ان ہی کے سپرد تھا۔ بازار سے سودا سلف لانا، قرض دام لینا، پھر ادا کرنا، مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یہ تمام باتیں ان ہی سے متعلق تھیں[2]

۳۔ حضرت انس بن مالکؓ بھی آپؐ کے خادمِ خاص تھے۔ آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کمسن تھے۔ ان کی ماں خدمتِ اقدس میں ان کو لائیں اور عرض کی کہ "یا رسول اللہؐ! یہ میرا بیٹا ہے۔ لائی ہوں کہ خدمت گذاری کرے[3]

حضرت انسؓ نے دس برس تک آپؐ کی خدمت کی۔ لوگوں کے پاس آنا جانا، چھوٹے چھوٹے کام کرنا، وضو کا پانی لانا ان کے فرائض تھے۔ چونکہ ابھی کمسن تھے ان سے کام بن نہیں آتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ان سے کبھی باز پرس نہ فرمائی[4]

---

[1] پوری تفصیل طبقات ابنِ سعد میں ہے (مجملاً بخاری، باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ میں بھی یہ مذکور ہے۔ [2] ابوداؤد حصہ دوم، باب قبول ہدایا المشرکین۔ [3] صحیح مسلم، فضائل انسؓ۔ [4] ابوداؤد، کتاب الادب)

شمائل

شکل ولباس و طعام و مذاقِ طبیعت

حُلیہ اقدسؐ

آپؐ میانہ قد اور موزوں اندام تھے۔ رنگ بیحد سُرخ تھا۔ پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے۔ بینی مبارک درازی مائل تھی۔ چہرہ ہلکا یعنی بہت پُر گوشت نہ تھا۔ دہانہ کشادہ تھا۔ دندانِ مبارک بہت پیوستہ نہ تھے۔ گردن اونچی سر بڑا اور سینہ کشادہ اور فراخ تھا۔ سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے۔ ریشِ مبارک گھنی تھی۔ چہرا کھڑا کھڑا تھا۔ آنکھیں سیاہ و سُرمگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ شانے پُر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ سینۂ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں پُر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے۔ نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔[1]

صحابہؓ پر آپؐ کے حُسن و خوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدسؐ پر اُن کی نظر پڑی ہے تو بولے "خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں"[2]۔ جابر بن سمرہؓ ایک صحابی ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا آپؐ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟ بولے نہیں ماہ و خورشید کی طرح[3]۔ یہی صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا

---

[1] یہ حلیہ بہ تفصیل شمائل ترمذی و مسند ابن حنبل جلد اوّل میں اور مختصراً بخاری و مسلم باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہے۔

[2] ترمذی ابواب الزہد۔ [3] مشکوٰۃ باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحوالہ مسلم۔

میں کبھی آپؐ کو دیکھتا کبھی چاند کو دیکھتا تھا تو آپؐ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے[1] حضرت براءؓ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپؐ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا[2]

آپؐ کے پسینہ میں ایک طرح کی خوشبو تھی[3] چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے[4] جسمِ مبارک کی جلد نہایت نرم تھی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کا رنگ نہایت کھلتا تھا۔ آپؐ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے دیبا اور حریر بھی آپؐ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک و عنبر میں بھی آپؐ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی[5]

(عام طور پر مشہور ہے کہ آپؐ کا سایہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے)

مُہرِ نبوّت

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتمِ نبوت تھی۔ یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا۔ صحیح مسلم اور شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے:

رأیت الخاتم بین کتفی رسول اللہ	میں نے آنحضرتؐ کے دونوں شانوں کے بیچ
صلی اللہ علیہ وسلم غدۃ حمراء	میں خاتم کو دیکھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر
مثل بیضۃ الحمامۃ	سُرخ غدہ تھا۔

لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانہ کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی۔ اسی کو مُہرِ نبوّت کہتے تھے[6] تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت

---

(1) مشکوٰۃ باب مذکور بحوالہ ترمذی و دارمی۔ (2) صحیح مسلم باب مذکور (3) صحیح مسلم باب مذکور (4) بخاری واقعہ افک (5) مشکوٰۃ باب مذکور بحوالہ بخاری و مسلم (6) صحیح مسلم باب اثبات النبوۃ۔ مشہور ہے کہ پشت پر جو خاتمِ نبوت تھی اس میں گویا قدرتی طور پر کلمہ طیبہ تحریر تھا۔ یہ بالکل بے سند بات ہے۔ احادیث سے اسکا کوئی ثبوت نہیں محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے بعض روایتیں باطل اور بہت سی ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں لم یثبت منها شیئ۔ زرقانی مواہب جلد اول۔ البتہ کلمہ اس نقرئی خاتم میں منقوش تھا جو انگشتِ مبارک میں خطوط پر مہر کرنے کی غرض سے آپؐ پہنا کرتے تھے۔ لوگوں نے غلطی سے اسکو خاتمِ نبوت کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

ہوتا ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا جس پر تل تھے اور بال اُگے ہوئے تھے)

موئے مبارک

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے۔ فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں پر چار گیسو پڑے تھے۔

مشرکینِ عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ آنحضرتؐ چونکہ کفار کے مقابلہ میں اہلِ کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، ابتدا میں آپؐ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے پھر مانگ نکالنے لگے۔ یہ شمائل ترمذی کی روایت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا لہٰذا خیر خیر زمانہ میں مانگ نکالنے لگے۔

(بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے۔ ریشِ مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے)

رفتار

رفتار بہت تیز تھی۔ چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اُتر رہے ہیں۔ ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرتؐ کے سایہ نہ تھا یعنی زمین پر جسمِ اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔

گفتگو

گفتگو نہایت شیریں اور دلآویز تھی۔ بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔ ایک ایک فقرہ الگ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا۔ معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے۔ جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے۔ حالتِ گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی۔ آواز بلند تھی۔ حضرت اُمِّ ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کعبہ میں قرآن پڑھتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں پلنگوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے۔[1]

---

[1] ابنِ ماجہ باب ماجاء فی القراۃ فی الصلوٰۃ اللیل۔

حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ہند تھا اور وہ نہایت خوش تقریر تھے جس چیز کا بیان کرتے اس کی تصویر کھینچ دیتے۔ حضرت امام حسنؓ نے ان سے پوچھا آنحضرتؐ کیونکر تقریر فرماتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔ اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے۔ ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے۔ کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رُخ پلٹ دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں۔ ہنستے بہت کم تھے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپؐ کی ہنسی تھی[1]

خندہ و تبسّم

جریر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرتؐ نے مجھکو دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیا ہو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی جب آپؐ کو زیادہ ہنسی آتی تو ڈاڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے۔ لیکن ابنِ قیم وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرزِ ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپؐ اس زور سے نہیں ہنسے کہ نواجذ نظر آئیں۔

لباس

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا۔ عام لباس چادر، قمیض اور تہمد تھا۔ پاجامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ لیکن امام احمد اور اصحابِ سنن اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپؐ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابنِ قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا۔ موزوں کی عادت نہ تھی۔ لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے۔ آپؐ نے استعمال فرمائے۔ بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے۔ عمامہ کا شملہ کبھی دوشِ مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا۔ کبھی تحت الحنک کے طور پر لپیٹ

---

[1] شمائلِ ترمذی۔

لیتے تھے۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا۔ فرماتے تھے کہ ہم میں اور مشرکین میں یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں[1])

لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادریں[2] پسند تھیں جن کو عربی میں حبرہ کہتے ہیں۔

بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے جس کی آستین اس قدر تنگ تھی کہ وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی اور ہاتھ کو آستین سے نکالنا پڑا۔ نوشیروانی قبا بھی جس کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف تھی، استعمال کی ہے۔

جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہمد نکال کر دکھائی کہ ان ہی کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ آپؐ حلۂ حمرا بھی استعمال کیا ہے، حمراء کے معنی سُرخ کے ہیں اس لئے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لئے ہیں۔ لیکن ابن قیم نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ سُرخ لباس آپؐ نے کبھی نہیں پہنا اور نہ مردوں کے لئے اس کو جائز رکھتے تھے۔ حلۂ حمرا ایک قسم کی یمنی چادر تھی جس میں سُرخ دھاریاں بھی ہوتی تھیں۔ اس بنا پر اس کو حمراء کہتے تھے اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ عام محدثین کہتے ہیں کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں۔ زرقانی میں یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ مختلف روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے سیاہ، سُرخ، سبز، زعفرانی، ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب[3] تھا۔ بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جس پر کباوے کی شکل بنی ہوئی تھی[4]۔ نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک میں

---

[1] ابوداؤد، کتاب اللباس۔ [2] صحیح بخاری، باب اللباس۔ [3] ابوداؤد، ج دوم، کتاب اللباس، مسند ابن حنبل ج اوّل۔ [4] ابوداؤد، ج دوم، کتاب اللباس، لبس الصوف والشعر)

چپّل کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ بچھونا چمڑے کا گدّا ہوتا تھا۔ جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے۔ چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔

انگوٹھی

جب آپؐ نے نجاشی اور قیصرِ روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے عرض کی کہ سلاطین مُہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے۔ اس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں اوپر تلے تین سطروں میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ صرف مُہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے اور داہنے ہاتھ کی اُنگلی میں پہنتے تھے۔

خود و زرہ

لڑائیوں میں زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے۔ اُحد کے معرکہ میں جسمِ مبارک پر دو زرہیں تھیں۔ تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا۔

غذا اور طریقۂ طعام

اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیز اور پُرتکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے یہاں تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے) تمام عمر آپؐ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی، تاہم بعض کھانے آپؐ کو نہایت مرغوب تھے۔ سرکہ، شہد، حلوا، روغنِ زیتون، کدّو خصوصیت کیساتھ پسند تھے۔ سالن میں کدّو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈھتے۔ ایک دفعہ حضرت اُمِّ ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ بولیں کہ سرکہ ہے۔ فرمایا کہ "جس گھر میں سرکہ ہو اس کو نادار نہیں کہہ سکتے"۔ عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جس کو حیس کہتے ہیں۔ یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے۔ آپؐ کو یہ بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سلمیٰ کے پاس گئے اور کہا آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرتؐ کو بہت مرغوب تھا۔ بولیں "تم کو وہ کیا پسند آئے گا"؟ لوگوں نے اصرار کیا

تو انہوں نے جو کا آٹا پیسکر ہانڈی میں چڑھا دیا۔ اوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈالیں۔ پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا کہ یہ آپؐ کی محبوب ترین غذا تھی۔

گوشت کے اقسام میں سے آپؐ نے دنبہ، مرغ، بٹیر (حباری)، اونٹ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہ آپؐ کو چنداں مرغوب نہ تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے جب کبھی مل جاتا تو آپؐ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اس لئے آپؐ اسی کی فرمائش کرتے لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپؐ کو یہ گوشت پسند تھا۔

حضرت صفیہؓ کے نکاح میں جب آپؐ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا تو صرف کھجور اور ستو تھا۔ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ پتلی ککڑیاں پسند تھیں۔ ایک دفعہ معوذ بن عفراءؓ کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیاں خدمت میں پیش کیں۔ (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا۔ دودھ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اس میں پانی ملا دیتے۔ کشمش کھجور، انگور، پانی میں بھگو دیا جاتا۔ کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جاں فرماتے۔ کھانے کے ظروف میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا۔ جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا۔ روایت میں اسی قدر ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہوگا اس لئے تاروں سے جوڑ دیا ہوگا۔

معمولاتِ طعام

دسترخوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے لیکن اس کو برا نہ کہتے۔ جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے۔ کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے۔ میز یا خوان پر کبھی نہیں کھایا۔ خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی۔

تخم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔ چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی یعنی امراء اور اہلِ جاہ کے ساتھ مخصوص تھی اس لئے آپؐ اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا۔ کھانا صرف انگلیوں[1] سے کھاتے۔ گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے[2]۔ ابو داؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ اہلِ عجم کا شعار ہے۔ لیکن ابو داؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کے راوی ابو معشر نجیح ہیں جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور ان ہی منکرات میں حدیث مذکور بھی ہے[3]۔

خوش لباسی

گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپؐ کو نفرت تھی لیکن کبھی کبھی آپؐ نہایت قیمتی اور خوشنما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حروریہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے۔ حروریہ نے کہا "کیوں ابن عباس یہ کیا لباس ہے؟" بولے کہ تم اس پر معترض ہو، میں نے آنحضرتؐ کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے[4]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت منقشف تھے۔ ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا۔ گھر پر آکر دیکھا تو اس میں سرخ دھاریاں تھیں۔ جاکر واپس کر آئے۔ کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماءؓ (حضرت عائشہؓ کی بہن سے) کہا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کا جبہ منگوا کر لوگوں کو دکھایا جس کی جیبوں اور آستینوں اور دامن پر دیبا کی سنجاف تھی[5]۔

(بعض امراء وسلاطین نے آنحضرتؐ کو بیش قیمت کپڑے ہدیہ بھیجے۔ آپؐ نے قبول فرمایا اور

---

[1] غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی اور زاد المعاد ابن قیم سے ماخوذ ہیں [2] کتاب الاطعمہ باب القطع بالسکین۔

[3] قسطلانی شرح صحیح بخاری، ج ہشتم۔ [4] ابو داؤد، کتاب اللباس، باب لبس الصوف الشعر۔

[5] ابو داؤد، باب الرخصۃ فی العلم وخط الحریر

کبھی کبھی زیب تن کئے)

مرغوب رنگ

رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی آپؐ تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے۔[1] (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا۔ فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے)

نامرغوب رنگ

سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ و سرخ کپڑے پہنکر آئے تو فرمایا "یہ کیا لباس ہے"؟ عبداللہؓ نے جاکر آگ میں ڈال دیا۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا کہ "جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دے دیا ہوتا"[2]

عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو مغرہ کہتے ہیں۔ اس سے کپڑے رنگا کرتے تھے۔ یہ رنگ آپؐ کو نہایت ناپسند تھا۔ ایک دفعہ حضرت زینبؓ اس سے کپڑے رنگ رہی تھیں۔ آپؐ گھر میں آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے۔ حضرت زینبؓ سمجھ گئیں۔ کپڑے دھو ڈالے۔ آنحضرتؐ دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہیں تب گھر میں قدم رکھا[3]

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہن کر آیا تو آپؐ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے سواری کے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈالدی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے۔ فوراً صحابہؓ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار کر پھینک دیں[4]

خوشبو کا استعمال

خوشبو آپؐ کو بہت پسند تھی۔ کوئی خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کی خوشبو

---

[1] ابوداؤد باب فی المصبوغ۔ [2] ابوداؤد۔ باب فی الحمرۃ۔ [3] [4] یہ تمام روایتیں ابوداؤد کتاب اللباس میں ہیں۔

یا عطر ہوتا ہے جس کو سکہ کہتے ہیں۔ یہ ہمیشہ آپؐ کے استعمال میں رہتا تھا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ جس گلی کو چہ سے آپؐ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا۔ اکثر فرمایا کرتے مردوں کی خوشبو ایسی ہونی چاہیئے کہ خوشبو پھیلے اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتوں کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ[1] نظر آئے۔

نظافت پسندی

مزاج میں لطافت تھی۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے[2] دھویا کرے۔

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے پوچھا تم کو کچھ مقدور ہے؟ بولا "ہاں"! ارشاد ہوا کہ خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیئے[3]۔

عرب تہذیب و تمدن سے کم آشنا تھے۔ مسجد میں آتے تو عین نماز میں دیواروں پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے۔ آپؐ اس کو نہایت ناپسند فرماتے۔ دیواروں پر تھوک کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے۔ ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا۔ ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لاکر ملی۔ آپؐ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تحسین[4] کی۔

کبھی کبھی مجلسِ عالی میں خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کافور[5] ہوتا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ بولیں کچھ مضائقہ نہیں لیکن میں اس لئے ناپسند کرتی ہوں کہ میرے حبیب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو حنا کی[6] بو ناگوار تھی۔

---

[1] شمائل ترمذی [2] ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی غسل الثوب [3] ابوداؤد کتاب اللباس [4] نسائی کتاب المساجد [5] نسائی باب البخور [6] نسائی باب کراہیۃ ریح الحنا۔

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ بالوں کو درست کرے۔[1]

ایک دفعہ اون کی چادر اڑھی۔ پسینہ آیا تو اتار کر رکھدی۔[2]

ایک دن لوگ مسجد نبوی میں آئے۔ چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑوں میں لپٹے آئے تھے، پسینہ آیا تو تمام مسجد میں بو پھیل گئی۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر آتے تو اچھا ہوتا۔ اسی دن سے غسلِ جمعہ ایک شرعی حکم بن گیا۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے کا التزام تھا۔ اُم محجن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آپؐ نے حکم دیا کہ مساجد میں بچے اور مجنون نہ جانے پائیں اور خرید و فروخت نہ ہونے پائے۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جائیں۔

اہلِ عرب بدویت کے اثر سے نظافت اور صفائی کا نام نہیں جانتے تھے۔ اس بنا پر اس خاص باب میں آپؐ کو نہایت اہتمام کرنا پڑا تھا۔

عرب کی عادت تھی اور آج بھی بدوؤں میں عموماً پائی جاتی ہے کہ راستہ میں بول و براز کرتے تھے۔ آنحضرتؐ اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ احادیث میں کثرت سے روائتیں موجود ہیں کہ آپؐ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو راستہ میں یا درختوں کے سایہ میں بول و براز کرتے ہیں۔ امرار کا دستور ہے کہ کاہلی کی وجہ سے کسی برتن میں پیشاب کرلیا کرتے ہیں۔ اس سے بھی منع فرماتے تھے[3]

---

[1] ابو داؤد، کتاب اللباس۔ [2] ابو داؤد، کتاب اللباس۔ [3] اس مضمون میں متعدد حدیثیں بخاری شریف (غسلِ جمعہ) میں باختلاف الفاظ و واقعات مذکور ہیں۔ [4] ترغیب و ترہیب، کتاب الطہارۃ۔

عرب میں پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب سے کپڑوں کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا۔ آپؐ ایک دفعہ راہ میں جا رہے تھے۔ دو قبریں نظر آئیں۔ فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشاب سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔[1]

ایک دفعہ آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔ دیواروں پر جا بجا دھبے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی۔ [illegible] لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجہ میں فرمایا

نفرت تھی۔ حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں
لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہماری
مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں کہا کہ تم لوگ پیاز
ے آنحضرتؐ کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں
کال کر بقیع میں پہنچا دیا جائے۔[2]

بودار چیزوں مثلاً پیاز، لہسن اور مولی سے
نہ آئیں۔ بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص پیاز
ساتھ نماز نہ پڑھے۔ اپنے زمانۂ خلافت میں ایک
لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو۔ حالانکہ میں نے
کھا کر مسجد میں آتا تو آپؐ حکم دیتے کہ مسجد سے نکل

---

[1] صحیح بخاری عذاب القبر۔ [2] ترغیب و ترہیب۔ [3] ترغیب و ترہیب باب البصاق فی المسجد۔ [4] مسلم و نسائی و ابن ماجہ۔

سواری کا شوق

گھوڑے کی سواری آپؐ کو نہایت مرغوب تھی۔ (آپؐ فرمایا کرتے الخیل معقود فی نواصیھا الخیر۔ گھوڑوں کے علاوہ گدھے، خچر، اونٹ پر آپؐ نے سواری فرمائی ہے۔ آپؐ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لحیف تھا۔ گدھے کا نام عُفیر اور خچر کا نام دُلدُل اور تیہ اور اونٹنیوں کا نام قصواء اور عضباً تھا)

اسپ دوانی

مدینہ سے باہر ایک میدان تھا جس کی سرحد حصبائے ثنیۃ الوداع تک چھ میل تھی۔ یہاں گھوڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی۔

گھوڑے جو مشق کے لئے تیار کرائے جاتے تھے۔ ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانہ گھاس کھلاتے تھے۔ جب وہ موٹے تازے ہو جاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر میں باندھ کر چار جامہ کستے۔ پسینہ آتا اور خشک ہوتا اور روزانہ یہ عمل جاری رہتا۔ رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا خشک ہو کر ہلکا پھلکا چھریرا بدن نکل آتا۔ یہ مشق چالیس دن میں ختم ہوتی۔

آنحضرتؐ کی سواری کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام سبحہ تھا۔ ایک دفعہ اس کو آپؐ نے بازی میں دوڑایا۔ اس نے بازی جیتی تو آپؐ کو خاص مسرت ہوئی۔[1]

گھوڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علیؓ کے سپرد تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے سراقہ بن مالکؓ کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔[2]

۱۔ گھوڑوں کی صفیں قائم کی جائیں اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی یا بچہ

---

[1] نسائی: باب حب الخیل۔ [2] دار قطنی، جلد دوم، کتاب السبق بین الخیل، مسند احمد اور بیہقی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

[3] یہ پوری تفصیل دار قطنی (کتاب السبق بین الخیل) میں ہے۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہے)

کو ساتھ رکھنا یا زین الگ کر دینی ہو، الگ کرے۔

۲۔ جب کوئی آواز نہ آئے تو تین دفعہ تکبیریں کہی جائیں۔ تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان میں ڈال دیئے جائیں۔

۳۔ گھوڑے کے کان آگے نکل جائیں تو سمجھ لیا جائیگا کہ وہ آگے نکل گیا۔

حضرت علیؓ خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیوں کو دونوں کناروں پر کھڑا کر دیتے۔ گھوڑے ان ہی دونوں کے درمیان سے ہو کر نکلتے۔

اونٹوں کی دوڑ بھی ہوتی۔ آنحضرتؐ کی خاص سواری کا ناقہ عضباء ہمیشہ بازی لے جاتا۔ ایک دفعہ ایک بدّو اونٹ پر سوار آیا اور مسابقت میں عضباء سے آگے نکل گیا۔ تمام مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز گردن اٹھائے اس کو نیچا دکھائے[1]

رنگوں میں صندلی، مشکی، اور کمیت بہت پسند تھا۔ گھوڑوں کی دم کاٹنے سے منع فرمایا کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل ہے[2]

---

[1] صحیح بخاری و نسائی و دار قطنی و مسند احمد عن انسؓ، باب الرہان والسبق۔ [2] نسائی نظامی رباب مایستحب من مشیۃ الخیل۔ [3] کتب سنن، کتاب الادب)

معمولات

(ترمذی نے شمائل میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیئے تھے۔ ایک عبادتِ الٰہی کے لئے، دوسرا عام خلق کے لئے اور تیسرا اپنی ذات کے لئے۔

صبح سے شام تک کے معمولات

معمول تھا کہ نمازِ فجر پڑھ کر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا[1] اور یہی وقت دربارِ نبوت کا ہوتا۔ لوگ پاس آ آ کر بیٹھتے اور آپؐ ان کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے[2]

اکثر صحابہؓ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے۔ آپؐ اس کی تعبیر بیان فرماتے[3] کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے[4] اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی۔ لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے، ہنسی خوشی کی باتیں[5]۔ آنحضرتؐ مسکرا دیتے۔ اکثر اسی وقت مالِ غنیمت اور وظائف و خراج وغیرہ کی تقسیم[6] فرماتے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار کبھی آٹھ رکعت نماز

---

[1] صحیح مسلم باب تبسمہ و ابو داؤد۔ [2] جامع ترمذی۔ [3] صحیح مسلم کتاب التعبیر [4] صحیح بخاری کتاب التعبیر [5] نسائی: باب قعود الامام فی مصلاہ۔ [6] بخاری اور حدیث کی کتابوں میں متعدد جزئی واقعات مذکور ہیں۔

ادا فرماتے۔ گھر جاکر گھر کے دھندے میں مشغول رہتے۔ پھٹے کپڑوں کو سیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، دودھ دوہتے۔[1]

نمازِ عصر پڑھ کر ازواجِ مطہراتؓ میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے۔ پھر جس کی باری ہوتی وہیں رات بسر فرماتے۔ تمام ازواجِ مطہراتؓ وہیں جمع ہو جاتیں۔ عشا تک صحبت[2] رہتی۔ پھر نمازِ عشا کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آکر سو رہتے۔ ازواجؓ رخصت ہو جاتیں۔ نمازِ عشا کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے۔[3]

خواب

عام معمول یہ تھا کہ آپؐ اوّل وقت نمازِ عشا پڑھ کر آرام فرماتے تھے۔ سوتے وقت التزاماً قرآن مجید کی کوئی سورہ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صف، تغابن، جمعہ) پڑھ کر سوتے۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے:

اللّٰھم باسمك اموت واحیٰی — خدایا تیرا نام لیکر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔

جاگتے تو فرماتے:

الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور — اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے۔ مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی۔ اُٹھ کر پہلے مسواک فرماتے۔ پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے۔ آپؐ کی سجدہ گاہ[4] آپؐ کے سرہانے ہوتی تھی۔

ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے۔ لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اونچا کرکے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری

---

[1] صحیح بخاری باب مایکون الرجل فی مہنۃ اہلہ و مسند ابن حنبل و مسند عائشہؓ۔ [2] صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات۔ [3] بخاری صلوۃ العشاء۔ [4] یعنی سجدہ کا مقام جہاں بحالتِ نماز آپؐ سجدہ کرتے تھے۔ س۔

نیند آجائے۔ نیند میں کسی قدر خرّاٹے کی آواز آتی تھی۔

بچھونے میں کوئی التزام نہ تھا۔ کبھی معمولی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔[1]

عبادتِ شبانہ

آنحضرتؐ کے خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہؓ کے برابر کوئی واقف نہ تھا۔ اُن سے مروی ہے کہ جب سورۂ مزمّل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آگیا۔ بارہ مہینے تک باقی آیتیں رُکی رہیں۔ سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیامِ لیل جو اب تک فرض تھا نفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے۔ جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے۔ پھر ایک اور رکعت پڑھتے اور اس میں بھی جلسہ کرتے۔ پھر دو رکعت اور ادا کرتے۔ اس طرح گیارہ رکعتیں ہوجاتیں۔ لیکن جب عمر زیادہ ہوگئی اور جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتیں پڑھتے جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے۔ کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"عشا کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر میں چلے آتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خوابِ راحت فرماتے۔ وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی۔ سو کر اٹھتے۔ پہلے مسواک فرماتے۔ پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آکر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہؓ (آنحضرتؐ کی ازواجِ مطہراتؓ میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپؐ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔

---

[1] یہ پوری تفصیل زرقانی میں حدیث کی متعدد کتابوں کے حوالہ سے مذکور ہے۔ [2] سنن ابو داؤد باب صلوٰۃ اللیل۔

زمین پر فرش بچھا ہوا تھا۔ آپؐ نے اس پر آرام فرمایا۔ میں سامنے آڑا سویا۔ قریباً رات ڈھلے آپؐ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ آلِ عمران کی اخیر دس آیتیں پڑھیں۔ پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی اس سے وضو کیا۔ پھر نماز شروع کی۔ میں بھی وضو کر کے بائیں پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی جانب پھیر دیا۔ تیرہ رکعتیں پڑھ کر آپؐ سو رہے۔ یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی۔ صبح ہوتے حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ آپؐ اٹھے۔ فجر کی سنتیں ادا کیں پھر مسجد تشریف لے گئے۔

معمولاتِ نماز

ابتدا میں آپؐ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ لیکن جب یہ گراں گذرنے لگا تو صرف پنجوقتہ مسواک رہ گئی۔ فتح مکہ میں آپؐ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں[1]۔ تاہم عادۃً آپؐ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ وضو میں عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے، پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے۔ اس کے بعد تین تین بار منھ ہاتھ دھوتے۔ سر کا مسح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے[2]۔ بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دو بار اور کسی کو ایک بار دھوتے[3]۔

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے۔ اذانِ صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپؐ نے سورۂ فاتحہ پڑھی یا نہیں[4]۔ لیکن فرض کی دو رکعتوں میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن سائبؓ سے مروی ہے کہ ایک بار آپؐ نے مکہ میں نماز فجر میں سورۂ مؤمنون پڑھی۔ اس طرح کبھی واللیلؐ اذا عسعس اور کبھی سورۂ ق پڑھتے صحابہؓ کا اندازہ ہے کہ آپؐ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

---

[1] صحیح مسلم و سنن پنج۔ [2] مسلم جلد اول باب آخر فی صفۃ الوضوء و اکمالہ۔ [3] مسلم ج اول باب آخر فی صفۃ الوضوء۔

[4] مسلم ج اول باب رکعتی سنۃ الفجر و الحث علیہما۔ [5] التکویر: ۱۷۔

ظہر و عصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے۔ تاہم ابتدا کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور وہاں اپنا کام کرتا تھا۔ پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت میں جا کر شامل ہو جاتا تھا۔ صحابہؓ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اوّل دو رکعتوں میں آپؐ اس قدر قیام فرماتے ہیں جس میں الٓمٓ تنزیل السجدہ کے برابر سورہ پڑھی جا سکتی ہے۔ اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اسکے نصف کے برابر اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ظہر میں آپؐ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھتے تھے۔

مغرب کی نماز میں وَالْمُرْسَلَاتِ اور سورۂ طور پڑھتے تھے۔[1]

عشاء کی نماز میں وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے۔

تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، مثلاً سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء۔

جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ اور دوسری رکعت میں اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ اور کبھی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔

عیدین میں بھی دو پچھلی سورتیں یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هَلْ أَتَاكَ پڑھتے تھے۔ اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑ جاتا تو دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ کے دن کی نمازِ صبح میں الٓمٓ تنزیل السجدہ اور هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ پڑھنے کا معمول تھا۔[2]

---

[1] مسلم ج اوّل باب القراءۃ فی الظہر والعصر وغیرہا۔ [2] یہ تمام روایتیں صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجمعہ والعیدین میں مذکور ہیں۔

معمولاتِ خطبہ

وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لئے آپؐ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے بالخصوص جمعہ کے لئے تو خطبہ لازمی تھا۔ جمعہ کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپؐ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے۔ مسجد میں داخل ہوتے اور لوگوں کو سلام کرتے۔ پھر منبر پر تشریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف رُخ کر کے سلام کرتے اور اذان کے فوراً بعد خطبہ شروع کر دیتے۔ پہلے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا۔ خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے۔ جمعہ کے خطبہ میں عموماً سورۂ "ق" پڑھتے تھے[1]۔ اس میں قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ حمدِ خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے۔ اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آجاتا تو منبر سے اُتر کر اس کو کر لیتے، پھر منبر پر جا کر خطبہ کو پورا فرماتے۔ ایک بار آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔ اسی حالت میں ایک آدمی نے آکر کہا "یا رسول اللہؐ! میں مسافر آدمی ہوں۔ اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہوں۔ اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں"۔ آپؐ منبر سے اُتر آئے۔ ایک کرسی رکھ دی گئی۔ اس پر بیٹھ گئے اور اسکو تعلیم و تلقین کی۔ پھر جا کر خطبہ[2] کو پورا کیا۔ ایک بار آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت امام حسینؓ سُرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آگئے۔ چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے آنحضرتؐ نے دیکھا تو ضبط نہ ہو سکا۔ منبر سے اُتر آئے اور گود میں اٹھا لیا اور یہ آیت پڑھی[3] اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے۔ چنانچہ عین خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی؟ اس نے کہا "نہیں"۔

---

[1] صحیح مسلم۔ [2] ادب المفرد امام بخاری باب الجلوس علی السریر۔ [3] جامع ترمذی مناقب حسینؓ۔

آپؐ نے فرمایا اُٹھو! اور پڑھو[1]

میدان جہاد میں جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپؐ ہاتھ میں تلوار لے کر کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپؐ نے خطبہ کی حالت میں کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی[2]

وعظ ارشاد کے لئے عموماً ناغہ دیکر خطبہ دیا کرتے تھے تاکہ لوگ گھبرا نہ جائیں[3])

معمولاتِ سفر

(حج عمرہ اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپؐ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی۔ سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواجِ مطہراتؓ پر قرعہ ڈالتے۔ جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہمسفر ہوتیں[4]۔ جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے اور صبح کے وقت روانہ ہو جاتے تھے۔ افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے[5]۔ جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدمِ مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھتے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا	پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور
لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۝ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا	کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا حالانکہ ہم خود اس
لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝[6]	کو مطیع نہ کر سکتے تھے اور ہم اپنے خدا کی
(الزخرف: ۱۳-۱۴)	طرف پلٹنے والے ہیں۔

---

[1] بخاری ج اوّل باب اذا رای امام رجلاً جاء و ہو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین۔ [2] زاد المعاد ج اوّل فصل فی ہدیہ فی خطبہ۔ [3] بخاری ج اوّل باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظۃ۔ [4] بخاری ج دوم باب حدیث الافک کتاب المغازی۔ [5] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای یوم یستحب السفر باب فی الابتکار فی السفر۔ [6] ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ سوار ہو جانے کے بعد تین تین بار تکبیر و تحمید کرتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے: سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (ابوداؤد کتاب الجہاد، باب مایقول الرجل اذا رکب۔)

پھر یہ دُعا کرتے :۔

اللّٰھم انا نسئلك فی سفرنا ھذا البر	خداوندا! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی، پرہیز
والتقوٰی ومن العمل ما ترضی اللّٰھم	گاری اور عملِ پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں۔
ھوّن علینا سفرنا واطوعنا بعدہ	خداوندا! ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت
اللّٰھم انت الصاحب فی السفر و	کو طے کردے۔ خداوندا! سفر میں تو رفیق ہے بال بچوں
الخلیفۃ فی الاھل اللّٰھم انی اعوذ	کے لئے تو ہمارا قائم مقام ہے۔ خداوندا! میں سفر
بك من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب	اور واپسی کے آلام، مصائب اور گھر بار کے مناظر
وسوء المنظر فی الاھل والمال	قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

جب واپس ہوتے تو اس میں اس قدر اضافہ کردیتے "ائبون تائبون، عابدون لربنا حامدون۔ راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترنم ریز تسبیح ہوتے۔ صحابہؓ بھی آپؐ کے ہم آواز ہوکر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دُعا فرماتے[1]:

یا ارض ربی وربك اللّٰہ اعوذ باللّٰہ	اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے۔ میں تیری
من شرك وشر ما فیك وشر ما خلق	برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے
فیك وشر ما یدب علیك واعوذ	اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی
بك من اسد واسود ومن الحیۃ	ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی
والعقرب ومن ساکنی البلد ومن	ہے پناہ مانگتا ہوں۔ خداوندا! تجھ سے شیر سانپ

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا سافر۔

والد وما ولد[1]

بچھوا اور اس گاؤں کے رہنے والوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دُعا پڑھتے:

اللّٰھم ربّ السّمٰوات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الرّیاح وما ذرین اسئلك خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا واعوذبك من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا[2]

خداوندا! اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ فگن ہیں اے ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں۔ اے شیاطین اور ان تمام نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں۔ اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں۔ میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

مدینہ پہنچے تو پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے[3] پھر مکان کے اندر تشریف لے جاتے۔ تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں تاکہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلیں[4]۔

معمولاتِ جہاد

جہاد میں معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے رفقاء کے

---

[1] زاد المعاد فصل فی ہدیہ فی السفر۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا نزل المنزل۔ [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی اعطاء البشیر۔ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق۔

کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے۔ پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے:

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا	خدا کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو۔
من کفر باللہ اغزوا ولا تغلوا ولا	خیانت اور بد عہدی نہ کرنا۔ مُردوں کے ناک
تعذروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا	کان نہ کاٹنا۔ بچوں کو قتل نہ کرنا۔

اس کے بعد شرائطِ جہاد کی تلقین کرتے۔[1]

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے:

استودع اللہ دینکم وامانتکم و	میں تمہارے قرض کو، امانت کو اور تمہارے
خواتیم اعمالکم[2]	اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے۔ صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے۔[3] اگر صبح کے وقت حملہ کرنے اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے۔[4] جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو اقامتِ عدل و انصاف کے لئے وہاں تین دن قیام فرماتے۔[5] جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدۂ شکر ادا بجالاتے۔[6]

جب میدان جہاد میں شریکِ کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

اللّٰھم انت عضدی ونصیری بک	خداوندا تو میرا دست و بازو ہے تو میرا
احول وبک اصول وبک اقاتل[7]	مددگار ہے تیرے سہارے پر میں مدافعت
	کرتا ہوں، حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامام الامر علی البعوث ووصیتہ ایاہم بآداب الغزو وغیرہ۔ [2] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الدعاء عند الوداع۔ [3] صحیح بخاری کتاب المغازی ذکر غزوۂ خیبر۔ [4] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی ای وقت یستحب اللقاء۔ [5] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عند الظہور علی العدو بارضہم۔ [6] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔ [7] ابو داؤد کتاب الجہاد باب مایدعی عند اللقاء۔

معمولات عیادت و عزا

بیماریوں کی عیادت و غمخواری آپؐ ضرور فرماتے تھے اور صحابہؓ کو ارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے[1]۔ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا تو صحابہؓ آپؐ کو اس کی اطلاع دیتے۔ آپؐ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے۔ اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ دم واپسیں کے انتظار میں آپؐ کو اس قدر دیر ہوجاتی کہ آپؐ کو تکلیف ہونے لگتی۔ صحابہؓ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب ان کا یہ معمول ہوگیا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو آپؐ کو اس کی موت کی خبر دیتے۔ آپؐ اُس کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ اس کے لئے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے۔ اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے۔ لیکن صحابہؓ کو آخر آپؐ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی اس لئے خود جنازہ آپؐ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہوگیا[2]۔

عیادت کے لئے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسکین دیتے۔ پیشانی اور نبض[3] پر ہاتھ رکھتے۔ اس کی صحت کے لئے دعا فرماتے[4] اور کہتے انشاء اللہ طہور (خدا نے چاہا تو خیریت ہے)، کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے۔ ایک بار ایک اعرابی مدینہ میں آکر بیمار پڑ گیا آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلماتِ تسکین ادا فرمائے۔ اس نے کہا "تم نے خیریت کہا، شدید تپ ہے جو قبر ہی میں ملا کر چھوڑے گی"۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں اب یہی ہوگا"[5]۔

معمولاتِ ملاقات

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے کوئی شخص اگر جھک کر آپؐ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک کہ وہ خود منہ نہ ہٹالے۔ مصافحہ میں بھی

---

[1] صحیح بخاری، باب وجوب عیادۃ المریض۔ [2] مسند ابن حنبل جلد سوم۔ [3] صحیح بخاری، باب وضع الید علی المریض۔ [4] صحیح بخاری، باب دعاء العائد للمریض۔ [5] صحیح بخاری، باب عیادت الاعراب)

یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے مجلس میں بیٹھتے تو آپؐ کے زانو کبھی ہمنشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔[1]

جو شخص حاضر ہونا چاہتا دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے السلام علیکم کہتا پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ (خود بھی آپؐ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا تو آپؐ اس کو واپس کر دیتے۔ ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ "جا کر اُن کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو" یعنی پہلے سلام کرے تب اجازت مانگے۔

ایک دفعہ صفوان بن اُمیہ نے جو قریش کے رئیسِ اعظم تھے، آنحضرتؐ کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ دودھ، ہرن کا بچہ اور بکریاں بھیجیں۔ کلدہ یونہی بے اجازت چلے آئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ"۔[2]

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی۔ آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ بولے میں۔ آپؐ نے فرمایا "میں میں"۔ یعنی یہ کیا طریقہ ہے نام بتانا چاہیئے۔

جب آپؐ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیکم کہہ کر اذن طلب فرماتے۔ (راوی کا بیان ہے کہ آپؐ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحبِ خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرتؐ حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ حضرت سعدؓ نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرتؐ نے نہیں سنا۔ حضرت سعدؓ کے فرزند قیس بن سعدؓ نے کہا کہ آپؐ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟ حضرت سعدؓ نے

---

[1] ابو داؤد، ترمذی۔ [2] یہ دونوں روایتیں ابو داؤد جلد دوم میں ہیں۔

کہا چپ رہو رسول اللہؐ بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لئے برکت کا سبب ہوگا۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور حضرت سعدؓ نے پھر اسی طرح جواب دیا۔ آنحضرتؐ نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپؐ واپس چلے۔ حضرت سعدؓ نے آپؐ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپؐ کا سلام سن رہا تھا۔ لیکن آہستہ جواب دیتا تھا کہ آپؐ بار بار سلام فرما دیں۔[1]

کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے۔ ایک بار آپؐ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپؐ کے بیٹھنے کے لئے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا۔ لیکن آپؐ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا آنحضرتؐ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے درمیان آگیا۔[2]

معمولاتِ عامہ

تیمن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپؐ کو محبوب تھا۔ جوتا پہلے داہنے پاؤں میں پہنتے۔ مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھتے۔ مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے۔ اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے۔

---

[1] (ابوداؤد کتاب الادب۔ [2] ادب المفرد)

مجالسِ نبویؐ

دربارِ نبوّت

شہنشاہِ کونینؐ کا دربار نقیب و چاؤش اور خیل و حشم کا دربار نہ تھا۔ دروازہ پر دربان بھی نہیں ہوتے تھے۔ تاہم نبوّت کے جلال سے ہر شخص پیکرِ تصویر نظر آتا تھا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ اُن کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں یعنی کوئی شخص ذرا بھی جنبش نہیں کرتا تھا۔ گفتگو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا۔ لیکن یہ امتیازِ مراتب نسب و نام یا دولت و مال کی بنا پر نہیں بلکہ فضل و استحقاق کی بنا پر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے آپؐ اہلِ حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور اُن کی معروضات سُن کر ان کی حاجت برآری فرماتے۔

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے۔ خود بھی آپؐ مودب ہو کر بیٹھتے۔ جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا۔ کوئی شخص بولتا تو جب تک وہ چپ نہ ہو جائے دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا۔ اہلِ حاجت عرضِ مدّعا میں ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپؐ کمالِ حلم کے ساتھ برداشت فرماتے۔

آپؐ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے۔ جو بات ناپسند ہوتی اُس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے۔ کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپؐ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپؐ بھی اس میں شامل ہو جاتے۔ ہنسی اور مہذّب ظرافت میں بھی شریک ہوتے۔ خود بھی مذاقیہ باتیں فرماتے۔ کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آجاتا تو حسبِ مرتبہ اسکی تعظیم فرماتے اور فرماتے اکرموا کریم کل قوم۔ مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے؟

یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔

ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آجاتا تھا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤسا اور امراء جب دربار جماتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے۔ آپؐ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ "جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈھنی چاہیئے"[1] البتہ جوشِ محبت میں آپؐ کسی کسی کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؓ جب کبھی آجاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چومتے۔ (حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے لئے بھی آپؐ نے اُٹھ کر چادر بچھا دی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپؐ کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لئے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور اُن کو اپنے سامنے بٹھایا[2])

ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی۔ کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہ آنے پاتا کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے۔ جب کوئی شخص اچھی بات کہتا تو آپؐ تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اس کو مطلع فرما دیتے[3]۔

ایک دفعہ دو شخص مجلسِ اقدس میں حاضر تھے۔ ان میں ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا۔ معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن انہوں نے اسلامی شعار کے موافق الحمدللہ نہیں کہا۔ دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا۔ آنحضرتؐ نے حسبِ معمول یرحمک اللہ کہا۔ معزز صاحب نے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "انہوں نے خدا کو یاد کیا تو میں نے بھی کیا۔ تم نے خدا کو بھلا دیا تو میں نے بھی تم کو بھلا دیا"[4]۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب قیام الرجل۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب بر الوالدین [3] یہ تمام تفصیل شمائل ترمذی کی دو مفصل روایتوں سے ماخوذ ہے جن میں آنحضرتؐ کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔ [4] ادب المفرد امام بخاری۔

صحابہؓ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپؐ تک نہ پہونچائیں۔ آپؐ فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے صاف جاؤں۔[1]

مجالسِ ارشاد

آنحضرتؐ کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، جلوت، خلوت نشست برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا۔ تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے۔ اس بنا پر آپؐ نے تعلیم و ارشاد کے لئے بعض اوقات خاص کر دیئے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفادہ منظور ہو وہ آسکیں۔

یہ صحبتیں عموماً مسجد نبویؐ میں منعقد ہوتی تھیں۔ مسجدِ نبویؐ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ کبھی آپؐ وہاں نشست فرماتے۔ ابتداءً آنحضرتؐ کی نشست کے لئے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی۔ باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپؐ کے پہچاننے میں دقت ہوتی۔ صحابہؓ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا۔ آپؐ اس پر تشریف رکھتے۔ باقی دونوں طرف صحابہؓ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔[2]

آدابِ مجلس

ان مجالس میں آنے والوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے۔

خُلقِ نبویؐ کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے۔ آپؐ پیغمبرِ خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں۔ صحابہؓ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں۔ ایک شخص آتا ہے اور اس کو آنحضرتؐ میں اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔ لوگوں سے پوچھتا ہے

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب [2] اضافہ تا ص ۔ [3] ابو داؤد باب القدر۔

"محمدؐ کون ہے"؟ صحابہؓ بتاتے ہیں کہ "یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں" وہ کہتا ہے "اے ابنِ عبدالمطلبؐ! میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا۔ خفا نہ ہونا" آپؐ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں[1]۔

باایں ہمہ سادگی و تواضع یہ مجالس رعب و وقار اور آدابِ نبوّت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں۔ آنحضرتؐ کی تعلیمات و تلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا۔ اس کے علاوہ اور باتیں منصبِ نبوّت سے خارج تھیں۔ لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے۔ مثلاً یارسول اللہؐ! میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے، وہ کہاں ہے؟ آپؐ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کئے گئے تو آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو میں سب کا جواب دونگا" حضرت عمرؓ نے آپؐ کے چہرہ کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا رضینا[2] الخ

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا۔ ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپؐ نے اسکی طرف تعجب سے دیکھا۔ اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔ بعض اوقات آپؐ گفتگو کرتے ہوتے اور کوئی صحرانشین بدو جو آدابِ مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعۃً آجاتا اور عین سلسلۂ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا۔ آپؐ سلسلۂ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے۔ ایک دفعہ آپؐ تقریر فرما رہے تھے۔ ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپؐ تقریر کرتے رہے۔ حاضرین سمجھے کہ آپؐ نے نہیں سنا کسی نے کہا "سنا"۔ لیکن آپؐ کو ناگوار ہوا۔ آپؐ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ "پوچھنے والا کہاں ہے"؟

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل: کتاب الایمان [2] صحیح بخاری کتاب العلم۔

بدّو نے کہا "میں یہ حاضر ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا "جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے"۔ بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی؟ فرمایا "جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا"[1]

اوقاتِ مجلس

اس قسم کی مجالس کے لئے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا۔ نمازِ فجر کے بعد آپؐ بیٹھ جاتے اور فیوضِ روحانی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپؐ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی۔ چنانچہ حضرت کعب بن مالکؓ پر جب غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ ان ہی مجالس میں آکر آنحضرتؐ کی خوشنودیٔ مزاج کا پتہ لگاتے۔ خود اُن کے الفاظ یہ ہیں:۔

وأتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا
فاسلم علیہ وھو فی مجلسہ بعد	تھا اور آپؐ بعد نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو
الصلوٰۃ فاقول فی نفسی ھل حرك	میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپؐ نے جوابِ
شفتیہ بردّ السلام ام لا[2]	سلام میں اپنے لب ہلائے یا نہیں۔

صبح کی مجلسوں میں کبھی کبھی آپؐ وعظ فرماتے۔ ترمذی اور ابوداؤد میں عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے:۔

وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی
سلم یوما بعد صلوٰۃ الغداۃ موعظۃ	نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کہا جس سے آنکھیں
بلیغۃ ذرفت منہا العیون ووجلت	اشک ریز ہوگئیں اور دل کانپ اٹھے۔
منہا القلوب[3]	

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم۔ [2] صحیح بخاری جلد دوم۔ حدیث کعب بن مالکؓ۔ [3] ترمذی۔

لیکن ان اوقات کے علاوہ آپؐ خاص طور پر حقائق و معارف کے اظہار کے لئے مجالس منعقد فرماتے تھے۔ یہی مجالس ہیں جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں :۔

کان یوماً بارزاً للناس[1]	آنحضرتؐ ایک دن عام طور پر لوگوں کے لئے باہر نکلتے تھے۔

چونکہ افادۂ عام ہوتا تھا اس لئے آپؐ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے۔ اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آکر واپس چلے جاتے ان پر آپؐ نہایت ناراض ہوتے تھے۔ آپؐ ایک مرتبہ صحابہؓ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے۔ ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی، وہیں بیٹھ گئے۔ دوسرے صاحب کو درمیان میں موقع نہیں ملا اس لئے سب کے پیچھے بیٹھے۔ لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے۔ آنحضرتؐ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی۔ خدا نے اس کو بھی پناہ دی۔ ایک نے حیا کی۔ خدا بھی اس سے شرمایا۔ ایک نے خدا سے منھ پھیرا۔ خدا نے اس سے بھی منھ پھیر لیا۔[2]

پند و نصائح کتنے ہی مؤثر طریقہ سے بیان کئے جائیں لیکن ہمیشہ سُنتے سُنتے آدمی اُکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر آنحضرتؐ وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دیکر منعقد فرماتے تھے۔ بخاری میں حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے :۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحولنا بالموعظۃ فی الایام کراھۃ السامۃ علینا	آنحضرتؐ ہم لوگوں کو ناغہ دیکر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اُکتا نہ جائیں۔

عورتوں کیلئے مخصوص مجالس

ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا۔ اس بنا

---

[1] سنن ابنِ ماجہ [2] صحیح بخاری جلد اوّل کتاب العلم۔

پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لئے خاص دن مقرر فرمایا جائے۔ آنحضرتؐ نے یہ درخواست منظور کی اور اُن کے وعظ وارشاد کے لئے ایک خاص دن مقرر ہوگیا۔[1]

اگرچہ مسائلِ شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں جو خاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے تھے۔ تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلسِ عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا سے آپؐ کو ناگوار ہوتا۔

اس قسم کے پردے کی بات مرد بھی مجمع عام میں پوچھتے تو آپؐ کو تکدر ہوتا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے (جن کا نام عاصمؓ تھا) مجلسِ عام میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرتؐ کو ناگوار ہوا اور آپؐ نے ان کو ملامت کی۔[2]

طریقۂ ارشاد

کبھی کبھی آپؐ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے۔ اس سے لوگوں کی جودتِ فکر اور اصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے پوچھا "وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے"۔ لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا۔ میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن میں کمسن تھا اس لئے جرأت نہ کرسکا۔ بالآخر لوگوں نے عرض کی کہ حضورؐ بتائیں۔ ارشاد فرمایا "کھجور"۔ حضرت ابن عمرؓ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کرکے اپنا خیال ظاہر کردیا ہوتا۔[3]

ایک روز آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہؓ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہو رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا دونوں عمل خیر کر رہے

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم [2] صحیح بخاری کتاب العلم۔ [3] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء۔

ہیں لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلّم بنا کر مبعوث کیا ہے۔ یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔[1]

ان مجالس میں دقیق مباحث کو جن کی تہ تک عوام نہیں پہنچ سکتے، ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک روز صحابہؓ کی مجلس میں مسئلۂ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی۔ آپؐ نے سنا تو حجرہ سے نکل آئے۔ آپؐ کا چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا گویا عارضِ مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیئے ہیں۔ آپؐ نے صحابہؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "کیا تم اس لئے پیدا کئے گئے ہو؟ قرآن کو باہم ٹکراتے ہو۔ گذشتہ امتیں ان ہی باتوں سے برباد ہوئیں۔"[2]

ان مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہؓ جن مسائل میں باہم اختلاف کرتے، آنحضرتؐ ان کا صحیح فیصلہ کر دیتے۔ مثلاً شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوصِ عمل کے منافی سمجھی جاتی ہے اور خود صحابہؓ کے زمانہ میں بھی سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی مجلس میں دو شخصوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی۔ ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور ایک شخص نے فخریہ یہ کہہ کر نیزہ مارا کہ میرا دار لینا میں غفاری جوان ہوں تو اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا "میری رائے میں کچھ ثواب نہ ملے گا۔" تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سن کر کہا "میرے نزدیک اس میں کوئی ہرج نہیں" اس پر دونوں میں اختلاف ہوا۔ آنحضرتؐ نے ان کی گفتگو سنی تو فرمایا "ثواب اور شہرت دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔"[3]

عام خیال یہ تھا کہ قوائے عملیہ کے بیکار کر دینے کا نام تقدیر ہے۔ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہو گا اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہیں سکتی لیکن آنحضرتؐ نے ایک مجلس میں جو اتفاقاً منعقد ہو گئی تھی اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہیں۔ انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی اس کا نوشتۂ تقدیر ہیں اس لئے توکل قوتِ عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہیں۔ چنانچہ صحابہؓ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ آنحضرتؐ تشریف لائے اور صحابہؓ جمع ہو گئے۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے زمین کریدنے

---

[1] سنن ابن ماجہ باب القدر۔ [2] سنن ابن ماجہ باب القدر۔ [3] ابو داؤد جلد دوم۔

لگے۔ پھر فرمایا "تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی جگہ جنت یا دوزخ نہ لکھی جا چکی ہو"۔ ایک شخص نے کہا تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں۔ جو شخص سعادتمند ہوگا وہ خود بخود سعادتمندوں میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص بدبخت ہوگا وہ بدبختوں سے جا ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا سعادتمند وہ لوگ ہیں جن کو سعادتمندوں کے عمل کی توفیق دیجاتی ہے اور بدبخت وہ ہیں جن کے لئے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں[1]۔

مجالس میں شگفتہ مزاجی

باوجود اس کے کہ ان مجالس میں صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق، اور تزکیۂ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے کان الطیر فوق رؤسہم، تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں۔ ایک دن آپؐ نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی۔ خدا نے کہا کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی ہے؟ اس نے کہا "ہاں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیار ہو جائے"۔ چنانچہ اس نے بیج ڈالے۔ فوراً دانہ اُگا، بڑھا اور کاٹنے کے قابل ہو گیا۔ ایک بدو بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی، جو زراعت پیشہ ہیں۔ لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہیں۔ آپؐ ہنس پڑے[2]۔

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں تباہ ہو گیا۔ ارشاد ہوا "کیوں"؟ بولے "میں نے رمضان میں بیوی سے ہمبستری کی"۔ آپؐ نے فرمایا "ایک غلام آزاد کرو"۔ بولے "غریب ہوں۔ غلام کہاں سے لاؤں"۔ ارشاد ہوا "دو مہینے کے روزے رکھو"۔ بولے

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم تفسیر وکذب بالحسنیٰ [2] صحیح بخاری جلد دوم باب کلام الرب مع اہل الجنۃ۔

"یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا" فرمایا "ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ" بولے "اتنا مقدور نہیں" اتفاق سے زنبیل بھر کر کھجوریں آگئیں۔ آپؐ نے فرمایا "تو غریبوں کو خیرات کر آؤ" عرض کی "اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو پیغمبر بنایا، سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں" آپؐ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا "اچھا تم خود ہی کھالو"[1]

فیضِ صحبت

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ ہم جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں، تو حالت بدل جاتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے[2]

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ خدمتِ اقدس میں آئے اور کہا "یا رسول اللہؐ! میں منافق ہوگیا۔ میں جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپؐ دوزخ و جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ لیکن بال بچوں میں آکر سب بھول جاتا ہوں" ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے[3]

---

[1] صحیح بخاری باب نفقۃ المعسر علی اہلہ۔ [2] ترمذی شریف باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ ونعیمہا۔ امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قوی نہیں۔ [3] ترمذی ابواب الزہد و صحیح مسلم کتاب التوبہ۔

خطابتِ نبویؐ

خطابت[1] اور تقریر نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے۔ اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تو ان کو یہ دعا مانگنا پڑی:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝	خداوندا میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

(طٰہٰ: ۲۷-۲۸)

لیکن سید الانبیاءؐ کو خود بارگاہِ الٰہی سے یہ وصفِ کامل عطا کیا گیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا:

انا افصح العرب	میں فصیح ترینِ عرب ہوں۔
بعثت بجوامع الکلم	میں کلماتِ جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ قریش اور بنو ہوازن۔ قریش خود آنحضرتؐ کا قبیلہ تھا اور بنو ہوازن کے قبیلہ میں آپؐ نے پرورش پائی تھی۔ اس لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

انا اعربکم انا من قریش ولسانی	میں تم میں فصیح تر ہوں۔ قریشی ہوں اور

---

[1] اضافہ تا ختم باب۔

لسان بنی سعد[1] بن بکر — میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔[2]

طرزِ بیان

آنحضرتؐ نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے۔ آپؐ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لئے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپؐ کے ساتھ چاؤش ہوتے تھے نہ آپؐ خطباء کا لباس پہنتے تھے۔ ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔[3] ابنِ ماجہ میں ہے کہ مسجد میں جب آپؐ خطبہ دیتے تو دستِ مبارک میں عصا ہوتا تھا اور میدانِ جنگ میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے۔

جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جب ضرورت پیش آتی آپؐ فی البدیہ خطبہ کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے، خطبہ دیا ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپؐ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا، تاہم آپؐ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے۔

عام نصائح اور پند کی باتیں گو آپؐ اخباری فقروں میں بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر مؤثر بنانا ہوتا تھا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع فرماتے تھے۔ غزوہ حُنین میں آپؐ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اوّل سے آخر تک سوال و جواب ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات میں جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ جوشِ بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سُرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی، غصہ بڑھ جاتا تھا مٹھیاں بھنچ جاتی تھیں، گویا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کسی فوج کو جنگ کے لئے ابھار رہے ہیں۔[4] جوشِ بیان میں جسدِ مبارک جھوم جھوم جاتا تھا، ہاتھوں کو حرکت دینے سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔[5] کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے کبھی کھول

---

[1] طبقات ابن سعد۔ [2] بنو سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے۔ [3] ابو داؤد: کتاب الصلوٰۃ، ابواب الجمعۃ والخطبۃ علی قوس۔

[4] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ ج اوّل۔ [5] ابنِ ماجہ ذکر المبعث۔ [6] مسند ابن حنبل ج ششم۔

دیتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس قسم کی پُرجوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرتؐ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا فرما رہے
علی المنبر یقول یاخذ الجبار سمٰوٰته	تھے کہ خداوند صاحبِ جبروت آسمان و زمین
وارضه بیدہ وقبض یدہ فجعل	کو اپنے ہاتھ میں لے گا۔ یہ بیان کرتے
یقبضها ویبسطها..... ویتمایل رسول	ہوئے آپؐ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن یمینه	تھے... آپؐ کا جسم مبارک کبھی دائیں کبھی بائیں
وعن شمالہ حتی نظرت الی المنبر	جھکتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا
یتحرك من اسفل شیء منه حتی انی	تو اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر
لاقول اساقط هو برسول اللہ صلی	ہل رہا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ آپؐ کو
اللہ علیہ وسلم	لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔

(ابن ماجۃ ذکر المبعث)

خطبات کی نوعیت

احادیث کی کتابوں میں آنحضرتؐ کے خطبات اور ان کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کر دیے گئے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کی مختلف حیثیتیں تھیں اور اس کا اثر آپؐ کے طرزِ بیان پر پڑتا تھا۔ آپؐ داعیٔ مذہب تھے، فاتح تھے، واعظ تھے، امیر الجیش تھے، قاضی تھے، پیغمبر تھے۔ اِس اختلافِ حیثیت نے آپؐ کی خطابت اور زورِ بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے اور بلاغت کا اقتضا بھی یہی ہے۔ آپؐ بحیثیت داعیٔ مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اُس وقت آپؐ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی۔ چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ اپنے اقربا کو ڈراؤ۔

(الشعرآء: ۲۱۴)

تو آپؐ نے تمام قریش کو جمع کر کے ایک خطبہ دینا چاہا۔ ابولہب کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو پورا نہیں ہونے دیا تاہم آپؐ کی زبان سے اس واقعہ پر جو چند جملے نکل گئے اس سے آپؐ کے زورِ بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے صفا پر چڑھ کر پہلے پکارا "یا صباحاہ"۔ یہ وہ لفظ ہے جو عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی پر دفعۃً غارت گری کے لئے ٹوٹ پڑتا ہے۔ تمام لوگ یہ لفظ سن کر چونک اٹھے اور آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا:

ارءیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من سفح ھذا الجبل اکنتم مصدقیّ؟

بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

سب نے جواب دیا "اب تک آپؐ کی نسبت ہم کو کسی قسم کی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں ہوا ہے"۔ جب آپؐ نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا:

انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید

میں تمہیں ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا "کیا ہم سبھوں کو اسی لئے جمع کیا تھا؟" یہ کہہ کر چل کھڑا ہوا۔[1]

غزوۂ حنین میں آپؐ نے تمام مالِ غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دیدیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوانوں کو یہ نہایت ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا "خدا پیغمبرؐ کی مغفرت کرے۔ قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ ہماری تلوار سے خون ٹپک رہا ہے"۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم تفسیر سورۂ تبت۔

ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی۔ لوگوں نے کہا "چند نوجوانوں نے یہ کہا ہے لیکن ہم میں جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہیں انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا"۔ اب آپؐ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا:

یامعشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔	اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو مجتمع کر دیا۔ تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے "خدا اور اس کا رسول بہت امین ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ "اے محمدؐ! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے ہم نے تمہاری تصدیق کی۔ تمہارا کوئی مددگار نہ تھا ہم نے تمہاری مدد کی۔ تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہم نے تم کو گھر دیا۔ تم محتاج تھے ہم نے تمہاری غمخواری کی"۔ اس کے بعد آپؐ نے اصل اعتراض کا جواب دیا:

اترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وتذھبون بالنبی الی حالکم فواللہ ما تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون	کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کے جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ۔ خدا کی قسم تم لوگ جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس کو تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔

اس پر تمام انصار پکار اٹھے رضینا یعنی ہم سب راضی ہیں[1]۔

اس خطبہ کے وجوہِ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

فاتحانہ حیثیت سے آپؐ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین۔

احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا۔ حرم ایک دارالامان تھا جس میں کبھی خونریزی نہیں ہوسکتی تھی۔ فتح مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامن عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا اس لئے خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے۔ آنحضرتؐ کو ان ہی دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے بہ ترتیب ان ہی کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے آپؐ نے صحابہؓ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا:

ان اللہ حرم مکۃ یوم خلق السموٰت والارض فھی حرام بحرام اللہ الی یوم القیمۃ لم تحل لاحد قبلی ولا تحل لاحد بعدی ولم تحلل لی قطّ الا ساعۃ من الدھر لا ینفر صیدھا ولا یعضد شوکھا ولا یختلی خلاھا ولا تحل لقطتھا الا لمنشد	خدا نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام کر دیا پس وہ بحرمتِ خدا حرام ہے۔ وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال ہوا اور نہ میرے بعد حلال ہوگا اور میرے لئے بھی بجز چند گھنٹوں کے ہرگز حلال نہیں ہوا نہ اسکے شکاروں کو بدکایا جاسکتا، نہ اس کا کانٹا کاٹا جاسکتا، نہ اس کی گھاس کاٹی جاسکتی، نہ اس کی گمشدہ چیز حلال ہوسکتی ہے بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈھ رہا ہے۔

آنحضرتؐ کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہے جو آپؐ نے حجۃ الوداع میں دیا تھا۔ یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہے جس کو قدرۃً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیئے۔ تاہم سلاست روانی اور شستگی الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبوں سے کم نہیں۔ آپؐ نے حمد و نعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی:

ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا	لوگو! سنو! کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہے لیکن اس تفصیل اور اس پیرایۂ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زور دار بنا دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان و مال، سب مسلمانوں پر حرام ہے۔ اس مطلب کو اس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے:

اتدرون ای یوم ھذا قالوا اللہ ورسولہ	کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے
اعلم قال فان ھذا یوم حرام افتدرون	کہا خدا اور رسولؐ کو اس کا علم ہے آپؐ نے فرمایا
ای بلد ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم	یہ یوم الحرام ہے کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟
قال بلد حرام قال اتدرون ای شہر	لوگوں نے کہا خدا اور رسولؐ کو اس کا علم ہے۔ آپؐ
ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال	نے کہا بلد الحرام ہے۔ کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے!
شہر حرام	لوگوں نے کہا خدا اور رسولؐ کو اس کا علم ہے آپؐ نے
	فرمایا شہرِ حرام ہے۔

اس طرح جب لوگوں کے دل میں اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا تو آپؐ نے اصل مقصود کو بیان کیا:

ان اللہ حرم علیکم دماءکم واموالکم	خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو
واعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا فی	تم پر اس مہینہ میں، اس شہر میں اس دن کی
شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا۔ لا ترجعوا	حرمت کی طرح حرام کئے میرے بعد کافر نہ ہو جانا
بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب	کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن
بعض	مارے۔

آپؐ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی ہے:

ان ربکم واحد وان اباکم واحد	تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم

كلكم من آدم وآدم من تراب۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے۔ خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

عرب کا عام ذریعۂ معاش غارتگری تھی۔ لیکن شہرِ حرام کے چار مہینے تک وہ لوگ بیکار نہیں رہ سکتے تھے اس لئے ان مہینوں کو ادل بدل کیا کرتے تھے جس کو نسیٔ کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی ممانعت کی:

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ (التوبہ: ۳۷)

نسیٔ کفر میں اضافہ کرتی ہے۔

آپؐ نے اپنے خطبہ میں اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

ان الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق الله السموٰت والارض

زمانہ ہر پھر کے پھر اسی مرکز پر آگیا جیسا کہ اس دن تھا جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔

ان حیثیتوں کے علاوہ آپؐ کی حیثیت ایک معلّم اور واعظ کی تھی۔ آپؐ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں وہ اگرچہ نہایت سادہ ہیں تاہم ان میں بھی مجموعی بلاغت کا اسلوب موجود ہے۔ ایک اخلاقی وعظ کے لئے پیچدار ترکیب، شاندار الفاظ اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں وہ تمام تر اسی قسم کے ہیں۔ مدینہ آکر سب سے پہلا فقرہ جو زبانِ مبارک سے نکلا یہ تھا:

يا أيها الناس افشوا السلام، و اطعموا الطعام وصلوا والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام۔

لوگو! اسلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو جب اور لوگ سوتے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

مدینہ میں جو سب سے پہلا جمعہ آپؐ نے پڑھا ہے ابنِ اسحاق کی روایت کے مطابق حمدؐ ثنا

کے بعد اس میں آپؐ نے یہ خطبہ دیا تھا :

اما بعد ایھا الناس فقدّموا لانفسکم
تعلمنّ واللہ لیصعقن احدکم ثمّ
لیدعنّ غنمہ لیس لھا راع ثم لیقولن
لہ ربّہ لیس لہ ترجمان ولا حاجب
یحجبہ دونہ الم یأتک رسولی
فبلغک و أتیتک مالا فافضلت
علیک فما قدمت لنفسک فلینظرن
یمینا و شمالا فلا یری شیئا ثم
لینظرن قدّامہ فلا یری غیر جھنم
فمن استطاع ان یتقی بوجھہ من
النّار ولو بشق من تمرۃ فلیفعل و
من لم یجد فبکلمۃ طیبۃ فانّھا
تجزی الحسنۃ بعشر امثالھا الی
سبعمائۃ ضعف والسلام علیکم
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! اپنے لئے پہلے سے سامان کرو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی قسم تم میں سے ایک جب اپنے ہوش و حواس کھو چکے گا اور اپنی بکریوں (مال و دولت) کو چھوڑ جائے گا جن کا کوئی نگہبان نہ ہوگا۔ پھر خدا اس کے لئے بیچ میں نہ کوئی ترجمان ہے، نہ دربان ہے جو روکے گا اس سے کہے گا کہ کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا اور میرا پیغام نہیں پہنچایا اور میں نے تجھ کو دولت نہیں دی اور حاجت سے زیادہ عطا نہیں کیا تو تو نے اپنے لئے پہلے سے کیا سامان کیا۔ اس وقت وہ بندہ دائیں بائیں دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ بس جس کو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے گو چھوہارے کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی سے کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گونہ بلکہ ہفت صد گنا دیا جائے گا تم پر خدا کی سلامتی اور اسکی رحمت و برکت نازل ہو۔

اس کے بعد دوسری دفعہ آپؐ نے فرمایا:

الحمد للہ احمدہ واستعینہ ونعوذ
باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات
اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضلّ
لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد
ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ
ان احسن الحدیث کتاب اللہ قد
افلح من زینہ اللہ فی قلبہ وادخلہ
فی الاسلام بعد الکفر فاختارہ علی
ما سواہ من احادیث الناس انہ
احسن الحدیث وابلغہ احبّوا ما
احبّ اللہ احبّوا اللہ من کل قلوبکم
ولا تملوا کلام اللہ وذکرہ ولا تقس
عنہ قلوبکم فاعبدوا اللہ ولا
تشرکوا بہ شیئاً واتقوہ حق تقاتہ
وصدقوا اللہ صالح ما تقولون
بافواھکم وتحابّوا بروح اللہ بینکم
ان اللہ یغضب ان ینکث عھدہ والسلام
علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کی حمد ہو۔ میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس کے دامن
میں ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں
سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی
گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ہدایت نہ کرے اس کی
کوئی رہنمائی کرنیوالا نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں
کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہی تنہا ہے کوئی
اس کا شریک نہیں۔ بہترین کلام خدا کی کتاب
ہے۔ کامیاب ہوا وہ جس کے دل کو خدا نے اس سے
آراستہ کیا اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا۔
انسانوں کی باتوں کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا۔
کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے
زیادہ پُراثر ہے۔ جس کو خدا دوست رکھتا ہے تم بھی دوست
رکھو اور خدا کو دل سے پیار کرو اور اس کے کلام اور
ذکر سے کبھی نہ تھکو اور تمہارے دل اس کی طرف سے
سخت نہ ہوں۔ پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس
کا ساجھی نہ بناؤ۔ اور اس سے ڈرو جیسا کہ اس سے
ڈرنے کا حق ہے۔ اور خدا سے سچی بات کہو۔ اور آپس
میں ایک دوسرے کو ذاتِ الٰہی کے واسطہ سے پیار

کرو۔ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی اپنے
عہد کو پورا نہ کرے تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت
اور برکت نازل ہو۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان کیں :

ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام
یخفض القسط ویرفعہ الیہ عمل
اللیل قبل عمل النہار، وعمل النہار
قبل عمل اللیل حجابہ النور
(صحیح مسلم روایۃ اللہ تعالیٰ)

ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایانِ
شان ہے۔ وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے۔ رات
کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور
دن کے اعمال رات سے پہلے۔ خدا کا پردہ
نور ہے۔

جمعہ کے خطبہ میں عموماً زہد و رقاق، حسنِ اخلاق، خوفِ قیامت، عذابِ قبر، توحید و صفاتِ الٰہی بیان کرتے تھے۔ ہفتہ میں کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے متعلق ہدایت فرماتے تھے۔ اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کے بجائے قرآن مجید کے انہی مضامین کی کوئی موثر سورہ ق وغیرہ پڑھ دیا کرتے۔ یہ سورہ آپؐ جمعہ کے خطبہ میں اکثر و بیشتر پڑھا کرتے تھے۔ عید کے خطبہ میں ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ اتفاقی خطبے ضرورت کے موقع پر دیا کرتے تھے اور ان میں مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آفتاب میں گہن لگا اتفاق سے اسی دن آپؐ کے کمسن فرزند حضرت ابراہیمؓ نے وفات پائی تھی۔ مزعومات عرب کے مطابق لوگوں نے کہا کہ یہ گہن اسی لئے لگا ہے۔ آپؐ نے اس موقع پر حسب ذیل خطبہ دیا :

اما بعد یا ایھا الناس انما الشمس و
القمر آیتان من آیات اللہ و انھما

حمد و ثنا کے بعد، لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا
کی دو نشانیاں ہیں۔ وہ کسی کے مرنے سے

لا ینکسفان لموت احد من الناس۔ تاریک نہیں ہوتے۔

ما من شیٔ لم اکن رأیته الا قد جس چیز کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اس کو

رأیته من مقامی هذا حتی الجنة و یہیں دیکھ لیا۔ یہاں تک کہ جنت و دوزخ

النار وانه قد اوحی الی انکم تفتنون کو بھی۔ اور ہاں مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں

فی القبور مثل فتنة الدجال فیؤتی میں آزمائے جاؤ گے جس طرح دجال سے آزمائے جاؤ

احدکم فیقال ما علمك بهذا گے تم میں سے ہر ایک شخص کے پاس ایک پوچھنے والا آئے گا

الرجال فاما المؤمن فیقول هو اور پوچھے گا کہ اس شخص یعنی (خود آنحضرتؐ) کی نسبت کیا جانتے

محمد هو رسول الله جاء بالبینات ہو؟ یقین والے کہیں گے کہ یہ محمدؐ ہیں۔ یہ

والهدی فاجبنا واطعنا اما المرتاب خدا کے رسول ہیں جو نشانیاں اور ہدایتیں

فیقول لا ادری سمعت الناس لے کر آئے تو ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی

یقولون شیئاً فقلت۔ انه اعرض پیروی کی۔ اور متشکک کہیں گے میں نہیں جانتا

علی کل شیٔ تولجونه فعرضت علی لوگوں کو جو کہتے سنا وہ کہہ دیا۔ میرے سامنے

الجنة حتی لو تناولت منها قطفا وہ تمام مقامات پیش ہوئے جن میں تم داخل

اخذته فقصر یدی عنه وعرضت ہو گے میرے سامنے جنت پیش کی گئی تا آنکہ

علی النار فرأیت فیها امرأة تعذب اگر میں چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا لیکن میرے

فی هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم ہاتھ رک گئے۔ دوزخ میرے سامنے رونما کی

ولم تدعها تاکل من حشاش گئی۔ اس میں ایک عورت کو دیکھا جس کو

الارض۔ ورأیت ابا ثمامة عمرو صرف اس لئے سزا دی جا رہی تھی کہ اس نے

ابن مالك یجر قصبه فی النار وانهم ایک بلی کو باندھ رکھا تھا۔ نہ اس کو خود کچھ کھانے

كانوا يقولون ان الشمس والقمر
لا يخسفان الا لموت عظيم وانه
أيتان من أيات الله يريكموهما فاذا
خسفا فصلوا حتى تنجلى

(صحیح مسلم بروایات مختلفہ)

کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری
پڑی کوئی چیز کھائے۔ میں نے دوزخ میں ابوثمامہ
عمرو بن مالک کو دیکھا کہ وہ آگ میں اپنی آنتیں
گھسیٹتا پھرتا ہے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ
آفتاب و ماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت
سے گہن لگتا ہے حالانکہ وہ تو خدا کی دو نشانیاں
ہیں۔ جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لئے کھڑے ہو
جاؤ، تاکہ وہ صاف ہو جائے۔

ردِ بدعت اور اعتصام بالسنۃ میں آپؐ کا یہ مختصر خطبہ تبغیر الفاظ حدیث کی اکثر کتابوں میں منقول ہے:۔

انما هما اثنتان الكلام والهدى
فاحسن الكلام كلام الله فاحسن
الهدى هدى محمد الا واياكم
محدثات الامور فان شر الامور
محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل
بدعة ضلالة - الا لا يطولن عليكم
الامد فيقسوا قلوبكم الا ان ما هو
أت قريب وان البعيد ما ليس بات
الا انما الشقي من شقي في بطن أمه
والسعيد من وعظ بغيره - الا ان

صرف دو باتیں ہیں قول اور عملی طریقہ۔ تو عمدہ کلام
خدا کا کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمدؐ کا طریقہ ہے۔ خبردار
رہو مذہب میں نئی باتوں سے بچو۔ نئی باتیں بدترین چیزیں
ہیں۔ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی
ہے تم کو درازیٔ عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل
سخت ہو جائیں اور جو چیز آنے والی ہے وہ قریب
ہے۔ دور وہ چیز ہے جو آنیوالی نہیں ہے۔
بدبخت اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہوتا
ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت
حاصل کرے۔ خبردار! مسلمان سے لڑنا کفر اور

قتال المؤمن کفر وسبابه فسوق	اس سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے۔ مسلمان
ولایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق	کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے
ثلاث الا وایاکم والکذب	بھائی سے رنجیدہ رہے۔ ہاں خبردار جھوٹ
(ابن ماجہ، باب اجتناب البدع)	سے پرہیز کرنا۔

اثر انگیزی

خطبات نبویؐ تاثیر اور رقت انگیزی میں درحقیقت معجزۂ الٰہی تھے۔ پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سن کر چند لمحوں میں موم ہو جاتے تھے۔ مکہ میں ایک دفعہ آپؐ نے سورۂ والنجم کی آیتیں تلاوت کرکے سنائیں تو یہ اثر ہوا کہ آپؐ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان بڑے بڑے کفار بھی سجدہ[1] میں گر پڑے۔

آنحضرتؐ کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے، یہ سن کر نعوذ باللہ آپؐ کو جنون ہے، بغرضِ علاج آئے۔ آپؐ نے ان کے سامنے مختصر سی تقریر کی۔ انہوں نے کہا محمدؐ ذرا اس کو پھر تو دہرانا۔ غرض آپؐ نے کئی دفعہ تقریر دہرائی تو انہوں نے کہا "میں نے شاعروں کے قصیدے اور کاہنوں کے کلام سنے ہیں۔ لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے"[2]۔

ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کرکے مدینہ آیا۔ آپؐ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی۔ مسجد نبویؐ میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہیں، یعنی

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ	اے لوگو! اُس خدا سے ڈرو جس نے ایک
خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ	ذات سے تم سب کو پیدا کیا۔
(النساء: ۱)	

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ والنجم۔ [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ وقصر الخطبہ۔

پھر سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔

اس کے بعد فرمایا" درہم، کپڑا، غلّہ، بلکہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا جو ہو، راہِ خدا میں دو۔ مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت جیسی تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے۔ لیکن با ایں ہمہ آپؐ کی رقّت انگیز اور مؤثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہو گیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا اس نے سامنے رکھدیا۔ بعضوں نے اپنے کپڑے اتار دیے۔ کسی نے گھر کا غلّہ لاکر دیدیا۔ ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیوں کا ایک توڑا اٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل اُن سے اُٹھ سکتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کے سامنے غلّہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور خوشی سے آپؐ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔[1]

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات میں آپؐ کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کرکے جوشِ محبّت کا دریا بہا دیتے تھے۔ اوس و خزرج کی سالہا سال کی عداوتیں اسی اعجاز کی بدولت مُبدّل بہ محبّت ہو گئیں۔ غزوۂ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپؐ سوار ہو کر نکلے۔ مسلمان اور منافقین یکجا بیٹھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے تو ادب سے سلام کیا لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا۔ یہ چنگاری تھی جس نے خرمن میں آگ لگا دی۔ قریب تھا کہ جنگ و جدل برپا ہو جائے۔ لیکن آپؐ کے چند فقروں نے آگ پر پانی ڈال دیا۔[2]

غزوۂ مصطلق سے واپسی میں ایک واقعہ پر منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت جلد ممکن تھا کہ مہاجرین و انصار باہم دست و گریباں ہو جائیں کہ عین وقت پر آنحضرتؐ کو خبر ہوئی آپؐ تشریف لائے تو اس طرح تقریر فرمائی کہ چند لمحوں میں مہاجرین و انصار[3] پھر شیر و شکر تھے۔ واقعۂ افک

---

[1] صحیح مسلم باب الصدقات۔ [2] صحیح بخاری باب السلام علی مجلس فیہا المسلم والکافر۔ [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ منافقون و ابنِ سعد غزوۂ مذکور۔

میں اوس و خزرج میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبویؐ میں شاید تلواریں نیام سے نکل پڑتیں۔ آپؐ منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے سلسلۂ تقریر جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہریں پھر جاری ہوگئیں۔

غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت کی تقسیم پر جب انصار میں آزردگی پیدا ہوگئی تھی اس وقت آپؐ نے جس بلیغانہ انداز میں تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر سا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے اس قدر روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور دل کا سارا اخبار آپ کوثر کے ان قطروں سے دفعۃً دھل گیا۔[1]

فتحِ مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپؐ نے روسائے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان میں سے وہ لوگ جن کی آنکھوں میں خُلقِ نبویؐ کا جلوہ نہ تھا معترض ہوئے کہ آخر آپؐ کو اپنے وطن و خاندان کی محبت آ ہی گئی۔ آپؐ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے؟ عرض کی ہاں یارسول اللہؐ! فرمایا "وطن و خاندان کی پاسداری میرے پیشِ نظر نہ تھی میں خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں۔ میں نے اللہ کی طرف ہجرت کی اور تمہاری طرف اب میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے"۔ یہ سُن کر انصار پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے۔

وعظ و نصیحت میں جو خطبات آپؐ ارشاد فرماتے تھے وہ بھی اسی قدر مؤثر ہوتے تھے۔ ایک صحابیؓ موقع کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما بعد الصلوٰۃ الغداۃ موعظۃ	صبح کی نماز کے بعد آنحضرتؐ نے ایک دن ایسا مؤثر وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز

---

[1] صحیح بخاری قصۂ افک۔ [2] صحیح مسلم فتحِ مکہ۔

بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب

ہوگئیں اور دل کانپ اٹھا۔

(ترمذی وابوداؤد)

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں :

فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيبا فذكر فتنة القبر التي يفتتن بها المرء فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجة

آنحضرتؐ خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں فتنۂ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جائیگی۔ جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے وَالَّذِیْ نفسِیْ بِیَدِہٖ (قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے) یہ الفاظ آپؐ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی ہوش نہ رہا کہ آپؐ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں[۱]۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپؐ نے خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس قدر موثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا۔ اثنائے تقریر میں آپؐ نے فرمایا "اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ"۔ اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ منہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار[۲] رونے لگے۔

---

[۱] صحیح بخاری باب ماجاء فی عذاب القبر۔ [۲] سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ۔ [۳] صحیح بخاری تفسیر سورۃ مائدہ۔

عباداتِ نبوی ﷺ

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (الم نشرح: ۷-۸)

(اے محمدؐ) جب تم کو فرصت ملے عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اپنے رب سے دل لگاؤ

دنیا[1] میں آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی ایسا پیغمبر نہیں گذرا جس کے متعلق صحیح طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ اُس کا طریقۂ عبادت کیا تھا؟ اُس کے کون کونسے اوقات اِس کے لئے مخصوص تھے؟ اور اُس کی عبادتوں کی نوعیت کیا تھی؟ گذشتہ انبیاءؑ میں حضرت نوح علیہ السلام بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسےٰ علیہ السلام تک جن کے حالات تورات میں مذکور ہیں اُن کی زندگی کا یہ باب صحائفِ بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں کہیں صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دُعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جبکہ ان مذاہب کے پیروؤں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی جن پر دین و شریعت کا دارومدار ہے، وہ محفوظ نہیں رکھ سکے، پیروانِ اسلام کو یہ فخر ہے کہ انہوں نے اوّل سے آخر تک اپنے پیغمبرؐ کے اوقاتِ عبادت، اس کے طریقے، اس کی انواع، اس کی کیفیات غرض اس کی ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے۔

دُعا اور نماز

آنحضرتؐ نبوّت سے پہلے بھی عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور غارِ حرا میں جاکر مہینوں قیام اور[2] مراقبہ کرتے تھے۔ نبوّت کے

---

[1] اضافہ تا ختم باب۔ [2] صحیح بخاری باب بدأ الوحی۔

کے ساتھ ساتھ آپؐ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا۔ لیکن چونکہ کفارِ قریش کا ڈر تھا اس لئے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کا وقت جب آتا کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے۔ ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درّہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے ابوطالب آنکلے۔ انہوں نے دیکھا تو پوچھا "بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟" آپؐ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی[1]۔

چاشت کی نماز آپؐ سب کے سامنے حرم میں ہی ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب[2] میں بھی جائز تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر کر رہے تھے۔ ابوجہل نے کہا "کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھالاتا اور محمدؐ جب سجدے میں جاتے تو وہ ان کی گردن پر ڈال دیتا"۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا[3]۔ نماز میں جب آپؐ جہر سے قرأت فرماتے تو کفار بُرا بھلا کہتے[4]۔

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے بعض اشقیا نے چاہا کہ آپؐ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں[5]۔ ایک دفعہ ایک شقی نے گلے میں پھانسی ڈال دی[6] لیکن باینہمہ مزاحمت لذت شناسِ یادِ الٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔

راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر آپؐ نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اس عبادتِ شبانہ کے متعلق مختلف صحابہؓ سے مختلف روایتیں ہیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ آپؐ رات بھر نماز میں کھڑے رہے۔ اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ کچھ دیر سوتے۔ پھر کچھ دیر اُٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے، پھر سو جاتے۔ پھر اُٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے غرض صبح تک یہی حالت رہتی۔ ابنِ عباسؓ کی روایت کہ آدھی رات کے بعد آپؐ اٹھتے تھے اور تیرہ رکعتیں ادا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت نو رکعت کی ہے۔ محدثین نے ان

---

[1] مسند ابنِ حنبل ج اوّل۔ [2] ابنِ اثیر۔ [3] صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوٰۃ۔ [4] صحیح بخاری تفسیر سورۂ بنی اسرائیل۔ [5] ابنِ ہشام ذکر قبلِ ہجرت۔ [6] صحیح بخاری باب ما لقی النبیؐ بمکۃ۔

سب میں تطبیق دی ہے کہ آپؐ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے۔ ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے[1]۔ عام طور پر آخر میں آپؐ کا طرزِ عمل وہی تھا جو حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبادتِ شبانہ کے عنوان میں گذر چکا ہے۔

فرائضِ پنجگانہ کے علاوہ آپؐ کم از کم سُنن و نوافل کی اڑتالیس رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے۔ دو صبح، چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز (حسبِ روایت حضرت عائشہؓ)، دو مغرب، چھ عشاء، تیرہ تہجد و وتر۔ ان کے علاوہ صلوٰۃ الاوابین، سُنتِ تحیتِ مسجد وغیرہ الگ تھیں۔ تمام سُنن میں سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتوں کے آپؐ سختی سے پابند تھے۔ کسی وقت کی سُنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اس کی قضا پڑھتے۔ حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام اُمّت کے لئے نہیں۔ ایسا واقعہ حضرؐ میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے۔ ظہر و عصر کے درمیان ایک دفد خدمتِ اقدس میں باریاب ہوا جس کی وجہ سے آپؐ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ نمازِ عصر کے بعد آپؐ نے بعض ازواجِ مطہراتؓ کے حجروں میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی اس لئے ازواج مطہراتؓ نے استفسار کیا۔ آپؐ نے واقعہ بیان فرمایا۔ عام اُمّت کے لئے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن آپؐ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اس کو ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے امّ سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے اس قضا کو تمام عمر ادا کیا[2]۔

رمضان کا مہینہ آپؐ کی عبادتوں کے لئے سب زیادہ ذوق افزا تھا۔ حضرت ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ فیاض تو تھے ہی لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبرئیلؑ قرآن سنانے

---

[1] اس بحث کو زرقانی نے شرح مواہب میں بہ تفصیل لکھا ہے (ج ہفتم)۔ [2] صحیح بخاری ابواب نوافل و سُنن۔

[3] مسند احمد و ابو داؤد و صحیح مسلم: الرکعتان بعد العصر۔

آتے تو آپؐ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی۔ آپؐ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی۔ رمضان کے آخری عشرہ میں آپؐ اور زیادہ عبادت گذار ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپؐ رات رات بھر بیدار رہتے تھے۔ ازواجؓ سے بے تعلق ہو جاتے تھے۔ اہلِ بیت کو نماز کے لئے جگاتے تھے۔ اس اخیر عشرہ میں آپؐ عموماً اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یادِ الٰہی اور عبادت گذاری میں مصروف رہتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے۔ ابو داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نمازِ عشاء کے بعد تھا۔ روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی۔ اس تعداد کے موافق آپؐ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ رمضان میں پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے۔ پچھلی رات کو اُٹھ کر کوئی مؤثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں نے دیکھا کہ آپؐ پچھلے پہر بیدار ہوئے۔ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے۔ رات کے سناٹے میں تارے جھلملا رہے تھے۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتیں پڑھیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝	انقلاب میں ان دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں
الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا	جو اُٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں
وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ	اور آسمان و زمین پر غور کرتے ہیں کہ خدا تو نے یہ نظام
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا	عالم بے نتیجہ نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے۔ پس ہم کو
بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝	دوزخ کے عذاب سے بچا۔ خدایا جس کو تو دوزخ

۱؎ صحیح بخاری کتاب الصوم۔ ۲؎ ابو داؤد باب الصوم ۳؎ صحیح بخاری باب الاعتکاف ۴؎ ابو داؤد شہر رمضان ۵؎ صحیح بخاری باب بدا الوحی۔ ۶؎ صحیح بخاری و صحیح مسلم صلوٰۃ اللیل۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝
رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا
مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا
عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ
لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ
مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ
بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ
قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ
عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

(آل عمران: ۱۹۰-۱۹۵)

میں داخل کرے اس کو تو نے رسوا کر دیا۔ گنہگاروں
کا کوئی مددگار نہیں۔ خداوندا! ہم نے ایک پکارنیوالے
کی آواز سنی جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار
پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔ خداوندا! تو ہمارے
گناہ بخشدے، ہماری برائیوں پر پردہ ڈال
اور نیکوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا۔ خداوندا تو نے
اپنے رسولوں کے ذریعہ جس چیز کا وعدہ کیا ہے
وہ ہم کو عنایت کر۔ اور قیامت کے دن
ہمیں رسوا نہ کرنا تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں
کرتا۔ پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول
کرلی کہ میں کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں
کرتا مرد ہو یا عورت۔ تم ایک دوسرے سے
ہو۔ جنہوں نے ہجرت کی یا اپنے گھروں سے
نکالے اور میری راہ میں ستائے گئے اور وہ لڑے ہیں اور
مارے گئے ہیں اُن سب کے گناہوں کو مٹا دوں گا اور
ان کو جنت میں جگہ دونگا جن کے نیچے نہریں بہتی
ہوں گی۔ اللہ کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی
اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔

اس موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سرتاپا اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں:-

اللّٰھم لك الحمد انت نور السمٰوٰت والارض ولك الحمد انت قیّام السمٰوٰتِ والارضِ ولك الحمد انت ربّ السمٰوٰت والارض ومن فیھنّ انت الحق ووعدك الحق وقولك الحق ولقاءك الحق والجنة حق والنار حق والساعة حق۔ اللّٰھم لك اسلمت وبك اٰمنت وعلیك توكلت والیك انبت وبك خاصمت والیك حاكمت فاغفرلی ما قدمت واخرت واسررت واعلنت انت الٰھی لا الٰه الا انت

(صحیح مسلم، باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل)

خداوندا تیری حمد ہو تو آسمان و زمین کا نور ہے تیری حمد ہو تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے تو حق ہے۔ تیرا وعدہ حق ہے۔ تیری بات حق ہے۔ تجھ سے ملنا حق ہے جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے۔ قیامت حق ہے۔ خداوند میں نے تیرے ہی آستانہ پر سر جھکایا ہے۔ تجھی پر ایمان لایا ہوں۔ تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے۔ تیرے ہی زور پر جھگڑتا ہوں۔ تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور چھپا ہر ایک گناہ معاف کر۔ تو ہی میرا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے آپؐ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا اور مناجاتِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپؐ کو بستر پر نہ پایا۔ سمجھی کہ آپؐ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولا۔ تو دیکھا کہ پیشانیٔ اقدس خاک پر ہے اور آپؐ سربسجود دعا میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو اپنے شبہہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا "سبحان اللہ! ہم کس خیال میں ہیں اور آپؐ کس عالم میں[1]"۔ کبھی کبھی راتوں کو اٹھ کر آپؐ تنِ تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور دعا و زاری

---

[1] سنن نسائی باب الغیرۃ۔

کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گئیں تو دیکھا کہ آپؐ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور دعا مانگی۔[1]

دعا اور نماز کے بعد آپؐ سو جاتے یہاں تک کہ خرّاٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعتہً پیدۂ صبح نمودار ہوتا۔ آپؐ بیدار ہوتے صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبانِ مبارک پر ہوتے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّ فِیْ لِسَانِیْ	خدایا میرے دل میں نور پیدا کر اور میری
نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ	زبان میں اور میری قوت سامعہ میں نور پیدا
فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ فِیْ خَلْفِیْ نُوْرًا	کر آنکھوں میں نور پیدا کر۔ اور میرے پیچھے اور
وَّ مِنْ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ	میرے آگے نور پیدا کر۔ میرے اوپر اور
نُوْرًا وَّ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا	میرے پیچھے نور پیدا کر اور مجھے نور عطا کر۔

(صحیح مسلم، باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل)

ارکانِ نماز میں سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام میں ہوتا ہے لیکن حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ رکوع کے بعد اتنی دیر کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپؐ سجدہ میں جانا بھول گئے۔[2]

جو چیز نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے۔ ایک دفعہ چادر اوڑھکر نماز ادا فرمائی جس میں دونوں طرف حاشیے تھے۔ نماز میں اتفاق سے حاشیوں پر نظر پڑ گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ یہ لے جا کر فلاں شخص (ابوجہیم) کو دے آؤ اور ان سے انبجانی مانگ لاؤ۔ حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔[3]

---

[1] سنن نسائی باب الاستغفار للمؤمنین۔ [2] مسند ابن حنبل جلد سوم [3] صحیح بخاری جلد اوّل، کتاب الصلوٰۃ۔ انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے۔

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا۔ نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کو ہٹا دو۔ اس کے نقش و نگار حضورِ قلب میں خلل انداز ہوتے ہیں[1]

روزہ

انبیاءؑ اور داعیانِ مذہب نے تکمیل روحانیت کے لئے تقلیلِ غذا بلکہ ترکِ غذا (روزہ) کو اسبابِ ضروری میں شمار کیا ہے۔ ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیانِ مذہب تو اس راہ میں حدِ افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ لیکن داعیٔ اسلامؐ کا طرزِ عمل اس باب میں افراط اور تفریط کے بیچ میں تھا۔

اسلام سے پہلے اہلِ عرب عاشورہ کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ بھی معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں آپؐ متواتر کئی کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے۔ لیکن مدینہ آکر اس معمول میں فرق آگیا۔ مدینہ میں یہود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ آپؐ نے بھی رکھا، بلکہ تمام مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی۔ لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ نفل رہ گیا۔

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کے روزے مدینہ میں آپؐ نے کبھی نہیں رکھے۔ صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے۔ اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپؐ روزہ سے رہتے۔ اس طرح سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گزرتے تھے، سال کے بقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپؐ کبھی روزہ نہ توڑیں گے۔ پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے۔ مہینہ کے نصفِ اوّل میں جن کو ایامِ بیض کہتے ہیں، آپؐ اکثر روزہ سے رہتے تھے۔ مہینہ میں تین دن، دو دو شنبہ اور ایک

---

[1] صحیح بخاری کتاب اللباس والصلوٰۃ۔

جمعرات کو لازماً روزے رکھا کرتے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات میں سے تھا۔ اُن کے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورہ تک اور شوال کے آغاز میں چھ دن، دوسری سے ساتویں تک آپؐ روزوں میں گذارتے تھے[1]۔

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے۔ آپؐ کبھی گھر میں تشریف لاکر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے جواب ملتا "کچھ نہیں" آپؐ فرماتے تو میں آج روزے سے ہوں[2]۔ کبھی کبھی آپؐ صومِ وصال بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے۔ بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا برائے نام کچھ کھا لیتے تھے لیکن جب صحابہؓ نے اس میں آپؐ کی تقلید کرنی چاہی تو آپؐ نے منع فرمایا۔ بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپؐ حکماً نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں، اس لئے اس ممانعت کے باوجود آپؐ کے ساتھ انہوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کئے۔ آپؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا۔ تیسرے دن اتفاق سے چاند ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک انتظار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا" صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! پھر حضور کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟" ارشاد ہوا "تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے"۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں "تم میں مجھ جیسا کون ہے میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے"[3]

عام مسلمانوں کے لئے آپؐ اس قسم کی مذہبی سختیوں کو ناپسند فرماتے تھے اور عام طور پر خود بھی ان

---

[1] روزہ کے متعلق یہ حدیثیں تمام کتب حدیث میں ہیں۔ اس وقت ابو داؤد اور صحیح مسلم کتاب الصوم پیش نظر ہیں۔

[2] ابو داؤد باب النیۃ فی الصیام۔ [3] صومِ وصال کی یہ حدیثیں صحیح مسلم سے لی گئی ہیں۔

چیزوں سے احتراز کرتے تھے۔ تفصیلی واقعات آگے آتے ہیں۔)

زکوٰۃ آنحضرتؐ اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرات کیا کرتے تھے جیسا کہ آغازِ اسلام میں حضرت خدیجہؓ نے شہادت دی ہے[1]۔ اسلام کے بعد آپؐ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے۔ جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے۔ لیکن باایں ہمہ زکوٰۃ کا ادا کرنا آپؐ سے ثابت نہیں۔ اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک مطلق صدقہ و خیرات اور اس باب میں جو آپؐ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے۔ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد پر جو حاجتِ اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو ایک خاص شرح سے رقم ادا کی جائے۔ یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپؐ پر فرض ہی نہیں ہوئی۔ کاشانۂ نبوت میں کوئی قابلِ زکوٰۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی یہ بھی پسندِ خاطر نہ تھا کہ شب گذر جائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی۔ آپؐ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا اور کاشانۂ اقدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلالؓ نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ "یا رسول اللہؐ! خدا نے آپؐ کو سبکدوش کیا"[2]۔

حج اسلام سے پہلے آپؐ نے جس قدر حج کئے ان کی تعداد صحیح متعین نہیں کی جا سکتی۔ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش معمولاً ہر سال حج کیا کرتے تھے اس لئے قرینۂ غالب یہی ہے کہ آنحضرتؐ بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے۔ ترمذیؒ میں ہے کہ قیامِ مکہ کے زمانہ میں آپؐ نے دو حج کئے تھے اور ابنِ ماجہ اور حاکم میں ہے کہ تین حج کئے تھے لیکن یہ سب[3] روایتیں

---

[1] صحیح بخاری بدء الوحی۔ [2] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین [3] ترمذی باب کم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [4] زرقانی جلد ہشتم۔

مرسل ہیں۔ مدینہ کے زمانۂ قیام میں متفقہ ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۰ھ میں کیا۔ یہ وہی حجۃ الوداع ہے جس کا ذکر بہ تفصیل پہلے گذر چکا ہے۔

حج کے علاوہ آپؐ نے عمرے بھی ادا کئے ہیں۔ ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں ایک عمرہ ذیقعد کے مہینہ میں ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوۂ حنین کے بعد اور چوتھا حجۃ الوداعؐ کے ساتھ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپؐ نے ذی قعد کے مہینہ میں ادا کئے۔ ایک دفعہ حضرت ابنِ عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرتؐ نے کتنے عمرے کئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا "چار عمرے، ان میں سے ایک ماہ رجب میں"۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو کہا "خدا ابو عبدالرحمٰن (ابنِ عمرؓ کی کنیت) پر رحم فرمائے۔ آپؐ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ شریک نہ ہوں۔ آنحضرتؐ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا"۔[۳]

سالِ حدیبیہ میں سب سے پہلی دفعہ جب آپؐ عمرہ ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ تو کفارِ قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی۔ صحابہؓ ان کی مدافعت میں آپؐ سے بچھڑ گئے۔ لیکن آپ کو خانۂ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق و شوق تھا کہ اپنے ہمراہیوں کا انتظار کئے بغیر بیخطر آپؐ سب سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ آخر جان نثاروں نے ابو قتادہ انصاریؓ کو بھیجا کہ وہ جا کر ہماری جانب سے سلام عرض کریں اور یہ درخواست کریں کہ "آپؐ ذرا توقف فرمائیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ دشمن ہمارے اور آپؐ کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔ بارے آپؐ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔[۴]

دوام ذکر الٰہی

قرآن مجید نے اہلِ ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے۔

---

[۱] صحیح مسلم ابو داؤد حجۃ الوداع و ترمذی باب کم حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۲] جامع ترمذی باب مذکور۔ [۳] بخاری و مسلم کتاب الحج۔ [۴] صحیح بخاری باب جزاء الصید۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ	جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے بھی یاد کرتے ہیں۔

(آل عمران: ۱۹۱)

لَا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ	جن کو اشغالِ دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔

(النور: ۳۷)

اور قرآن کا مبلغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے[1]۔ ربیعہ بن کعب اسلمیؓ رات کو آپؐ کے آستانہ پر پہرہ دیتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کی تسبیح و تہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آ جاتی تھی[2]۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے گھر میں داخل ہوتے، مسجد میں قدم رکھتے غرض ہر حالت میں دل و زبان ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ اسی بنا پر احادیث میں مختلف اوقات و حالات کے لئے کثرت سے ادعیۂ ثورہ منقول ہیں۔ اخیر زندگی میں جب سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ اتری جس میں تحمید و تسبیح کا حکم ہے تو امہات المومنینؓ کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبانِ مبارک پر تسبیح و تہلیل جاری رہتی تھی[3]۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ اکثر یہ دعا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ ہم نے گنا تو ایک ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ [2] مسند ابن حنبل جلد چہارم۔ [3] ابن سعد جزء الوفاۃ۔

الفاظ آپؐ کی زبان سے ادا ہوئے[1]، سفر اور کوچ کی بے اطمینانی میں بھی آپؐ یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے اور اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رُخ ہے یا نہیں۔ سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا، آپؐ اُدھر ہی منہ کئے نماز کی نیت کر لیتے کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (جدھر رُخ کرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے)

ذوق وشوق

(آپؐ اصحابؓ کی محفل میں یا امہات المومنینؓ کے حجروں میں بات چیت میں مشغول ہوتے کہ دفعتہً اذان کی آواز آتی۔ آپؐ اُٹھ کھڑے ہوتے[2] رات کا ایک معتدبہ حصہ گو شب بیداری میں گذرتا تھا تاہم صبح کے وقت اُدھر مؤذن نے اللہ اکبر کہا اِدھر آپؐ بستر سے اُٹھ بیٹھے[3] شب کے وقت جس ذوق وشوق اور وجد کی حالت میں نماز پڑھتے اس کا نقشہ حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے "کبھی پوری پوری رات آنحضرتؐ کھڑے رہتے۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ نسآء (قرآن کی سب سے بڑی سورتیں ہیں) پڑھتے۔ جب کوئی خوف اور خشیت کی آیت آتی خدا سے دُعا مانگتے اور پناہ طلب کرتے۔ کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دُعا مانگتے[4]" قرأت اتنی زور سے فرماتے کہ دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپؐ کی آواز سنتے[5]۔ کبھی کبھی کوئی آیت آجاتی کہ آپؐ اس کے ذوق وشوق میں محو ہو جاتے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ نے نماز میں یہ آیت پڑھی:۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ — اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر

---

[1] ترمذی و ابن ماجہ و دارمی باب دعوات [2] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد وغیرہ [3] البقرہ : ۱۱۵ [4] صحیح بخاری باب یکون الرجل فی خدمتِ اہلہ [5] صحیح بخاری من انتظر الاقامۃ [6] مسند ابنِ حنبل ششم۔ [7] ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل۔

تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ معاف کردے تو تُو غالب اور حکمت والا ہے۔

(المائدۃ ۱۱۸)

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپؐ یہی آیت پڑھتے رہ گئے۔[۱]

زید بن خالدؓ جہنی ایک صحابی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب میں آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا۔ (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ پہلے دو رکعتیں معمولی ادا کیں۔ پھر دو رکعتیں بہت ہی لمبی اور بڑی دیر تک پڑھیں۔ پھر دو دو رکعتیں کرکے آٹھ رکعتیں بتدریج چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں وتر ادا کئے۔ خبابؓ کی روایت ہے کہ ایک شب آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے۔[۲])

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آپؐ نے سورۂ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) میں سمجھا کہ آپؐ سو آیتوں تک پڑھیں گے۔ لیکن آپؐ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے۔ میں نے دل میں کہا شاید پوری سورۂ آپؐ ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو میں نے خیال کیا آپؐ رکوع کریں گے۔ لیکن آپؐ نے فوراً ہی سورۂ نساء شروع کر دی۔ یہ بھی ختم ہو چکی تو سورۂ آلِ عمران شروع کی (یہ تینوں سورتیں مل کر سوا پانچ پاروں کے قریب ہیں) بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپؐ قرأت کر رہے تھے۔ اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ میں تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے رکوع کیا۔ رکوع میں قیام ہی کے برابر توقف فرمایا۔ پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے۔ پھر سجدہ کیا۔ اور سجدہ میں بھی اسی قدر تاخیر فرمائی۔[۳])

---

[۱] ابن ماجہ باب ما جاء فی صلوۃ اللیل [۲] صحیح مسلم، موطا، ابو داؤد [۳] نسائی احیاء اللیل۔ [۴] صحیح مسلم ونسائی صلوۃ اللیل۔

میدانِ جنگ میں یادِ الٰہی

(عین اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسرِ پیکار ہوتیں، تیر و سناں اور تیغ و خنجر کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی ہوتیں اور ہر طرف سے شور و اردگیر برپا ہوتا، آپؐ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینانِ قلب کے ساتھ دعا و زاری اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے۔ سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی۔ بدر، اُحد، خندق، خیبر، تبوک، تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپؐ کی یہی کیفیت تھی۔

معرکہ ہائے جنگ میں سپہ سالاروں کو اپنے بہادر سپاہیوں کی قوت پر ناز ہوتا ہے لیکن اسلام کے قائدِ اعظم کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالمِ اسباب کے لحاظ سے گو آپؐ نے اصولِ جنگ کے مطابق ہر میدان میں اپنی فوجیں مرتب کیں۔ لیکن اصلی اعتماد اور بھروسا اسبابِ کائنات سے ماوراء قادرِ مطلق کی ذات پر تھا۔ بدر میں دو صحابی حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ "یا رسول اللہؐ! ہم کو کافروں نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں"۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے"[1]۔ بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے اور خشوع و خضوع سے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کر رہے ہیں، "خدایا اپنا وعدۂ نصرت پورا کر"۔ محویت اور بیخودی میں ردائے مبارک کندھے سے گر پڑتی ہے اور آپؐ کو خبر تک نہیں ہوتی۔ کبھی سجدے میں گر پڑتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ "خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"[2]۔ اسی اثنا میں حضرت علیؓ تین دفعہ میدانِ جنگ سے حاضرِ خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے[3]۔

---

[1] صحیح مسلم، باب الوفاء بالعہد۔ [2] صحیح بخاری و مسلم غزوہ بدر [3] سیرۃ جلد اوّل صفحہ ۲۹۹

غزوۂ اُحد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہبل کی جے پکارتا ہے۔ لیکن آپؐ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم اللہ اعلیٰ و	خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں۔
اجلّ	خدا بڑا اور بلند ہے۔

غزوۂ احزاب میں آپؐ خود اپنے دستِ مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے اور لبِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے :

اللّٰھمّ لا خیر الّا خیر الاٰخرۃ فبارک	خدایا بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے۔
فی الانصار والمہاجرۃ	انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر۔

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا اور یہ محاصرہ بیس یا بائیس دن تک قائم رہا۔ لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں۔ ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی مہلت نہ مل سکی۔ آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا۔ آپؐ کو سخت رنج ہوا۔ حملہ رکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی[1]

غزوۂ خیبر میں جب آپؐ شہر کے قریب پہنچے تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے اللہ اکبر خربت خیبر (اللہ اکبر خیبر ویران ہو چکا ہے) عمارتیں نظر آئیں تو صحابہؓ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر یہ دُعا مانگی :۔

اللّٰھمّ انّا نسألک خیر ھذہ القریۃ	اے خدا! ہم تجھ سے اس آبادی کی، اس آبادی
وخیر اھلھا وخیر ما فیھا ونعوذبک	والوں کی، اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد

من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا

چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں۔

(ابن ھشام)

حُنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپؐ کے ساتھ تھی لیکن اوّل ہی حملہ میں اُس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس فوج کا سپہ سالار اگر اُن ہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدانِ جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا۔ لیکن آپؐ کو جس قوّت پر اعتماد تھا آپؐ اُس کو اِن تنہائی میں بھی اسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے جس طرح فوج و لشکر کے ساتھ۔ عین اُس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیروں کا مینھ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپؐ کے پہلو میں چند جاں نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہ رہا تھا آپؐ سواری سے اتر آئے اور فرمایا "میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں"۔ پھر بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہو کر نصرتِ موعودہ کی درخواست کی۔ دفعتہً ہوا کا رُخ پلٹ گیا اور نسیمِ فتح علمِ اسلام کو لہرانے لگی۔ دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ و تنہا مناجات و زاری کی سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبروںؑ کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس مرقع کا سب سے مؤثر منظر غزوۂ بنی مصطلق میں نظر آتا ہے۔ سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں اور غفلت کے منتظر ہیں کہ دفعتہً نماز کا وقت آجاتا ہے اور آپؐ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صحابہؓ کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامنا روک لیتی ہے۔ صلحِ حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا۔ آنحضرتؐ مکّہ کے پاس عسفان میں خیمہ زن تھے قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولیدؓ آس پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں

لہ صحیح بخاری و مسلم حنین۔

کی فوج کا ایک دستہ لئے ہوئے موقع کی تاک میں تھے۔ آخر قریش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔ خداوند کارساز کی بارگاہ میں قصر صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی۔ چنانچہ قصر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ عصر کا وقت آیا تو آپؐ نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دشمن اپنی فوج کا پرا لئے آپؐ کے سامنے تھے۔ صحابہؓ دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک حصہ نے آپؐ کے پیچھے آکر نماز کی صفیں قائم کرلیں اور دوسرا حصہ دشمنوں کے مقابل کھڑا ہوگیا۔ پہلی جماعت فارغ ہوکر بتدریج دشمنوں کے مقابل آگئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپؐ کے ساتھ نماز میں جا ملی۔ یہ تمام تبدیلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہو رہی ہیں لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پرواہ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے[1]۔ اور اس کو ذرہ برابر جنبش نہیں ہوتی۔

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہاں تک تعمیل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً	مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے
فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ	تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ۔
تُفْلِحُونَ ○	تم کامیاب ہوگے۔

(الانفال: ۴۵)

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے[2]۔

---

[1] ابو داؤد ج اوّل باب صلوٰۃ المسافرین۔ [2] باب التکبیر عند الحرب۔

خشیتہ الٰہی

آپؐ خاتم الانبیاء تھے، افضلِ رسل تھے، محبوبِ خاص تھے۔ تاہم خشیتہ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گذرے گی۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے جب وفات پائی تو آپؐ تعزیت کو گئے۔ لاش دھری تھی۔ ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہو کر کہا "خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "تم کو کیونکر معلوم ہوا"۔ بولیں "خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا"۔ ارشاد ہوا کہ "ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے لیکن میں پیغمبر ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا"[1]

(جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپؐ سہم جاتے۔ کسی ضروری کام میں ہوتے اُس کو چھوڑ کر قبلہ رُخ ہو جاتے[2] اور فرماتے "خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں"۔ جب مطلع صاف ہو جاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔ ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہؐ! آپؐ کیوں مضطرب ہو جاتے ہیں" ارشاد ہوا "عائشہؓ تجھے کیا معلوم کہ قومِ ہود کا واقعہ نہ پیش آئے جس نے بادل دیکھ کر کہا کہ یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے حالانکہ وہ عذابِ الٰہی تھا"[3]

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ "یا رسول اللہؐ! آپؐ کے بال پکنے لگے" فرمایا "مجھے سورۃ ہود اور واقعہ اور المرسلات اور عم یتساءلون نے بوڑھا کر دیا"[4] (ان سورتوں میں قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں)

ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ جب دو ثلث شب گذر چکتی بآواز یہ الفاظ ادا فرماتے "لوگو! خدا کو یاد کرو۔ زلزلہ آ رہا ہے۔ اس کے پیچھے آنے والا آ رہا ہے۔ موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی۔ موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی"[5]

---

[1] صحیح بخاری باب الجنائز [2] سنن ابن ماجہ باب ما یدعو بہ الرجل اذا رای السحاب [3] یہ واقعہ بخاری و مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اخیر فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہے [4] شمائل ترمذی ما جاء فی شیبہ [5] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی باب البکاء والخوف

فرمایا کرتے "لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ آتا۔"

ایک دفعہ آپؐ نے نہایت موثر طرز سے خطبہ میں فرمایا "اے معشرِ قریش! اپنی آپ خبر لو میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے بنی عبد المناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے عباسؓ بن عبد المطلب میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے صفیہؓ! رسولِ خدا کی پھوپھی! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔"[1]

ایک دفعہ اعرابِ بادیہ کا مسجد نبویؐ میں اتنا ہجوم ہوا کہ آپؐ پسنے کے قریب ہو گئے۔ مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا۔ آپؐ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہو گئے اور تقاضائے بشری سے بد دعا زبان سے نکل گئی۔ فوراً قبلہ رُخ ہو کر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی "خدایا! میں ایک انسان ہوں۔ اگر تیرے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا۔"[2]

گریہ و بکا

(خشیتِ الٰہی کی وجہ سے اکثر آپؐ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ حضرت عبد اللہؓ بن مسعودؓ نے جب آپؐ کے سامنے یہ آیت پڑھی فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا تو بے اختیار چشمِ مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نمازِ کسوف میں آپؐ ٹھنڈی سانسیں بھرتے اور فرماتے تھے "خدایا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔"[3]

---

[1] صحیحین [2] صحیحین۔ [3] مسند ابن حنبل ج ششم۔ دونوں صفحوں میں دو روایتیں ہیں مگر غالباً ایک ہی واقعہ ہے۔)

[4] صحیح بخاری تفسیر آیت النساء: ۴۱) [5] ابو داؤد صلوۃ الکسوف۔

عبداللہ بن شخیرؓ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپؐ نماز میں مشغول ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی اُبل رہی ہے[1]

ایک بار آپؐ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپؐ قبر کے کنارے بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر آپؐ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہوگئی۔ پھر فرمایا "بھائیو! اس دن کے لئے سامان کر رکھو"[2]

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راہ میں ایک پڑاؤ ملا۔ کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے "ہم مسلمان ہیں"۔ ایک عورت بیٹھی چولھا سلگا رہی تھی۔ پاس ہی اس کا لڑکا تھا۔ آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپؐ کی خدمت میں آئی اور بولی "آپؐ رسول اللہؐ ہیں؟" ارشاد ہوا "ہاں بیشک" پھر اُس نے پوچھا "کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے۔ خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے" آپؐ نے فرمایا "ہاں بیشک"۔ اُس نے کہا "تو ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی"۔ آپؐ پر گریہ طاری ہوگیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا "خدا اس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکش اور متمرد ہے خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا"[3]

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ	پروردگار اِن بتوں نے بہت سے لوگوں کو
فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ	گمراہ کیا۔ ان میں سے جس نے میری پیروی
(ابراھیم: ۳۶)	کی وہی میری جماعت میں ہے۔

---

[1] ترمذی وابوداؤد باب البکاء فی صلوٰۃ اللیل [2] سنن ابن ماجہ باب الحزن والبکاء۔ [3] سنن ابن ماجہ باب یرجی من رحمۃ اللہ۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی دُعا پڑھی،

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝	اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالب و دانا ہے۔

(المائدۃ: ۱۱۸)

دونوں ہاتھ اٹھا کر اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فرماتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

محبّتِ الٰہی

دنیا میں دو قسم کے پیغمبر آئے ہیں۔ ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اور اس لئے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے مثلاً حضرت نوح و حضرت موسیٰ علیہما السلام۔ دوسرے وہ جو محبّتِ الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خمخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے مثلاً حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام۔ لیکن یہ دونوں افراط و تفریط کے راستے تھے۔ پہلی راہ اخلاص و محبّت کی منزل تک پہنچاتی اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے جیسا کہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرتِ مسیح میں ہر شخص کو نظر آسکتا ہے۔ لیکن اسلام دونوں جلووں کو یکساں نمایاں کرنا چاہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حاملِ شریعتِ اسلامیہ کی ذاتِ مبارک[1] میں یہ دونوں پہلو بیک دفعہ نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید نے کمالِ ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ	جو ایمان لائے ہیں اُن کو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے۔

(البقرۃ: ۱۶۵)

صحیح روایتوں میں ہے کہ آپؐ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر

---

[1] صحیح مسلم باب بکاء صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ۔

ورم آجاتا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہؐ آپؐ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے۔ آپؐ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں"؟ ارشاد ہوا کہ "کیا میں عبدِ شکور نہ بنوں"! اربابِ باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے سمجھتے تھے کہ آپؐ کی عبادتیں خشیتِ الٰہی سے ہیں اور چونکہ آپؐ گناہوں سے پاک کر دیئے گئے تھے اس لیے آپؐ کو ریاضاتِ شاقہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپؐ نے اپنے جواب میں اسی شبہہ کو دفعہ فرمایا اور بتایا کہ اِن کا مقتضا محبتِ الٰہی ہے۔ خشیتِ الٰہی نہیں ہے اسی لئے آپؐ فرمایا کرتے تھے:

وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوٰۃ — میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

راتوں کو سناٹے میں اُٹھ کر آپؐ کبھی دعا و زاری میں مصروف ہوتے۔ کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت میں خدا سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے[1]۔ عبادتِ شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا جن کی نسبت آپؐ کا ارشاد تھا کہ "ان کے معاوضہ میں دنیا و مافیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے ہیچ ہیں[2]"۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں کوئی عورت گرفتار ہو کر آئی۔ اس کا بچہ گم تھا۔ محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگا لیتی اور اس کو دودھ پلاتی۔ آپؐ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے"۔ لوگوں نے عرض کی "ہرگز نہیں"۔ فرمایا تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے جتنی اِس کو اپنے بچہ سے ہے[3]۔

اسی طرح ایک اور واقعہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپؐ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے ایک عورت اپنے بچہ کو گود میں لے کر خدمت اقدس میں آئی اور عرض کی "یا رسول اللہؐ! ایک ماں کو اپنے بچہ سے جس قدر محبت ہوتی ہے کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے"؟ فرمایا "ہاں بیشک ہے"۔ اس نے

---

[1] صحیح بخاری [2] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ۔ [3] صحیح بخاری، باب رحمۃ الولد۔

کہا کوئی ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی۔ یہ سُن کر فرطِ اثر سے آپؐ پر گریہ طاری ہوگیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ خدا صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے[1]۔

ایک دفعہ آپؐ صحابہؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب ایک چادر میں ایک پرند کو مع اُس کے بچوں کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا ان کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچوں پر گر پڑی۔ ارشاد ہوا کہ کیا اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے[2]۔

آپؐ محبتِ الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ وفات سے پانچ دن پہلے آپؐ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا "میں خدا کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا دوست ہو۔ کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا جس طرح ابراہیمؑ کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ اگر میں اپنی اُمت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا[3]"

وفات کے وقت زبانِ مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا:-

اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ — خدایا صرف رفیقِ اعلیٰ مطلوب ہے۔

یہ الفاظ سُن کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ "اب آپؐ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے"۔

اس "رفاقتِ علویؐ" کے راز سے جو کسی قدر آشنا ہیں وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہیں:-

"انبیاء علیہم السلام چوں از مقامِ دعوت فارغ میگردند و متوجہ عالم بقا میشوند در مصلحت رجوع (الی الخلق) تمام می شود بشوقِ تمام ندائے الرفیق الاعلیٰ برآوردہ

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ما یرجی من الرحمۃ [2] مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ [3] صحیح مسلم باب النہی عن بناء المسجد علی القبور و صحیح بخاری باب الوفات۔

بہ کلیت متوجہ حق جل شانہ میگردند۔ در مراتب قرب سیر مینمایند[1]

توکّل علی اللہ (توکّل کے یہ معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور واقعاتِ عالم کے فیصلہ کو خدا کے سپرد کر دے۔ اسباب و علل کے پردے اس کے سامنے سے اُٹھ جائیں اور اسے براہِ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں نظر آتے۔ بظاہر اسباب و علل گو ناموافق ہوں مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام میں ذرہ بھر مؤثر نہیں ہو سکتے بلکہ اصلی قوت و قدرت عالمِ اسباب سے ماوراہستی کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کا استقلال، عزم، جرأت و بیباکی یہ تمام باتیں اسی ایک اصل کی پرتو ہیں۔ اسی کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمامِ صبر اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ پُرخطر سے پُرخطر راستوں میں بھی جُبن اور ضعفِ ہمت اس کے قلب میں راہ نہیں پایا۔ شدید سے شدید حالات میں بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہیں چھاتا۔

آنحضرتؐ کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ، تم کو صاف نظر آئے گا کہ آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتوں کی کوئی ایسی صنف نہ ہوگی جو آپؐ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو لیکن آپؐ کا دل کبھی اضطراب و انتشار، مایوسی و ناامیدی اور خوف و بیم سے آشنا نہ ہوا۔ مکّہ کی تنہائیوں میں مصائب کے ہجوم میں، دشمنوں کے نرغہ میں، حنین و اُحد کے خونریز معرکوں میں، ہر جگہ توکّل و اعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ ابوطالب سمجھاتے ہیں کہ جانِ پدر اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ۔ آپؐ فرماتے ہیں "عمِ محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے۔ حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا۔ عجم و عرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا۔" ایک دوسرے کے جواب میں آپؐ فرماتے ہیں کہ خدا مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا[2]۔" مکّہ میں ایک مصیبت زدہ مایوس صحابیؓ سے ارشاد ہوتا ہے "خدا کی قسم

---

[1] مکتوبات امامِ ربانی، مجدد الف ثانی، مکتوب ۲۷۲ جلد اوّل۔ [2] یہ دونوں واقعے ابنِ ہشام میں ہیں۔

عنقریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبۂ کمال کو پہنچ جائے گا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا۔[1]

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمدؐ اب جیسے، ہی یہاں قدم رکھیں اُن کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے۔ حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریر سُن رہی تھیں۔ وہ روتی ہوئی آپؐ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے اُن کو تسکین دی اور وضو کے لئے پانی مانگا۔ وضو کر کے آپؐ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہو گئے۔ جب خاص صحنِ حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپؐ پر پڑی تو خود بخود اُن کی نگاہیں[2] جھک گئیں۔

جلد اوّل میں پڑھ چکے ہو کہ شبِ ہجرت میں قریش کے بہادر خوں آشام ارادوں کے ساتھ کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن آپؐ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے عزیز قوتِ بازو علی مرتضیٰؓ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے بستر خواب نہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک قادرِ کُل ہستی ہے جو تختۂ مقتل کو فرشِ گُل بنا سکتی ہے۔ ان کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ تم کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔[3]

گھر کے چاروں طرف دشمنانِ قریش محاصرہ کئے ہوئے تھے اور خیال ہو سکتا تھا کہ صبحِ امید کے انتظار میں مکہ کے برنا و پیر عجب نہیں کوچوں اور گلیوں میں مشتاقِ خبر پھر رہے ہوں۔ لیکن آپؐ نے اذنِ الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا۔ اس وقت سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیتیں زبانِ مبارک پر تھیں جن میں نبوت کی اور اپنے راہِ راست پر ہونے کی تصدیق ہے۔ آخری آیت یہ تھی :-

---

[1] صحیح بخاری اواخر جلد اوّل۔ [2] مسند احمد ج اوّل۔ [3] ابن ہشام و طبری۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ	ہم نے اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے دیواروں
مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ	کھڑی کر دی ہیں ہم نے اُن کی آنکھوں پر
لَا يُبْصِرُوْنَ ○	پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

(یٰسٓ : ۹)

اور یہ بالکل سچ تھا۔

مکہ سے نکل کر آپؐ نے مع حضرت ابوبکرؓ کے غارِ ثور میں پناہ لی۔ قریش میں خون آشامی کے ساتھ اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا اور اس لئے اس وقت اُن کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہو گا۔ وہ آپؐ کے تعاقب میں نشانِ قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اِسی غار کے پاس پہنچ گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پُرخطر حالت میں کسی کے حواس برجا رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ "یا رسول اللہؐ! دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔" لیکن آپؐ نے روحانیت کی پُرسکون آواز میں فرمایا۔ "اُن دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو"[1] پھر جیسا قرآن مجید میں ہے، فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا	غم نہ کر۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

(التوبۃ : ۴۰)

سبحٰن بنوّت کے سوا اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہاں نظر آسکتا ہے۔

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمدؐ کو زندہ یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا کہ اس کو سو اونٹ ملیں گے۔ سراقہ بن جعشم نے آپؐ کا تعاقب کیا اور اس قدر قریب پہنچ گیا کہ وہ آپؐ کو پا سکتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ بار بار گھبرا کر اِدھر دیکھ رہے تھے۔ لیکن آپؐ ایک دفعہ بھی مڑ کر نہیں دیکھا کہ سراقہ کس

---

[1] صحیح بخاری و مسلم ہجرت۔

ارادہ سے آرہا ہے۔ یہاں دل پر وہی سکینتِ ربّانی طاری تھی اور لب ہائے مبارک تلاوتِ قرآن میں مصروف[1] تھے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آکر آپؐ کی زندگی ہر قسم کے خطروں سے محفوظ ہوگئی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ گو اسلام کو یہاں اعوان و انصار کی ایک معتدبہ تعداد مل گئی تھی لیکن اُسی کے ساتھ ان دشمنوں کا سامنا بھی تھا جو دشمنانِ مکہ سے زیادہ خطرناک تھے۔ مکہ میں قریش گو آپؐ کے دشمن تھے لیکن ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نسبی تعلقات تھے۔ جو کبھی کبھی کسی کو غمخواری اور مواسات پر بھی مائل کر دیتے تھے۔ لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات اور ہمدردی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ علاوہ بریں یہود و منافقینِ مدینہ اور قریش مکہ میں باہم آنحضرتؐ کے قتل و جلاوطنی کی سازشیں شروع ہوگئی تھیں[2] اس بنا پر صحابہؓ جان نثاری کی بنا پر آکر راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک رات صحابہؓ آپؐ کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط — اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت کریگا۔

(المائدۃ: ۷۲)

اور آپؐ نے اُسی وقت خیمہ سے باہر سر نکال کر صحابہ سے فرمایا[3]۔

ایّھا الناس انصرفوا فقد عصمنی اللہ — لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔

غزوۂ نجد سے واپسی میں آپؐ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہاں بہت سے درختوں کے جھنڈ تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ صحابہؓ درختوں کے سایہ میں اِدھر اُدھر سو رہے تھے۔ آپؐ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما تھے۔ آپؐ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدو جو شاید اسی موقع

---

[1] صحیح بخاری، ہجرت۔ [2] سیرۃ جلد اوّل سلسلہ غزوات۔ [3] جامع ترمذی تفسیر مائدہ۔

کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپؐ کی تلوار اُتار کر نیام سے باہر کی اور آپؐ کے سامنے آیا کہ دفعتہً آپؐ ہشیار ہوئے۔ دیکھا کہ ایک بدّو تیغ بکف کھڑا ہے۔ بدّو نے پوچھا "اے محمدؐ! اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے"۔ ایک پُر اطمینان صدا آئی[1] کہ "اللہ"!

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپؐ پر حملہ کی گھات میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا "اس کو چھوڑ دو کہ یہ مجھ کو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا"[2] یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔ خیبر میں جس یہودیہ نے آپؐ کو زہر دیا تھا، اس سے آپؐ نے دریافت کیا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ آپؐ کے قتل کرنے کے لئے۔ آپؐ نے فرمایا "خدا تم کو اس پر مسلط نہ کرتا"[3]

اُحد اور حنین کے معرکوں میں جب میدانِ جنگ تھوڑی دیر کے لئے جاں نثاروں سے خالی ہو گیا تھا آپؐ کا استقلال، توکل علی اللہ و سکینتِ روحانی کی معجزانہ مثال ہے۔

یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی یک رخی تصویر ہے۔ اس مرقع کا دوسرا رُخ بھی کچھ اس سے کم مؤثر نہیں ہے۔ آپؐ پر فقر و غنا کے مختلف دور گذرے۔ کوئی دن ایسا آتا کہ مسجدِ نبویؐ کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے۔ حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لئے اُٹھا رکھا جائے۔ لیکن تمام عمر آپؐ کا طرزِ عمل اس کے خلاف رہا۔ کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لئے اُٹھا کر نہیں رکھی گئی ضروری اور بقدرِ کفاف اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہلِ استحقاق پر صرف کر دیا جاتا تھا۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدخر لغد	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کل کے لئے کوئی چیز اٹھا کر نہیں رکھتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ [2] مسند ابن حنبل ج سوم ص۔ [3] صحیح مسلم باب السم۔

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر میں رہ جاتی تو آپؐ کو سخت تکلیف[1] ہوتی تھی۔ بلکہ آپؐ اس وقت تک گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہاں خدا کی برکت کے سوا کچھ نہیں[2]۔ اس قسم کے متعدد واقعات جود وسخا کے عنوان میں مذکور ہیں۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے، آپؐ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، وہ پڑی ہوں گی۔ اس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپؐ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا۔ ارشاد ہوا کہ عائشہؓ! کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ پہلے ان کو خیرات[3] کر دو۔

صبر وشکر

رنج وغم کے متعاقب اور توام دوسرے کی زندگی میں نہیں آتے لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصولِ مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور از خود رفتہ نہ ہو تو دوسری طرف مصائب وآلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کرے اور یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے۔ کامیابی دنا کامیابی کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ	جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی
لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ	ہیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوانِ قضا
اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝	میں لکھ لی گئی ہیں، یہ بات خدا کے لئے آسان
لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا	ہے یہ اس لئے کیا گیا تاکہ تم ناکامی پر غم اور

---

[1] صحیح بخاری باب من صلی بالناس فذکر حاجۃ فتخطاہم، ومسند احمد ج ششم۔ [2] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین۔ [3] مسند احمد وابن سعد جزء الوفاۃ۔

بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝

حصولِ مقصد پر فخر نہ کرو۔ خدا مغرور اور فخار کو دوست نہیں رکھتا۔

(الحدید: ۲۲-۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو اس آسمان کے نیچے نوعِ انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں۔ تاہم آپؐ کے آئینۂ دل میں کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا۔ آپؐ نے فرمایا، انا سید ولد آدم ولا فخر (میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں لیکن مجھے اس پر فخر نہیں)۔ عدی بن حاتم طائی نے جو مذہباً عیسائی تھے، آپؐ کے جو حالات سُنے تھے۔ اُن کی بنا پر اُن کو یہ شک تھا کہ آپؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضرِ خدمت ہوئے تو عین اُسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لئے بارگاہِ اقدس میں آئی اور مجمع سے ذرا ہٹ کر کچھ سُن لینے کی درخواست کی۔ آپؐ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس وقت تک گلی میں کھڑے رہے جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدی کہتے ہیں کہ آپؐ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپؐ پیغمبر ہیں بادشاہ نہیں[1]۔

مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن مکّہ و خیبر کا فاتح اُس وقت بھی اپنا سرِ نیاز بارگاہِ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا۔ ابنِ اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتحِ مکّہ میں جب آنحضرتؐ ذی طویٰ میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپؐ کو فتح کی عزّت عطا کی ہے تو آپؐ نے اپنی سواری پر توقّف کیا:

---

[1] سیرۃ ابنِ ہشام جلد دوم۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما انتھی الی ذی طوی وقف علی راحلتہ لیضع راسہ تواضعا للہ حین رای ما اکرمہ اللہ من الفتح حق ان عثنونہ لیکاد یمس واسطۃ الرحل[1]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی طوی میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا تاکہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں۔ پھر یہاں تک آپ جھکے کہ آپ کی ٹھوڑی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔

آنحضرتؐ کثرت سے عبادت اور تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! خدا تو آپ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا۔ اب آپ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں"۔ ارشاد ہوا:

افلا اکون عبدا شکورا[2]

کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں!

یعنی اگر یہ تعبد و تسبیح و تحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لئے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکر گذاری اور احسان مندی کے اعتراف میں ہے۔

دنیا کے اعاظم رجال جن کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا، اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوتِ بازو، اپنے حسنِ تدبیر اور اپنے ذاتی رعب و داب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن مقربینِ الٰہی کی اصطلاح میں یہ تخیل شرک و کفر کے ہم پایہ ہے۔ ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر قادرِ کل کا دستِ غیر مرئی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ حدیث میں ہے[3] کہ

انہ کان اذا جاءہ امر سرور او بشر بہ خر ساجدا شاکرا للہ تعالیٰ

آنحضرتؐ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ [2] صحیح بخاری قیام اللیل۔ [3] ابو داؤد، کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔

قبیلۂ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپؐ کو پہنچی تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا[1]۔ اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپؐ کو خبر دی گئی تو آپؐ فوراً سجدۂ الٰہی بجالائے[2]۔

وحی کے ذریعہ سے جب آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا تو اس رفعِ منزلت پر آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا[3]۔

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ مکّہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام زوعراء کے قریب پہنچے تو آپؐ سواری سے اتر گئے اور ہاتھ اُٹھا کر دیر تک بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، پھر سجدہ میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں پڑے رہے۔ پھر سر اُٹھا کر بدستور دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیر تک سجدہ میں رہے۔ پھر اُٹھ کر تضرّع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبینِ نیاز خاک پر رکھی۔ اس دُعا و سجود سے فارغ ہو کر آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا "میں نے اپنی اُمّت کی مغفرت کے لئے خدا سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصّہ مقبول ہوا۔ میں شکر کے لئے سجدہ میں گرا۔ پھر مزید درخواست کی۔ اس نے وہ بھی قبول کی۔ میں سجدۂ شکر بجالایا۔ اور پھر دعا و زاری کی۔ اس نے اس کو بھی درجۂ استجابت بخشا اور پھر میں سجدہ[4] میں گر پڑا۔"

سورۂ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اسی وصف کو نمایاں فرمایا ہے:

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ	(اے پیغمبر) دن کے پہلے پہر کی قسم۔ اور رات
رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ	کی قسم جب وہ پردہ ڈال دے کہ تیری پروردگار
مِنَ الْاُوْلٰى ؕ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ	نے نہ تجھ کو چھوڑا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا یقیناً
فَتَرْضٰى ؕ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۖ	تیری پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہے۔ وہ تجھ کو وہ
وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۖ وَوَجَدَكَ	کچھ دے گا جس سے تو خوش ہو جائیگا کیا اس نے

---

[1] زاد المعاد بحوالہ بیہقی سند علی شرط البخاری جلد اول۔ [2] زاد المعاد بحوالہ ابن ماجہ۔ [3] مسند احمد عن عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ [4] ابوداؤد کتاب السجود۔

عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝
وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ
رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

(الضحیٰ: ۱-۱۱)

تجھ کو یتیم نہیں پایا تو اپنے پناہ میں لے لیا اور
تجھ کو راہِ حق کا جویاں پایا تو اس نے سیدھی
راہ دکھادی۔ اور تجھ کو مفلس پایا تو غنی کر دیا۔
(ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور
سائل کو نہ جھڑکنا۔ اور اپنے پروردگار کے احسان
کو یاد کرتے رہنا۔

آپؐ کی سوانحِ زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپؐ عمر بھر کیونکر اس ارشادِ ربانی کی تعمیل کرتے رہے۔

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک میں یہ دونوں متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے اور آپؐ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا۔ حدیث شریف میں ہے ایک صحابیؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہؐ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آئی ہے"؟ ارشاد ہوا کہ پیغمبروں پر پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں[1] پر۔ واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔ آپؐ سرورِ انبیاءؑ تھے۔ اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپؐ کے دوشِ مبارک پر تھا۔ اسی لئے قرآن مجید میں بار بار آپؐ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۂ احقاف میں ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ
الرُّسُلِ

(الاحقاف: ۳۵)

اے پیغمبر، جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے
صبر کیا تم بھی صبر کرو۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، باب الصبر علی البلاء۔

آپؐ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا۔ عہدِ طفولیت میں تھے کہ سر سے ماں کا سایہ اُٹھ گیا۔ اس کے دو برس کے بعد دادا نے جن کی نگاہ لطف زخمِ یتیمی کا مرہم تھی، وفات پائی۔ نبوّت کے بعد ابوطالب نے جو قریش کے ظلم و ستم کے پسر تھے، مفارقت کی۔ محرمِ اسرار ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ جو اس ہجومِ مصائب میں آپؐ کی تنہا مونس و غمخوار تھیں، موت نے اُن کو بھی اسی زمانہ میں آپؐ سے علیحدہ کر دیا۔ والدین اور زوجہ کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبّت ہوتی ہے جس کی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہیں ہوتا۔ آپؐ کی اولادِ ذکور حسبِ اختلافِ روایت کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ تھی۔ لڑکیوں کی تعداد چار تھی لیکن ایک (حضرت فاطمہؓ) کے سوا سب نے کمسنی یا جوانی میں آپؐ کی نگاہوں کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپؐ کی آنکھیں اشک آلود ہوگئیں لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر و سکینت کی مہر لگی رہی۔ اور کبھی کوئی کلمہ زبانِ مبارک سے ایسا نہیں نکلا جس سے کارکنانِ قضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو۔

آپؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ۸ھ میں وفات پائی تو تجہیز و تکفین کے متعلق آپؐ نے خود بہ نفس نفیس ہدایات دیں۔ جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے لیکن زبانِ مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ حضرت زیدؓ (پروردۂ خاص) اور حضرت جعفرؓ (ابنِ عمّ) دونوں آپؐ کو بہت محبوب تھے۔ غزوۂ موتہ میں اُن کی شہادت کی خبر آئی، تو چشمِ مبارک اشک آلود ہوگئی۔ لیکن اسی اثنار میں حضرت جعفرؓ کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی تو آپؐ نے منع کرا بھیجا۔ آپؐ کا ایک نواسا جس سے آپؐ کو محبت تھی مبتلائے نزع ہوا تو صاحبزادی نے بُلا بھیجا لیکن آپؐ نے اس کے جواب میں سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا:-

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل	اللہ نے جو لے لیا وہ اسی کا تھا، اور جو دیا وہ
عندہ باجل مسمّی فلتصبر و	بھی اسی کا ہے اس کا ہر کام وقتِ مقررہ پر

لتحتسب۔ ہوتا ہے، صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو۔

صاحبزادیؓ نے دوبارہ بہ اصرار بلایا۔ آپؐ چند صحابہؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ بچہ آپؐ کی گود میں رکھ دیا گیا۔ وہ دم توڑ رہا تھا، آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک صحابیؓ نے کہا "یارسول اللہؐ! یہ کیا ہے؟" فرمایا "جذبۂ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے۔ خدا اپنے بندوں میں سے رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔"

ایک بار آپؐ سعد بن عبادہؓ کی عیادت کو تشریف لائے اور اُن کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ "انتقال کر گئے"۔ صحابہؓ نے کہا نہیں یارسول اللہؐ۔ آپؐ رو پڑے تو آپؐ کو روتے دیکھ کر صحابہؓ بھی رو پڑے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہیں کرتا۔ لیکن زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت جب آپؐ کی آنکھوں سے اشکِ محبت جاری ہوئے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا "یارسول اللہؐ! یہ کیا بات ہے۔" فرمایا "یہ رحمت و شفقت ہے" حضرت عبدالرحمٰن نے دوبارہ گذارش کی۔ ارشاد ہوا[1]:

ان العین تدمع و القلب یحزن ولا	آنکھ اشک ریز ہے۔ دل غمگین ہے۔ لیکن
نقول الا ما یرضی ربنا و انا بفراقك	ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو اے
یا ابراھیم لمحزونون۔	ابراہیمؑ ہم تیرے فراق میں بہت غمگین ہیں۔

بہرحال یہ واقعات آتی ہیں یعنی اُن کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے۔ پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب و حوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانۂ صبر لبریز نہ ہونے پائے سخت مشکل ہے۔ ہجرت سے پہلے تیرہ سال تک طائف اور مکہ کے اشقیا نے دعوتِ حق کا جس تحقیر و استہزا، سب و شتم، تعذیب و ایذا رسانی کے ساتھ جواب دیا اس کے دہرانے کی حاجت نہیں۔ مدینہ

---

[1] ان تمام واقعات کے لئے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو۔

منورہ میں آٹھ نو برس تک جن خونی معرکوں کا ہمیشہ سامنا رہا اور دشمنوں نے آپؐ کی جلاوطنی اور قتل و شکست کے جو منصوبے باندھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں لیکن ان تمام تیروں کی بوچھاڑ صبر کے سوا آپؐ نے کس سپر پر روکی!

اس سے بھی زیادہ مشکل ان واقعات پر صبر ہے جو خود اختیاری ہوں۔ فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقراء میں لٹ چکا ہوتا۔ چنانچہ اسی بنا پر خود آپؐ اور تمام اہل بیت کی زندگی اکثر فقر و فاقہ میں گذرتی تھی جسم مبارک کے لئے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہیں ہوتا تھا۔ تاہم یہ تمام شدائد اس لئے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الوان نعمت کی خوشگواری اور لباس ہائے فاخرہ کی مسرت سے کہیں زیادہ تھی۔

لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزما اس تیر کا نشانہ ہے جو دشمنوں کے نہیں بلکہ دوستوں کے ہاتھ سے لگایا جائے۔ دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانوں نے آپؐ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا، اعتراض کیا۔ اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپؐ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریوں نے اعتراض کیا کہ آنحضرتؐ نے یہ دوسروں کو کیوں دے دیا۔ حق تو ہمارا تھا۔ آپؐ کو اس کی خبر پہونچی تو فرمایا:

رحمة الله على موسى قد اوذى اكثر من ذلك فصبر	موسیٰؑ پر خدا کی رحمت ہو۔ وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستوں کی طرف سے) ستائے گئے ہیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔

(بخاری: باب غزوۂ حنین)

اخلاقِ نبویؐ

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (القلم: ۴)

(اے محمدؐ تم اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہو)

(حضرت رسالت پناہؐ) کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصّہ ہے جہاں آکر آپؐ کی زندگی تمام انبیائے کرامؑ اور مصلحینِ عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے۔ تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا تو دنیا اس کے جواب سے عاجز ہو جائے گی۔ دنیا کے تمام مصلحینِ اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح علیہ السلام کا درجہ سب سے بڑا ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلحِ اعظم (بودھ) عملاً کیا تھا۔ کوہِ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کا واعظ (مسیحؑ)، دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا۔ لیکن اُس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زرّیں مقولوں کی تائید میں تم کو معلوم ہے؟ لیکن مکہ کا معلّمِ اُمی پکار کر کہتا تھا۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف: ۲) جو نہیں کرتے، وہ کہتے کیوں ہو۔

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا۔ انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا۔ گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا۔ اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون رازداں ہو سکتا ہے۔ چند صاحبوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضرتؐ کے اخلاق بیان کیجئے۔ انہوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔

ان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن — آپؐ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔[1]

موجودہ صحائفِ آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں۔ لیکن کیا اُن کا ایک حرف بھی اپنے مُبلّغین کے عمل کا مدعی ہے۔ قرآن مجید لاکھوں مخالفین و اہلِ عناد کی بھیڑ میں اپنے داعیٔ حق کی نسبت گویا تھا:

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○ (القلم: ۴) — اے محمدؐ تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

بیدرد نکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپؐ کو سنگ دل کہتے ہیں۔ لیکن اُس وقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپؐ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران: ۱۵۹) — خدا کی عنایت سے تم اُن سے بہ نرمی پیش آتے ہو۔ اگر تم کہیں کج خُلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے اُس پاس سے ہٹ جاتے۔

دوسری جگہ کہتا ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (التوبۃ: ۱۲۸) — تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا۔ اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے۔ اہلِ ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیدیا گیا۔ حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تہ میں

---

[1] ابوداؤد باب الصلوٰۃ فی اللیل۔

اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے۔ دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرتؐ کے عنوانِ اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیئے۔

اخلاقِ نبویؐ کا جامع بیان اس سے پہلے کہ حضور انورؐ کے اخلاقِ مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، اُن صاحبوں کے بیانات زیرِ تحریر آتے ہیں۔ جنھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں سالہا سال اور مدتہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپؐ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حروف سے واقف تھے انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد پچیس برس تک آپؐ کی خدمتِ زوجیت میں رہی تھیں، زمانۂ آغازِ وحی میں آپؐ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں "ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم خدا آپؐ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ آپؐ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اُٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں"[1]

امہات المومنینؓ میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپؐ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں آنحضرتؐ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔ آپؐ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو اُن میں جو آسان ہوتی اُس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ ورنہ آپؐ اس سے بہت دور ہوتے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ لیکن جو احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اُس سے انتقام لیتا تھا[2] یعنی خدا کی طرف سے

---

[1] صحیح بخاری باب بدالوحی۔ [2] جامع ترمذی و شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الادب۔

بموجب احکامِ ربانی آپؐ اس پر حد جاری فرماتے تھے آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپؐ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، عورت کو[1] جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی۔ لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو[2]۔ آپؐ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے[3]۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے[4]۔

حضرت علیؓ جو آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ تھے اور آغازِ نبوّت سے آخر عمر تک کم از کم تیئس برس آپؐ کی خدمتِ اقدس میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے اُن سے آپؐ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا[5]۔ آپؐ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ بات بات پر شور نہیں کرتے تھے۔ کوئی بُرا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپؐ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے۔ کوئی آپؐ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے (یعنی صراحتہً انکار و تردید نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خاموش رہتے تھے۔ اور مزاج شناس آپؐ کے تیور سے آپؐ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزیں آپؐ نے بالکل دور کر دی تھیں۔ بحث و مباحثہ ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔ کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے وہی باتیں کرتے۔ جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپ کلام کرتے صحابہؓ اسطرح خاموش ہو کر اور سر

---

[1] یہ تفصیل مسلم اور ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ [2] حاکم بسند متصل۔ اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم میں بھی ہیں [3] طبقات ابن سعد [4] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد۔

جھکا کرتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جب آپؐ چپ ہو جاتے تو پھر اہل مجلس بات چیت کرتے۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے آپؐ بھی مسکرا دیتے جن پر لوگ تعجب کرتے آپؐ بھی کرتے کوئی باہر کا آدمی اگر بیباکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپؐ کے احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپؐ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔[1] نہایت فیاض نہایت راست گو نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتہً آپؐ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا۔ لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔"

ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا آنحضرتؐ کے آغوش پروردہ تھے وہ بیان کرتے ہیں[2] کہ آپؐ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپؐ کو غصہ آجاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپؐ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا،

مداومتِ عمل اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اسقدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرتہً اسی پر مجبول ہے۔ آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہو سکتا رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے وہ روشنی کی علت نہیں۔ درخت اپنی موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایامِ بہار ہی میں پھولتے ہیں۔ حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال واخلاق سے ایک سرمو تجاوز نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار

---

[1] پوری تفصیل شمائل ترمذی بیان اخلاق میں ہے [2] یہ ٹکڑا شمائل ترمذی بیانِ حلیہ مبارک میں ہے ۱۲ شمائل ترمذی۔

پیدا ہوا ہے۔ وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی۔ اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے۔ اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں۔ وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہیں۔ اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اور اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لئے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اسی کا نام استقامتِ حال اور مداومتِ عمل ہے۔

آنحضرتؐ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے۔ جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپؐ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ سُنّت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے۔ سُنّت وہ فعل ہے جس پر آنحضرتؐ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا۔ اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپؐ کی استقامتِ حال اور مداومتِ عمل کی ناقابلِ انکار مثالیں ہیں۔ آپؐ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپؐ کے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر اُن میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپؐ کسی خاص دن یہ کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا لا کان عملہ دیمۃ (آپؐ کا عمل جھڑی ہوتا تھا)

یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی اسی طرح آپ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کر لی ہمیشہ اُسکی پابندی کی پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستطیع آنحضرتؐ جو کر سکتے تھے وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے[1]۔ دوسری روایت میں ہے۔

وکان اذا عمل عملا اثبتہ[2]	جب آنحضرتؐ کوئی کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے[3]۔

اس لئے آنحضرتؐ کا خود ارشاد ہے

ان احب العمل الی اللہ ادومہ[4]	خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔

آپؐ راتوں کو اُٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی رات کی عبادت ترک نہیں کی۔ اگر کبھی مزاجِ اقدس ناساز یا سُست ہوا تو بیٹھ کر[5] ادا کرتے تھے[6]۔ جریر بن عبداللہؓ ایک صحابی ہیں جن کو دیکھ کر آپؐ محبت سے مُسکرا دیا کرتے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپؐ نے مُسکرا نہ دیا ہو[7]۔

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپؐ نے مقرر کر لیا تھا اُس میں کبھی تخلّف نہ ہوا۔ نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہ آیا۔ اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے)

حُسنِ خلق (حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ہند بن ابی ہالہؓ وغیرہ جو مدتوں آپؐ کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا متفقاً بیان ہے کہ آپؐ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور خوش سیرت

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق [2] ابوداؤد آخر کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الادب [3] ابوداؤد آخر کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الادب
[4] ابوداؤد باب قیام اللیل [5] صحیح مسلم، مناقب جریر بن عبداللہؓ۔

تھے آپ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے، معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اُس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے[1]

اکثر نوکر چاکر، لونڈی غلام خدمتِ اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ اس میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ متبرک ہو جائے۔ جاڑوں کا دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ کبھی انکار نہ فرماتے[2]

ایک دفعہ آپ سعد بن عبادہؓ سے ملنے گئے۔ واپس آنے لگے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ قیسؓ کو ساتھ کر دیا کہ آنحضرتؐ کے ہمرکاب جائیں۔ آنحضرتؐ نے قیسؓ سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو۔ انہوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو یا گھر واپس جاؤ۔ وہ واپس چلے آئے[3]

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی۔ آپؐ نے اُس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفسِ نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گذاری کی ہے اس لئے میں خود اُن کی خدمت گذاری کرنی چاہتا ہوں[4]

حضرت عتبان بن مالکؓ نے جو اصحابِ بدر میں تھے، اُن کی بینائی میں فرق آگیا تھا۔ آنحضرتؐ کی

---

[1] ابو داؤد و ترمذی۔ [2] صحیح مسلم باب فی قرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الناس۔ [3] سنن ابی داؤد کتاب الادب
[4] شرح شفائے قاضی عیاض بحوالہ دلائل بیہقی جلد ۱ خلاق۔

خدمت میں آکر درخواست کی کہ میں اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہوجاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہوجاتا ہے اس لئے اگر آپؐ میرے گھر میں تشریف لاکر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر اُن کے گھر گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جگہ بتا دی۔ آپؐ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا۔ خزیرہ ایک کھانا ہوتا ہے۔ قیمہ پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں۔ وہ سامنے آیا۔ محلّہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے حاضرین میں سے کسی نے کہا مالک بن دخشن نظر نہیں آتے۔ ایک نے کہا وہ منافق ہے۔ ارشاد فرمایا یہ نہ کہو وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں لوگوں نے کہا ہاں، ان کا میلان منافقین کی طرف ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص خدا کی مرضی کے لئے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے۔[1]

ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرتؐ اور تمام مہاجرین انصار کے گھر میں مہمان رہے تھے۔ دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتار دی گئی تھی۔ مقداد بن الاسودؓ کہتے ہیں کہ میں اُس جماعت میں تھا جس میں خود آنحضرتؐ شامل تھے۔ گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دُودھ پر گذارا تھا۔ دُودھ دُوھ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپؐ کے لئے پیالہ میں چھوڑ دیتے۔ ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی لوگ دُودھ پی پی کر سو رہے۔ آپؐ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا۔ خاموش ہو رہے پھر فرمایا "خدایا جو آج کھلا دے اُس کو تو بھی کھلا دینا"۔ حضرت مقدادؓ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری ذبح کر کے گوشت پکائیں۔ آپؐ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دُوھ کر جو کچھ نکلا اُسی کو پی کر سو رہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد اول، کتاب الصلوٰۃ۔

اور[1] کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔

ابو شعیبؓ ایک انصاری تھے۔ اُن کا غلام بازار میں گوشت کی دُکان رکھتا تھا۔ ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں آئے۔ آپؐ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے اور چہرے سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابو شعیبؓ نے جاکر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ صحابہؓ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں۔ کل پانچ آدمی تھے۔ راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا۔ آنحضرتؐ نے ابو شعیبؓ سے کہا یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے۔ تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے۔ ورنہ رخصت کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا آپؐ اُن کو بھی ساتھ لائیں۔[2]

عقبہ بن عامرؓ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ پہاڑ کے درّہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ آنحضرتؐ نے اُن سے کہا کہ آؤ سوار ہو لو۔ اُنہوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہؐ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ کہا۔ اب انکار کرنا امتثالِ امر کے خلاف تھا۔ آنحضرتؐ اتر پڑے اور یہ سوار ہو لئے۔[3]

مجالسِ صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ حضرت زینبؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوتِ ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینبؓ بھی مجلس میں شریک تھیں۔ آپؐ چاہتے تھے کہ لوگ اُٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ آپؐ اُٹھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے تک گئے۔ واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا۔ پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔ پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری۔[4]

---

[1] مسند ابن حنبل ج ششم [2] صحیح بخاری [3] نسائی [4] صحیح بخاری، باب آیۃ الحجاب۔

غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آگیا۔ حسبِ دستور ٹھہر گئے۔ مؤذن نے اذان دی۔ ابو محذورہ جو اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے۔ اذان سُن کر سب نے چلّا چلّا کر استہزاء کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی۔ آنحضرتؐ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ ابو محذورہؓ خوش لحن تھے۔ اُن کی آواز پسند آئی۔ سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لئے دعا کی۔ پھر اُن کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔[1]

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپؐ نے پوچھا ڈھیلے کیوں چلاتے ہو؟ میں نے کہا کھجوروں کے لئے۔ ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھا لیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو۔ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔[2]

عباد بن شرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے۔ ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے کچھ دامن میں رکھ لئے۔ باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اُس نے آکر اُن کو مارا اور کپڑے اتروا لئے۔ یہ آنحضرتؐ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ مدعا علیہ بھی ساتھ تھا آپؐ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینی تھی۔ یہ بھوکا تھا اُس کو کھانا کھلانا تھا۔ یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلّہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔[3]

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو اُن کو گھروں سے نکال دیتے اور اُن کے

---

[1] دار قطنی اوّل جلد کتاب الصلوٰۃ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد [3] ابوداؤد جلد اوّل کتاب الجہاد۔

دادوستد رکھتے۔ سخت سے سخت غصہ کی حالت میں صرف اس قدر فرماتے اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔"[1]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا۔ ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہو سکا۔ اس سے پورا سال گذر گیا۔ بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا۔ اب کے بھی پھل کم آئے۔ میں نے آئندہ فصل کی مہلت مانگی۔ اُس نے انکار کیا۔ میں آنحضرتؐ سے آکر تمام واقعات بیان کئے آپؐ چند صحابہؓ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دیدو۔ اُس نے کہا ابوالقاسم! میں کبھی مہلت نہ دوں گا۔" آپؐ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اُس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ بالآخر آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر (جو مسقف تھا) فرش بچھا دو۔ اس پر آرام فرمایا اور سو گئے۔ اٹھ کر اُٹھے تو پھر یہودی سے خواہش ظاہر کی کہ مہلت دیدے۔ اس شقی نے اب بھی نہ مانا۔ آپؐ درختوں کے جھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور جابرؓ سے کہا کہ کھجوریں توڑنی شروع کرو۔ آنحضرتؐ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرض ادا کر کے بچ رہیں۔[2]

مجلسِ نبویؐ میں جگہ بہت کم ہوتی تھی۔ جو لوگ پہلے سے آکر بیٹھ جاتے تھے اُن کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اُس کے لئے آپؐ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ مقام جعرانہ میں آنحضرتؐ تشریف فرما تھے اور اپنے ہاتھوں سے لوگوں کو گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپؐ کے پاس چلی گئی۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو اُس کی نہایت تعظیم کی۔ اپنی چادرِ مبارک اس کے لئے بچھا دی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون

---

[1] ادب المفرد امام بخاری [2] صحیح بخاری باب الرطب والتمر۔

عورت تھی تو لوگوں نے کہا یہ حضورؐ کی رضاعی ماں تھیں۔[1]

اسی طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے رضاعی والد آئے آپؐ نے اُن کے لئے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں۔ آپؐ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔[2]

حضرت ابوذرؓ مشہور صحابی ہیں۔ ایک دفعہ اُن کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے۔ تھوڑی دیر بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ لیٹے ہوئے تھے اِن کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگا لیا۔[3]

حضرت جعفرؓ بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو اُن کو گلے لگا لیا اور اُن کی پیشانی کو بوسہ[4] دیا۔

سلام میں پیشدستی فرماتے۔ راستہ میں جب چلتے تو مرد، عورتیں، بچے جو سامنے آتے اُن کو سلام کرتے۔[5] ایک دفعہ آپؐ راستہ سے گذر رہے تھے۔ ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یکجا بیٹھے ملے۔ آپؐ نے سب کو سلام کیا۔[6]

کسی کی کوئی بات بُری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اُس کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لوگ ایسا کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اس لئے اختیار فرماتے تھے کہ شخصِ مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساسِ غیرت میں کمی نہ آجائے۔

حسنِ معاملہ | اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہاں تک کہ وفات

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب [2] ابوداؤد کتاب الادب بر الوالدین [3] ابوداؤد کتاب الادب باب المعانقۃ [4] ابوداؤد کتاب الادب، باب المعانقۃ۔ [5] بخاری و ابوداؤد باب السلام [6] صحیح بخاری باب السلام علی مجلسۃ فیہا الکافر

کے وقت بھی آپؐ کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہاں گروی تھی۔ لیکن ہر حال میں حسن معاملت کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ میں دولتمند عموماً یہودی تھے اور اکثر ان ہی سے آپؐ قرض لیا کرتے۔ یہودی عموماً دُنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہیں۔ آپؐ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

(نبوّت سے پہلے جن لوگوں سے آپؐ کے تاجرانہ تعلقات تھے انہوں نے ہمیشہ آپؐ کی دیانت اور حُسنِ معاملہ کا اعتراف کیا ہے۔ اسی لئے قریش نے متفقاً آپؐ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوّت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے تاہم اُن کی دولت کے لئے مامون مقام آپؐ ہی کا کاشانہ تھا۔ عرب میں سائبؓ نام ایک تاجر تھے وہ مسلمان ہوکر بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپؐ سے ان کا تعارف کرایا۔ آپؐ نے فرمایا میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں"۔ سائبؓ نے کہا میرے ماں باپ فدا۔ آپؐ میری ساجھی تھے۔ لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا[1])

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض کے طور پر لیں۔ چند روز کے بعد وہ تقاضے کو آیا آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دیں اور انصاری نے کھجوریں دیں لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس نے دی تھیں۔ اس شخص نے لینے سے انکار کیا۔ انصاری نے کہا تم رسول اللہؐ کی عطا کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ بولا ہاں رسول اللہؐ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے"۔ آنحضرتؐ نے یہ جملے سُنے تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے[2]۔ ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرتؐ پر تھا۔ بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہیں۔ اُس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی۔ صحابہؓ

---

[1] ابو داؤد ج دوم۔ [2] ترغیب و ترہیب بحوالہ مسند احمد جلد دوم۔

نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھ کو خبر ہے کہ تو کس سے ہم کلام ہے۔ بولا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔ آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس کا حق ہے (قرض خواہ کو بولنے کا حق ہے۔ اس کے بعد صحابہؓ کو اس کا قرض ادا کر دینے کا حکم صادر فرمایا اور زیادہ دلوایا۔[1])

ایک غزوہ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ ہمرکاب تھے۔ ان کی سواری میں جو اونٹ تھا سست رو تھا اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو گیا تھا۔ آپ نے اونٹ ان سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دے دیا کہ دونوں تمہارے ہیں۔[2]

(یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح پر ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو۔ انہوں نے دی۔ آپؐ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا۔ پھر آنحضرتؐ نے ان سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت جابر بن عبداللہؓ نے قیمت طلب کی۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ ان کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔[3])

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پہ کچھ قرض تو نہیں ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو صحابہؓ سے فرماتے کہ جنازہ کی نماز پڑھا دو۔ خود شریک نہ ہوتے۔[4]

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا۔ جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔[5]

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا۔ سوءِ اتفاق سے وہ گم ہو گیا۔

---

[1] ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان [2] صحیح بخاری باب شری الدواب۔ [3] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ [4] صحیح بخاری کتاب النفقات [5] ترمذی باب استقراض بالسیر۔

تو اس کا تاوان ادا فرمایا۔[1]

عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا بجز اس دینار کے جس کو قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں۔[2]

ایک دفعہ ایک بدو اُونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا۔ آنحضرتؐ کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں۔ آپؐ نے ایک دستی چھوہاروں پر گوشت چکا لیا۔ گھر میں آکر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے۔ باہر تشریف لاکر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں۔ اُس نے واویلا مچائی کہ ہائے بد دیانتی! لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہؐ بد دیانتی کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو۔ اس کو کہنے کا حق ہے۔ پھر قصاب کی طرف خطاب کر کے وہی فقرہ ادا کیا۔ اُس نے پھر وہی لفظ کہے۔ لوگوں نے پھر روکا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو کہنے دو۔ اس کو کہنے کا حق ہے اور اس جملہ کو کئی بار دہراتے رہے۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک انصاریہ کے ہاں اُس کو بھجوایا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے۔ جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا تو آپؐ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس کا دل آپؐ کے حلم و عفو اور حُسنِ معاملت سے متاثر تھا۔ دیکھنے کے ساتھ بولا محمدؐ! تم کو خدا جزائے خیر دے تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی۔[3]

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش ہوا۔ ایک سُرخ رنگ کا اُونٹ اُس کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً اُدھر سے آپؐ کا گذر ہوا۔ آپؐ نے اُونٹ کی قیمت پوچھی۔

---

[1] ترمذی، ابواب الکلام۔ [2] صحیح بخاری ج اوّل، کتاب الاستقراض۔

[3] مسند ابن حنبل جلد ششم۔

لوگوں نے قیمت بتائی بے مول تول کئے آنحضرتؐ نے وہی قیمت منظور کرلی۔ اُونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی۔ قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی۔ اُس نے کہا "مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا" یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا۔ رات ہوئی تو آپؐ نے اُن کے لئے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔[1]

غزوۂ حنین میں آپؐ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ صفوان اُس وقت تک کافر تھے۔ اُن کے پاس بہت سی زرہیں تھیں۔ آپؐ نے اُن سے کچھ زرہیں طلب کیں۔ انہوں نے کہا محمدؐ! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟ فرمایا "نہیں۔ میں عاریۃً مانگتا ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دونگا"۔ چنانچہ انہوں نے چالیس زرہیں مسلمانوں کو عاریۃً دیں۔ حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ اور دیگر سامانوں کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہیں کم نکلیں۔ آپؐ نے صفوان سے کہا تمہاری چند زرہیں کم ہیں ان کا معاوضہ لے لو۔ صفوان نے عرض کی "یارسول اللہؐ میرے دل کی حالت پہلے جیسی نہیں"[2] یعنی مسلمان ہو گیا۔ اب معاوضہ کی حاجت نہیں)۔

عدل و انصاف کوئی شخص گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے تو اُس کے لئے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے آنحضرتؐ کو عرب کے سیکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا۔ یہ آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے۔ ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا۔ اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرتؐ کو تالیفِ قلوب سے کام لینا پڑتا۔ ان سب مشکلات اور پیچیدگیوں پر بھی عدل و انصاف کا پلّہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا۔

فتح مکّہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردنِ تسلیم خم نہیں کی۔

---

[1] دار قطنی جلد ثانی کتاب البیوع [2] ابوداؤد باب تضمین العاریۃ۔

آنحضرتؐ نے اس کا محاصرہ کیا۔ لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھا لینا پڑا۔ صخر ایک رئیس تھے اُن کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جا کر طائف کی حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہو گئے۔ صخر نے بارگاہِ نبوت میں اطلاع کی۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے۔ آپؐ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو اُن کے گھر پہنچا دو۔ اُس کے بعد بنو سلیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلا دیا جائے۔ آپؐ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنی جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لئے اُن کو اُن کا چشمہ دے دو۔ صخر کو منظور کرنا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرتؐ کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کئے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کے چہرہ پر شرم سے سُرخی آگئی[1] کہ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا اُن کو کوئی صلہ نہ ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندانِ مخزوم سے تھی چوری کی۔ قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبِ خاص تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجئے۔ اُنہوں نے آنحضرتؐ سے معافی کی درخواست کی۔ آپؐ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اس کی بدولت تباہ ہوتے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امرا سے درگذر کرتے تھے[2]۔

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہ

---

[1] ابوداؤد۔ [2] صحیح بخاری کتاب الحدود۔

ابن سہلؓ ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کے لئے گئے۔ محیصہؓ اُن کے حقیقی بھائی ساتھ تھے۔ عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر استغاثہ کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے اُن کو قتل کیا"۔ بولے "میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا"۔ آپؐ نے فرمایا "تو یہود سے حلف لیا جائے"۔ بولے "حضرتؐ! یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا۔ یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھالیں گے"۔

خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ یہ یقینی تھا کہ یہودیوں ہی نے عبداللہ بن سہلؓ کو قتل کیا ہے۔ تاہم چونکہ کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے یہود سے تعرض نہیں فرمایا اور خون بہا کے سو اُونٹ بیت المال سے دلوائے[1]۔

طارق محارلی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ زنانی سواری بھی ساتھ تھی۔ ہم سب بیٹھے ہوتے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور سلام علیک کی۔ ہم نے سلام کا جواب دیا۔ ہمارے ساتھ سُرخ رنگ کا اُونٹ تھا۔ اس کی قیمت پوچھی۔ ہم نے جواب دیا اتنی کھجوریں۔ انہوں نے کچھ مول تول نہیں کیا اور وہی قیمت منظور کر لی۔ پھر اُونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ اُن کو پہچانتے نہیں۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا۔ محمل نشیں خاتون نے کہا مطمئن رہو۔ ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن

---

[1] یہ واقعہ بخاری و نسائی وغیرہ میں (باب القسامۃ) میں باختلافِ روایات مذکور ہے۔

نہیں دیکھا"۔ (یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لئے کھانا اور کھجوریں بھیجی ہیں۔ دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ میں آئے آنحضرتؐ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اُٹھ کر کہا یا رسول اللہؐ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہیں اور اُن کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بدلہ میں اُن کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے" آپؐ نے فرمایا" باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں[1] لیا جا سکتا"۔

سرقؓ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے ایک بدوی سے ایک اُونٹ مول لیا۔ لیکن قیمت نہ ادا ہو سکی۔ بدو اُن کو پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ قیمت ادا کر دو۔ انہوں نے ناداری کا عذر کیا۔ آپؐ نے بدو سے کہا کہ بازار لے جا کر ان کو فروخت کر لو۔ بدو اُن کو بازار میں لے گیا۔ ایک صاحب نے دام دے کر بدو سے خریدا اور آزاد کر دیا[2]۔

ابو حدرد اسلمیؓ ایک صحابی تھے۔ جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا اور اُن کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرتؐ خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے۔ ابو حدردؓ نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور اُن کو پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اُن کا قرض ادا کر دو۔ انہوں نے عذر کیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا۔ انہوں نے پھر یہی جواب دیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! غزوۂ خیبر قریب ہے۔ شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کر دوں۔ آپؐ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کر دو۔ آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ

---

[1] دار قطنی جلد دوم [2] دار قطنی جلد دوم [3] ابو داؤد باب تضمین العاریۃ جلد ثانی۔

بندھا تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا[۳]

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ کے شدید ترین دشمن تھے اپنے مقدمات آپ ہی کی بارگاہِ عدالت لاتے تھے اور اُن کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے۔ اسلام سے پہلے یہودیانِ بنو نضیر و قریظہ میں عزت و شرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی۔ کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔ اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرتؐ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپؐ نے فوراً توراۃ کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص[۴] جاری کر دیا۔

عدل انصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے ایک بار آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے لوگوں کا گرد و پیش ہجوم تھا۔ ایک شخص آکر منہ کے بل آپؐ پر لد گیا۔ دستِ مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی۔ آپؐ نے اس سے اُس کو ٹھوکا دیا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی۔ فرمایا "مجھ سے انتقام لے لو"۔ اس نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میں نے معاف کر دیا"[۵]۔

مرض الموت میں آپؐ نے مجمعِ عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا۔ جو دلوا دیئے گئے[۶]

---

۳ مسند احمد جلد سوم، معجم صغیر طبرانی، معجم عبدان۔ ۴ ابوداؤد کتاب الدیات ۵ ابوداؤد و باب العفو بغیر حد یہ ۶ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام۔

جود وسخا | جود وسخا آپؐ کی فطرت تھی۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپؐ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔[1] تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔[2]

انما انا قاسم وخازن واللہ یعطی[3] — میں نے تو صرف دین بانٹنے والا اور خازن ہوں اور دیتا اللہ ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپؐ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اُس نے آپؐ سے درخواست کی اور آپؐ نے سب کی سب دیدیں۔ اُس نے اپنے قبیلہ میں جاکر کہا کہ اسلام قبول کرلو محمدؐ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہوجانے کی پروا[4] نہیں کرتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا۔ آپؐ نے فرمایا "اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے تم میرے ساتھ آؤ"۔ حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ عرض کی کہ آپؐ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپؐ پر کیا ذمہ داری ہے۔ ایک اور صاحب حاضر تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ آپؐ دیئے جایئے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریے۔ وہ آپؐ کو محتاج نہ کرے گا۔ آپؐ فرطِ بشاشت سے مسکرا دیئے۔[5]

(عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا اگر آپؐ کے پاس کچھ سرمایہ موجود رہتا تو اُس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ورنہ وعدہ فرماتے۔ اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہوگئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامتِ نماز کے وقت ایک بدو آیا۔

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق۔

[3] صحیح بخاری باب فرض الخمس [4] صحیح مسلم ج دوم [5] ادب المفرد امام بخاری۔

آپؐ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے۔ خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں اس کو پورا کر دیجئے۔ چنانچہ آپؐ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔[1]

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے۔ قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اُس کو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ایک اُونٹ خریدا اور پھر اُسی وقت اُس کو عبداللہ بن عمرؓ کو دے دیا۔ حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اس قسم کا ایک واقعہ مذکور ہے۔[2]

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ تمام صحابہؓ کو شریک فرما لیتے۔ کسی غزوہ میں ایک سو تیس صحابہؓ ہمراہ تھے۔ آپؐ نے ایک بکری خرید کر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا۔ وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہؓ کو تقسیم فرمایا۔ جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا۔[3]

جو چیز آنحضرتؐ کے پاس آتی جب تک صرف نہ ہو جاتی، آپؐ کو چین نہ آتا۔ بیقراری سی رہتی۔ اُمّ المومنین اُمِ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ گھر میں تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا۔ اُم سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! خیر ہے۔ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہو گئی وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔[4]

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "ابوذرؓ! اگر اُحد کا پہاڑ

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل [2] صحیح بخاری جلد اوّل۔
[3] صحیح مسلم [4] مسند ابنِ حنبل جلد ششم

میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لئے چھوڑ دوں۔[1]

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کر دی جاتی گھر میں آرام نہ فرماتے۔ رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹوں پر غلہ بار کر کے خدمتِ نبوی میں بھیجا۔ حضرت بلالؓ نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا۔ پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر اطلاع کی آپؐ نے پوچھا کچھ بچا نہیں رہا؟ بولے ہاں کچھ بچ رہا۔ فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا میں نہیں جا سکتا۔ حضرت بلالؓ نے کہا میں کیا کروں کوئی سائل نہیں۔ آنحضرتؐ نے مسجد میں رات بسر کی۔ دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آکر کہا یا رسول اللہؐ! خدا نے آپؐ کو سبک دوش کر دیا۔ یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا۔ آپؐ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔[2]

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلافِ معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ آپؐ نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے۔ اس لئے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔[3]

غزوۂ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرتؐ اُس کو خیرات فرما کر واپس آ رہے تھے۔ راہ میں بدّوؤں کو خبر ملی کہ ادھر سے آنحضرتؐ کا گذر ہونے والا ہے۔ آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو۔ آپؐ ازدحام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاستقراض۔

[2] ابوداؤد باب ہدایا المشرکین۔ [3] صحیح بخاری لیکرہ الرجل الشیٔ فی الصلوٰۃ۔

میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ردائے مبارک تھام لی۔ بالآخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر اُتر کر اُن کے ہاتھ میں رہ گئی۔ فیاضِ عالم نے کہا میری چادر دیدو۔ خدا کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا۔ اور پھر مجھکو بخیل نہ پاتے، نہ دروغگو، نہ نامرد[1]"

لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان مرجائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو میں اس کو ادا کردوں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے[2] مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔

ایک دفعہ آپؐ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ایک بدو آیا اور آپؐ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچ کر بولا۔ محمدؐ! یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے ایک بارِ شتر دے آپؐ نے اُس کے اونٹ کو جَو اور کھجوروں سے لدوا دیا[3]۔

ایک دفعہ بحرین سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام میں نہیں آئی تھی۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو صحنِ مسجد میں ڈلوا دو۔ اس کے بعد جب آپؐ مسجد میں تشریف لائے تو اس پر مڑکر بھی نظر نہ ڈالی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے اس کی تقسیم شروع کی۔ جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے۔ حضرت عباسؓ کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولتمند نہیں رہے تھے اتنا دیا کہ اُٹھ کر چل نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح اور لوگوں کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے۔ جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے[4]۔

اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مرجائے تو اُس کا ترکہ اُس کے

---

[1] صحیح بخاری باب الشجاعۃ فی الحرب [2] صحیح بخاری۔ [3] ابوداؤد کتاب الادب۔

[4] صحیح بخاری ج دوم باب القسمۃ۔

آقا کو ملتا ہے۔ ایک دفعہ آپؐ کا اسی قسم کا ایک غلام مرگیا۔ لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھا کر آپؐ کے پاس لائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے لوگوں نے کہا ہاں ہے۔ "یہ تمام چیزیں اسی کے حوالہ کر دو۔"[1]

ایک دفعہ چند انصار نے آپؐ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے دے دیا پھر مانگا پھر دیا۔ جب تک رہا آپؐ دیتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کے پاس کچھ نہیں رہا۔ لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوتے اور درخواست کی فرمایا "میرے پاس جو کچھ ہو میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔"[2]

ایثار آپؐ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپؐ کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت فاطمہ زہراؓ اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں تو فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ خود چکی پیستیں خود ہی پانی کی مشک بھر کر لاتیں چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں۔ اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے۔ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں۔ جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا۔ اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ابھی

---

[1] مسند ابن حنبل ج دوم [2] صحیح بخاری، کتاب الصدقات۔

[3] یہ روایت کتب احادیث (سنن ابوداؤد وغیرہ) میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک دعا بتا دی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے۔

اصحاب صفّہ کا انتظام نہیں ہوا۔ اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے میں اور طرف توجہ نہیں[1] کر سکتا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہراؓ خدمتِ اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس و تنگدستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کے غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں اُن میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے"[2]

(ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی۔ فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہلِ صفّہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔[3]

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی۔ آپؐ کو ضرورت تھی۔ آپؐ نے لے لی۔ ایک صاحب حاضرِ خدمت تھے۔ انہوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے۔ آپؐ نے اُتار کر اُن کو دے دی۔ جب اُٹھ کر چلے گئے تو اُن کو لوگوں نے ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرتؐ کو چادر کی ضرورت تھی۔ یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرتؐ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لئے لی ہے کہ مجھکو اسی چادر کا کفن دیا جائے[4]

زہد و قناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرتؐ کس عسرت اور تنگدستی میں بسر فرماتے تھے۔ ۵ھ کے بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی ہے۔ عرب میں باغات سب سے بہتر جائداد تھی۔

---

[1] ابوداؤد ج دوم [2] مسند احمد ج اوّل۔

[3] صحیح بخاری باب حُسن الخُلق والسخا و باب من استعد للکفن۔

۳ھ میں یہودیانِ[1] بنو نضیر میں سے مخیریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مشیب، صافیہ، دلال، حسنیٰ، برقہ، اعواف، مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرتؐ کو وصیت کر دئے۔ آپؐ نے سب کو خیرات کر دیا۔ یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا غربا اور مساکین کو دے دیا جاتا تھا[2]۔

ایک صحابیؓ نے شادی کی۔ سامانِ ولیمہ کے لئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ گئے اور جاکر لے آئے۔ حالانکہ کاشانۂ نبوت میں اس ذخیرے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا[3]۔

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا۔ رات کو کھانے کے لئے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپؐ نے اس کی نذر کر دیا۔ یہ تمام رات خانۂ نبوت میں فاقہ سے گذری حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا[4]۔

مہمان نوازی عرب میں مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہِ نبویؐ میں آتے تھے۔ رملہؓ ایک صحابیہ تھیں۔ اُن کا گھر دارالضیوف تھا[5]۔ یہیں لوگ مہمان اُترتے تھے۔ اُمِ شریکؓ جو ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان[6] خانہ تھا۔ مخصوص لوگ مسجد نبویؐ میں اتارے جاتے تھے۔ چنانچہ وفدِ ثقیف یہیں اُترا تھا۔ آنحضرتؐ خود بہ نفسِ نفیس ان مہمانوں کی خاطرداری اور تواضع فرماتے تھے۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پیئے واپس نہ آتے تھے[7]۔

---

[1] فتح الباری شرح کتاب الفرائض [2] اصابہ تذکرہ مخیریق [3] مسند احمد جلد چہارم [4] مسند احمد جلد ششم [5] زرقانی ذکر وفود [6] صحیح مسلم جلد دوم [7] شمائل ترمذی۔

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپؐ کے مہمان ہوتے اور آپؐ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہلِ حبشہ کا وفد آیا تو آپؐ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اُتارا اور خود بہ نفسِ نفیس اُن کی خدمت[1] کی۔ ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپؐ نے ایک بکری کا دُودھ اُسے پلایا۔ وہ سارے کا سارا پی گیا۔ آپؐ نے دوسری بکری منگوائی وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ غرض سات بکریوں تک نوبت آئی۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا آپؐ پلاتے گئے[2]۔

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا وہ اُن کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے[3]۔ آپؐ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے[4]۔

صحابہؓ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحابِ صفہ کا تھا۔ وہ مسلمانوں کے مہمانِ عام تھے۔ لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرتؐ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے تین آدمیوں کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ اُن میں سے پانچ آدمیوں کو ساتھ لے جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین آدمیوں کو ساتھ لائے لیکن آنحضرتؐ دس آدمیوں کو ہمراہ[5] لے گئے۔

اصحابِ صُفہ میں حضرت ابوہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدتِ گرسنگی کی حالت میں گذرگاہِ عام

---

[1] شفائے قاضی عیاض بسند منقص [2] صحیح مسلم باب المومن یاکل فی معیً [3] مسند ابنِ حنبل ج ششم [4] ابوداؤد کتاب الادب [5] صحیح مسلم ج دوم۔

پر بیٹھ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ راستے سے گذرے تو میں نے بطورِ حسنِ طلب کے اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی۔ لیکن وہ گذر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا اُس کے بعد آنحضرتؐ کا گذر ہوا تو آپؐ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ۔ آپؐ گھر میں پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا آپؐ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ آپؐ نے مجھ سے کہا کہ اصحابِ صُفّہ کو بُلا لاؤ۔ میں اُن کو بُلا لایا، تو آپؐ نے مجھ کو دودھ کا پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کردو۔

آنحضرتؐ کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اُٹھا سکتے تھے۔ جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور اصحابِ صُفّہ اُس کے گرد بیٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرتؐ کو اوکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لئے جگہ نکل آئے۔[1]

حضرت مقدادؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی۔ ہم لوگوں نے اپنے تکفّل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کی۔ آخر ہم لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ دولتخانہ پر لے گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو۔ چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دوھ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔[2]

ایک دن اصحابِ صُفّہ کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ۔ چونی کا پکّا ہوا کھانا سامنے لاکر رکھا گیا۔ آپؐ نے کھانے کی کوئی اور چیز

---

[1] ترمذی [2] ابوداؤد کتاب الاطعمہ۔ [3] صحیح مسلم ج دوم۔

طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا۔ اس کے بعد بڑے پیالہ میں دُودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامانِ مہمانی کی آخری قسط تھی۔[1]

گداگری اور سوال سے نفرت باوجود اس کے کہ آپؐ کا ابرِ کرم ہر وقت برستا رہتا تھا، تاہم کسی کا بے ضرورتِ شدید سوال کرنا آپؐ پر سخت گراں ہوتا تھا۔ ارشاد فرماتے کہ "اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد کر لائے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر کہ لوگوں سے سوال کرے۔"

(ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا "تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟" بولے کہ بس ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں اور کچھ بچھا لیتا ہوں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے۔ آپؐ نے دونوں چیزیں منگوائیں پھر فرمایا "یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟" ایک شخص نے ایک درہم لگایا۔ آپؐ نے فرمایا "اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟" ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیئے۔ آپؐ نے دونوں چیزیں دیدیں اور درہم انصاری کو دیے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دے آؤ اور دوسرے سے رسّی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں لاکر شہر میں بیچو۔ پندرہ دن کے بعد وہ خدمتِ اقدس میں آئے تو دس درہم اُن کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ اس سے کچھ کپڑا خریدا، کچھ کا غلّہ مول لیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ اچھا ہے یا کہ قیامت میں چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے۔"[2][3]

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا۔ آپؐ نے عنایت فرمایا۔ پھر جب تک

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الصدقات۔

[3] ابوداؤد ترمذی صدقات۔

کچھ رہا آپؐ نے اُن کی درخواست رد نہیں فرمائی۔ جب کچھ نہیں رہا تو آپؐ نے فرمایا "میرے پاس جب تک کچھ رہے گا میں تم سے بچا کر اُس کو نہیں رکھوں گا لیکن جو شخص اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اُس کو سوال اور گداگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اُس کو بچا دیتا ہے۔ جو خدا سے غنیٰ کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنیٰ مرحمت فرماتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ اُس کو صابر بنا دیتا ہے اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہیں دی گئی ہے"[1]؟

حکیم بن حزامؓ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے آپؐ سے کچھ طلب کیا۔ آپؐ نے عنایت فرمایا کچھ دن کے بعد پھر مانگا۔ آپؐ نے پھر اُن کو دیا۔ تیسری دفعہ پھر سوال کیا۔ پھر کچھ مرحمت کیا۔ اس کے بعد فرمایا "اے حکیم یہ دولت سبز و شیریں ہے جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی جیسی ہے جو کھاتا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ دستِ بالا دستِ زیریں سے بہتر ہے"۔ حکیمؓ پر آنحضرتؐ کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے کبھی کسی سے معمولی چیز بھی نہیں مانگی[2]۔

حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہو گئے۔ آپؐ نے اُن کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا "اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے"[3]۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصدقات [2] صحیح بخاری کتاب الصدقات [3] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ۔

قبیصہ نام ایک صاحب تھے۔ وہ مقروض ہو گئے تھے۔ آپؐ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی۔ آپؐ نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا "اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اُس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو۔ وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اُس کو رُک جانا چاہیے۔ دوسرے اُس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جس نے اُس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا۔ اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے۔ تیسرے اُس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلّہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اُس کو فاقہ ہے۔ اُس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے[1]۔"

صدقہ سے پرہیز آنحضرتؐ اپنے اور اپنے خاندان کے لئے صدقہ و زکوٰۃ لینے کو سخت موجبِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں۔ جی میں آتا ہے کہ اُٹھا کر مُنہ میں ڈال لوں۔ پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو۔ اس لئے ڈال دیتا ہوں[2]۔"

ایک دفعہ راستہ میں ایک کھجور ہاتھ آگئی۔ فرمایا اگر صدقہ کا شبہہ نہ ہوتا تو میں اس کو کھا جاتا[3]۔

ایک بار امام حسنؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے مُنہ میں ایک کھجور ڈال لی۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ۔ [2] بخاری ج اول کتاب اللقطہ۔

[3] بخاری ج اوّل کتاب اللقطہ

آپؐ نے ڈانٹ کر کہا" کیا تمہیں یہ خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا"[1] پھر منہ سے اُگلوا دیا۔

آپؐ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا قبول فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپؐ ہاتھ روک لیتے۔ اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرما دیتے۔

ہدایا اور تحفے قبول کرنا | دوست و احباب کے ہدایا اور تحفے آپؐ قبول فرماتے تھے بلکہ آپؐ نے اس کو ازدیادِ محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے:

تھادوا تحابّوا — باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔

اسی لئے صحابہؓ عموماً کچھ نہ کچھ روز آپؐ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اُس دن بھیجتے تھے جس دن آپؐ حجرۂ عائشہؓ میں قیام فرماتے تھے[2]۔ اوپر گذر چکا ہے کہ کوئی چیز آپؐ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپؐ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے ورنہ احتراز کرتے[3]۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپؐ نے لے لی۔ اُسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی۔ آپؐ نے اُن کو عنایت فرما دی[4]

آس پاس کے ملوک سلاطین بھی آپؐ کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ حدودِ شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا۔ عزیزِ مصر نے ایک خچر مصر سے بھیجا تھا۔ ایک امیر نے آپؐ کو موزے بھیجے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری ج دوم کتاب الصدقات [2] صحیح بخاری مناقب عائشہؓ [3] صحیح بخاری کتاب الصدقہ [4] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

ایک دفعہ قیصرِ روم نے آپؐ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ذرا دیر کے لئے پہن لی۔ پھر اتار کر حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کے پاس بھیج دی وہ پہن کر خدمتِ اقدس میں آئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے اس لئے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو" عرض کی۔ "پھر کیا کروں؟ ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔ حضرت جعفرؓ ایک مدت یعنی فتحِ خیبر تک حبش میں رہے تھے۔ اور نجاشی نے ان ہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

ہدایا اور تحفے دینا جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے اُن کو اُن کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کان یقبل الھدیۃ ویثیب علیھا (آنحضرتؐ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے) یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیرِ اثر عربی حکومت قائم کی تھی اُس نے آنحضرتؐ کو ایک قیمتی حلّہ بھیجا جس کو اس نے تینتیس اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا۔ آپؐ نے قبول فرمایا اور پھر اُس کو ایک حلّہ ہدیۃً بھیجا جو بیس سے کچھ زیادہ اُونٹ دیکر خریدا گیا تھا۔[۲]

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی۔ آپؐ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا۔ آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطابِ عام کیا۔ اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بقدرِ استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں، تو ناراض ہوتے ہو۔ آئندہ قریش انصار ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔[۳]

---

[۱] ابوداؤد ج دوم [۲] ابوداؤد ج دوم [۳] ادب المفرد امام بخاری۔

حضرت ایوب رضؓ انصاری جن کے مکان میں آپؐ چھ مہینہ تک فروکش رہے تھے، آپؐ اکثر اُن کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے[1]۔ ہمسایوں اور پڑوسیوں کے گھروں میں بھی تحفے بھیجتے تھے۔ اصحاب صفہؓ اکثر آپؐ کے تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبولِ احسان | کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے۔ حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جاں نثار کون ہو سکتا تھا تاہم ہجرت کے وقت جب انہوں نے سواری کے لئے ناقہ پیش کیا تو آپؐ نے قیمت ادا کی[2]۔ مدینہ میں مسجد کے لئے جو زمین درکار تھی مالکانِ زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی۔ لیکن آپؐ نے قیمت دے کر لی۔

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ہم سفر تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی سواری کا اُونٹ سرکش تھا اور آنحضرتؐ کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ روکتے تھے لیکن وہ قابو کا نہ تھا۔ حضرت عمرؓ بار بار عبداللہ بن عمرؓ کو ڈانٹتے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ اُونٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ انہوں نے کہا نذر ہے۔ آپؐ نے فرمایا "نہیں دام لو"۔ انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے۔ آپؐ نے انکار کیا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کئے۔ آپؐ نے خرید کر عبداللہ بن عمرؓ کو دیدیا کہ اب یہ تمہارا[3] ہے۔

عدم تشدد | حضرت معاذ جبلؓ جو اکابر صحابہ میں سے تھے) ایک محلہ میں امامت کرتے اور نمازِ فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں۔ ابومسعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو کبھی اس قدر غضبناک نہیں دیکھا جس قدر اُس

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاطعمہ۔ [2] صحیح بخاری۔ [3] صحیح بخاری۔

موقع پر دیکھا۔ آپؐ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا "بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں۔ جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے کیوں کہ نماز میں بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں"[1]۔

حدّ و قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے۔ ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زنا میں مبتلا ہو گئے تھے۔ لیکن فوراً مسجد میں آئے اور کہا "یا رسول اللہؐ! میں نے بدکاری کی"۔ آپؐ نے منھ پھیر لیا۔ وہ دوسری سمت آئے۔ آپؐ نے اور طرف منھ پھیر لیا۔ آپؐ بار بار منھ پھیر لیتے اور وہ بار بار آ کر زنا کا اقرار کرتے۔ بالآخر آپؐ نے فرمایا "تم کو جنون تو نہیں ہے؟" بولے "نہیں"! پھر پوچھا "تمھاری شادی ہو چکی ہے؟" بولے "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا۔ بولے "نہیں بلکہ مجامعت کی"۔ آخر مجبور ہو کر آپؐ نے حکم سنا دیا کہ سنگ سار کیے جائیں[2]۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا۔ آپؐ حدّ (سزا) کا حکم دیں۔ آپؐ چپ رہے اور نماز کا وقت آ گیا۔ نماز کے بعد انہوں نے پھر آ کر وہی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا "کیا تم نے نماز نہیں پڑھی"۔ بولے "ہاں پڑھ لی"۔ ارشاد فرمایا "تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا"[3]۔

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی۔ آپؐ نے فرمایا "واپس جاؤ"۔ دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپؐ مجھکو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم مجھ کو حمل رہ گیا ہے۔ پھر فرمایا "واپس

---

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ۔ باب اذا طوّل الامام وکان للرجل حاجۃ فخرج وصلّی۔ [2] یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں ہے۔ [3] صحیح بخاری

جاؤ"۔ وہ چلی گئی۔ تیسرے دن پھر واپس آئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو۔ جب بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لئے ہوئے آئی۔ (یعنی اب زنا کی سزا دینے میں کیا تامل ہے) آپؐ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا۔ جب رضاعت کا زمانہ گذر گیا تو پھر حاضر ہوئی۔ اب آپؐ نے مجبور ہو کر سنگ سار کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس پر پتھر برسانے شروع کئے۔ ایک صاحب کا پتھر اس کے چہرے پر لگا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرہ پر آئیں۔ انہوں نے اس کو گالی دی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا" زبان روکو۔ خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا"[1]

ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں۔ کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھا لیا کریں؟ فرمایا اور برتن ہاتھ آئیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو[2]۔

(ایک بار ایک صحابی نے ماہِ رمضان تک کے لئے اپنی بی بی سے ظہار کر لیا۔ لیکن ابھی یہ مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقاربت کر لی۔ پھر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا مجھے رسول اللہؐ کی خدمت میں لے چلو" سب نے انکار کر دیا۔ انہوں نے خود آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا۔ پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ناداری کا عذر کیا۔ تو آپؐ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ انہوں نے کہا یہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود۔ [2] بخاری جلد ۔

سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اب آپؐ نے ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کرنے کو فرمایا۔ انہوں نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایک وسق کھجور دے گا اس میں سے ساٹھ مسکینوں کو دیدینا اور جو بچے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا۔ وہ پلٹے تو لوگوں سے کہا تم لوگ متشدد اور بدتدبیر تھے، لیکن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حسنِ رائے اور آسانی منظر آئی[1]۔

ایک بار ایک اور صحابیؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ! میں برباد ہو گیا۔ روزہ میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟ "کہا نہیں"۔ فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ کہا اس کی بھی قدرت نہیں"۔ آنحضرتؐ نے تامل فرمایا۔ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی آپؐ نے فرمایا "سائل کہاں گیا؟" سائل نے کہا "یا رسول اللہؐ ہیں یہ ہوں"۔ فرمایا "ان کھجوروں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات دے دو"۔ سائل نے عرض کی "یا رسول اللہؐ! مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا"۔ آنحضرتؐ ہنس پڑے اور فرمایا "جاؤ گھر والوں کو کھلا دو"[2]۔

تقشف ناپسند تھا رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے۔ صحابہؓ میں سے بعض بزرگ میلانِ طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو باز رکھا۔ بعض صحابہؓ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے۔

---

[1] ابوداؤد جلد اوّل۔ [2] صحیح بخاری باب اذا جامع فی رمضان۔

اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے۔ انہوں نے قطعِ اعضا کرنا چاہا۔ آپؐ نے سخت ناراضی ظاہر کی۔ قدامہ بن مظعونؓ ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترکِ حیوانات اور دوسرے نے ترکِ نکاح کا عزم کر لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں۔ آپؐ کی مرضی نہ پاکر دونوں صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے بھی اس کا ارادہ کیا۔ لیکن آپؐ نے سختی سے روکا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نہایت مرتاض زاہد تھے۔ انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، بیوی کا حق ہے۔ مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا مجھ کو اس سے زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا کہ اچھا تیسرے دن۔ بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ ایک دن بیچ دیکر کہ یہی داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے انہوں نے عرض کی مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے ارشاد ہوا بس اس سے زیادہ بہتر نہیں[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرتؐ خود اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا آپؐ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے! عرض کی نہیں۔ فرمایا پانچ۔ بولے نہیں۔ غرض آپؐ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم۔

ہوتے۔ بالآخر آپؐ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔[1]

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں۔ نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے۔ آنحضرتؐ چپ رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے پھر ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا۔ آپؐ چپ رہے۔ سہ بارہ کہا تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔[2]

قبیلۂ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن اتنے ہی زمانہ میں اُن کی شکل و صورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرتؐ اُن کو نہ پہچان سکے۔ اُنہوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرتؐ نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے۔ تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی۔ انہوں نے کہا جب سے آپؐ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا؟ رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے۔ انہوں نے کہا اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا۔ اُنہوں نے اور اضافہ کی درخواست کی۔ آپؐ نے تین کر دئے۔ اُن کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو آپؐ نے شہر حرام کے روزوں کا حکم دیا۔[3]

ایک دن چند صحابہؓ خاص اس غرض سے ازواج مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرتؐ کی عبادت کے حالات دریافت کریں۔ وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرتؐ رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے۔ حالات سُنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے۔ بولے کہ بھلا ہم کو آنحضرتؐ سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دئے ہیں۔ پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز

---

[1] بخاری کتاب النکاح۔ [2] بخاری کتاب النکاح۔ [3] ابوداؤد۔

پڑھا کروں گا۔ دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا۔ ایک اور صاحب نے کہا کہ میں کبھی شادی نہ کرونگا۔ آنحضرتؐ سُن رہے تھے۔ فرمایا کہ "خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے"[1]

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بُوٹیاں تھیں۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہؐ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترکِ دنیا کر لوں"۔ آپؐ نے فرمایا "میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں"[2]

عیب جوئی اور مدّاحی کی ناپسندیدگی

مدّاحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجلسِ اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا "تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی" یہ الفاظ چند بار فرمائے پھر ارشاد کیا کہ تم کو اگر کسی کی خواہی نخواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے"[3]

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا۔ حضرت مقدادؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح۔ [2] مسند ابن حنبل جلد پنجم

[3] بخاری ادب المفرد۔

نے حکم دیا ہے کہ مدّاحوں کے منھ میں خاک[1] بھر دیں۔

ایک دفعہ آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ مجن ثقفیؓ سے پوچھا "یہ کون ہے"؟ مجنؓ نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی۔ ارشاد فرمایا کہ "دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا"۔ یعنی دل میں غرور پیدا ہوگا جو موجب ہلاکت ہوگا۔[2]

ایک دفعہ اسود بن سریعؓ جو شاعر تھے، خدمتِ عالی میں آئے اور عرض کی کہ "میں نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں فرمایا کہ ہاں خدا کو حمد پسند ہے۔ اسودؓ نے اشعار پڑھنے شروع کئے۔ اسی اثنا میں کوئی صاحب باہر سے آگئے۔ آپؐ نے اسودؓ کو روک دیا۔ وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے۔ پھر اسودؓ نے پڑھنے شروع کئے۔ وہ صاحب پھر آگئے۔ آپؐ نے اسودؓ کو روک دیا۔ دو تین دفعہ یہی (اتفاق) ہوا۔ اسودؓ نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لئے آپؐ مجھکو بار بار روک دیتے ہیں! فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔[3]

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ حسانؓ کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے اللھم ایدہ بروح القدس حالانکہ یہ اشعار آنحضرتؐ کی مدح میں ہوتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسانؓ کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے۔ عرب میں شعراء کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زورِ کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے۔ ابن الزبعری اور کعب اشرف وغیرہ نے اسی طریقہ سے آنحضرتؐ کو ضرر پہنچانا چاہا تھا۔ حسانؓ کی مدّاحی ان کا ردِّ عمل تھا۔

---

[1] بخاری ادب المفرد۔ [2] بخاری ادب المفرد [3] بخاری ادب المفرد۔

سادگی اور بے تکلفی معمول تھا کہ مجلس سے اُٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے۔[1]

روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے۔ ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیے۔

کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اُٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے۔ پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔[2] آپؐ کے لئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی۔[3] کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے۔ سامانِ آرائش سے طبعاً نفور تھے۔[4] غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسندِ خاطر تھی۔

امارت پسندی سے اجتناب اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اسی بنا پر آپؐ ہر قسم کے جائز حظوظِ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے۔ تاہم ناز و نعمت، تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ نے کہا کہ رسول اللہؐ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا۔ حضرت علیؓ گئے اور آپؐ سے جا کر عرض کی۔ آپؐ تشریف لائے۔ لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے۔ حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان میں

---

[1] ابوداؤد ج دوم [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ [4] صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد واقعات ہیں۔

داخل ہو[1])

فرمایا کرتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لئے، ایک بیوی کے لئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے۔ چوتھا شیطان کا حصہ ہے[2]۔

ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ رہ گئیں۔ لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے۔ اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لئے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں[3]۔

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا۔ آپؐ نے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے۔ لوگوں نے نام بتایا۔ آپؐ چپ ہو رہے جب وہ حسبِ معمول خدمتِ اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپؐ نے منھ پھیر لیا۔ انہوں نے پھر سلام کیا۔ آپؐ نے پھر منھ پھیر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے۔ جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن آپؐ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا۔ معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ "ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبال ہے[4]"۔

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپؐ نے پہن لی پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی۔ حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپؐ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھکو عنایت ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کے لئے نہیں بلکہ فروخت کے لئے بھیجی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار درہم[5] پر اٹھی۔

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا۔ وہ پہنکر

---

[1] ابوداؤد ج دوم [2] ابوداؤد ج دوم کتاب اللباس [3] ابوداؤد ج دوم [4] ابوداؤد ج دوم [5] ابوداؤد کتاب اللباس۔

خدمتِ اقدس میں آئے آپؐ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اس لئے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائی جائیں[1]۔

مُہر کرنے کی ضرورت سے جب آپؐ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی۔ آپؐ کی تقلید میں صحابہؓ نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں۔ آپؐ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ اب نہ پہنوں گا۔ صحابہؓ نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دیں[2]۔

(جس طرح آپؐ خود سادگی پسند فرماتے تھے اسی طرح آپؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپؐ کے اہل و عیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلّف و تنعّم سے پاک رہیں۔ عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے۔ مگر آنحضرتؐ اہلِ بیت کرام کے لئے اس بات کو بھی خلافِ اولیٰ تصوّر فرماتے تھے)

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے[3]۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (مسکہ) دیکھے۔ فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر درس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا[4]۔

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرتؐ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجے۔ ان میں ایک انگوٹھی تھی جس میں حبشی پتّھر کا نگینہ جڑا تھا۔ آپؐ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور لکڑی سے اسکو چھوتے تھے، ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

---

[1] ابوداؤد ج دوم کتاب اللباس۔ [2] ابوداؤد کتاب الخاتم۔ [3] نسائی ج دوم۔
[4] نسائی ج دوم۔ [5] مسند ابنِ حنبل ج ششم۔

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃً بھیجا۔ آپؐ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا پھر فرمایا "پرہیزگاروں کے لئے یہ کپڑے مناسب نہیں"۔

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ و عیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپؐ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں۔ اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیراء) بک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے موقع پاکر عرض کیا "یارسول اللہؐ! یہ کپڑا حضور خرید لیں اور جمعہ میں اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں"۔ ارشاد فرمایا کہ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں"۔

اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور ان ہی کپڑوں میں وفات پائی۔[1]

بستر کمبل کا تھا، کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی کھال بھری ہوتی تھی، کبھی معمولی سے کپڑے کا جو دوتہ کر دیا جاتا تھا۔ حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بستر مبارک چار تہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے۔ صبح اُٹھ کر آنحضرتؐ نے ناگواری ظاہر فرمائی۔[2]

۹ھ میں جب کہ یمن سے شام تک صرف اسلامی حکومت تھی، فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ[3] تھا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپؐ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جَو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ صحابہؓ سے[4] فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں انسان کے لئے اتنا کافی ہے جتنا

---

[1] اوپر کی تمام روایتیں صحیح بخاری کتاب اللباس سے ماخوذ ہیں [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری کتاب اللباس [4] مسند ابن حنبل ج ششم۔

ایک مسافر کو زادِ راہ کے لئے[1]۔ ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرما رہے تھے اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کی "یا رسول اللہؐ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں"۔ ارشاد ہوا کہ مجکو دنیا سے کیا غرض؟ مجکو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لئے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے[2]۔

ایلار کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی، حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرورِ عالمؐ کے بیت قدس میں دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے۔ جسم مبارک پر صرف ایک تہ بند ہے۔ ایک کھری چارپائی بچھی ہے۔ سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہیں ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔ کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ عرض کی "یا رسول اللہؐ! میں کیوں نہ روؤں۔ چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ یہ آپؐ کے اسباب کی کوٹھری ہے، اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپؐ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپؐ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو"۔ ارشاد ہوا "اے ابنِ خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت[3]!"

مساوات آپؐ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے، سلمانؓ و صہیبؓ و بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے آپؐ کی بارگاہ

---

[1] ابنِ ماجہ کتاب الزہد [2] جامع ترمذی کتاب الزہد [3] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخییر الازواج۔

میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت سلمانؓ و بلالؓ ایک موقع پر جمع تھے۔ اتفاق سے ابوسفیان آنکلے۔ ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سردارِ قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کہیں تم نے اُن لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا۔ اُن لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جاکر اُن بزرگوں سے کہا "بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے"۔ اُن لوگوں نے کہا "نہیں خدا تم کو معاف کرے"[1]۔

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسامہ بن زیدؓ جن سے آنحضرتؐ نہایت محبت رکھتے تھے لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمتِ نبویؐ میں بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا "اسامہؓ! کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو"۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا "تم سے پہلے کی امتیں اسی لئے برباد ہوگئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے"[2]۔

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو زرِ فدیہ لیکر رہا کیا جاتا تھا۔ بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپؐ سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے۔ عرض کی کہ یا رسول اللہ!

---

[1] صحیح مسلم فضائل سلمانؓ و صہیبؓ۔ [2] بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الحدود۔

اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباسؓ) کا زرِ فدیہ معاف کردیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔[1]

مجلس میں جو چیزیں آتیں ہمیشہ داہنی طرف سے اس کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر و غریب، صغیر و کبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔

ایک دفعہ خدمتِ اقدس میں صحابہؓ کا مجمع تھا۔ اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کمسن تھے۔ بائیں جانب بڑے بڑے معمّر صحابہؓ تھے۔ کہیں سے دودھ آیا۔ آپؐ نے نوش فرماکر عبداللہ بن عباسؓ سے کہا تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں۔ انہوں نے عرض کی اس عطیہ میں میں ایثار نہیں کرسکتا۔ چونکہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیبِ مجلس کی رو سے ان ہی کا حق تھا۔ آپؐ نے ان ہی کو ترجیح دی۔[2]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کا پانی مانگا۔ میں نے بکری کا دودھ پیش کیا۔ مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ بائیں جانب حضرت عمرؓ سامنے اور ایک بدو داہنی جانب تھا۔ آپؐ نے پی لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو۔ آپؐ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے۔ یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت فرمایا۔[3]

(قریش اپنے فخر و امتیاز کے لئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ بعثت[4] سے پہلے اور بعثت کے بعد[5] بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ علاوہ بریں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہیں خاص طور سے

---

[1] صحیح بخاری باب فداء المشرکین [2] صحیح بخاری [3] صحیح بخاری [4] ابوداؤد کتاب المناسک [5] ابوداؤد، کتاب المناسک

کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپؐ کے لئے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سایہ کے لئے کوئی چھپر ڈال دیا جائے۔ صحابہؓ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا جو پہلے پہنچ جائے اسی کا مقام ہے[1]"

صحابہؓ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرتؐ ان کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینہ میں آ کر سب سے پہلا کام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہؓ کی طرح خود آنحضرتؐ بھی بہ نفس نفیس شریک تھے۔ خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہؓ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان آپؐ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپؐ اپنے فرض سے باز نہ آتے[2]۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہؓ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے آپؐ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی[3]۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا۔ تمام صحابہؓ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرتؐ نے اپنے ذمہ لیا۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ! یہ کام ہم خدام کریں گے۔ فرمایا ہاں سچ ہے۔ لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں۔ خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے[4]"

غزوۂ بدر میں سواریوں کا سامان بہت کم تھا۔ تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا یوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے۔ آنحضرتؐ بھی عام آدمیوں کی طرح

---

[1] مسند ابن حنبل ج ششم [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ و بناء المسجد [3] صحیح بخاری باب غزوۂ احزاب۔ [4] زرقانی جلد چہارم بحوالہ سیرت محب طبری۔ یہ روایت کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔

ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے۔ ہمراہی جان نثارانہ اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ آپ سوار رہیں۔ حضورؐ کے بدلہ میں ہم پیادہ چلیں گے۔ ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں[1]۔

تواضع گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، گدھے کی سواری سے آپؐ کو عار نہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور اُن کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا[2]۔ ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے۔ لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمایا کہ "اہل عجم کی طرح تعظیم کے لئے نہ اٹھو"[3]۔

غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جاکر ان کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپؐ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے[4]۔

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا۔ لیکن نبوت کا رعب اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا گھبراؤ نہیں۔ میں بادشاہ نہیں۔ ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی[5]۔

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپؐ اکثر دوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں"

---

[1] مسند ابن حنبل ج اوّل و مسند ابو داؤد طیالسی۔ [2] شمائل ترمذی۔ [3] ابو داؤد و ابن ماجہ [4] شمائل ترمذی۔
[5] مستدرک ج سوم علی شرط الشیخین واقعہ فتح مکہ۔

ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آ گئے آپؐ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے۔ ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا۔ اس نے کہا "محمدؐ! یہ کیا طرزِ نشست ہے" آپؐ نے فرمایا "خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے۔ جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔"[1]

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرتؐ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپؐ کو خطاب کیا "اے ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر کے فرزند!" آپؐ نے فرمایا "لوگو پرہیز گاری اختیار کرو۔ شیطان تمہیں گمراہ نہ دے۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہوں۔ خدا کا بندہ اور اُس کا رسول۔ مجھکو خدا نے جو مرتبہ بخشا میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔"[2]

ایک دفعہ ایک شخص نے آپؐ کو یا خیر البریہ (یعنی اے بہترین خلق) کہکر مخاطب کیا۔ آپؐ نے فرمایا وہ ابراہیمؑ تھے۔"[3]

عبداللہ بن شخیر کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت قدس میں آئے تو عرض کی کہ حضورؐ ہمارے آقا (سید) ہیں۔ ارشاد فرمایا "آقا خدا ہے۔" پھر ہم لوگوں نے عرض کی کہ آپؐ ہم سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں ارشاد ہوا کہ "بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے۔"[4]

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کے دماغ میں کچھ فتور تھا۔ آپؐ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ "محمدؐ! مجکو تم سے کچھ کام ہے۔" فرمایا "جہاں کہو چل سکتا ہوں۔" وہ آپؐ کو ایک کوچہ میں لے گئی اور وہیں بیٹھ گئی۔ آپؐ بھی اسکے بیٹھ گئے اور جو کام تھا انجام دیدیا۔[5]

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ۔ [2] مسند ابن حنبل ج سوم [3] صحیح بخاری باب فضائل ابراہیمؑ [4] ابوداؤد کتاب الادب باب کراہتہ التمادح [5] ابوداؤد کتاب الادب۔

مخرمہؓ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے بیٹے مسورؓ سے کہا کہ آنحضرتؐ کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں اور وہ تقسیم فرما رہے ہیں۔ آؤ ہم بھی چلیں۔ آئے تو آپؐ زنانہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ کہا "آواز دو"۔ انہوں نے کہا "میرا یہ رتبہ ہے کہ میں آنحضرتؐ کو آواز دوں؟ مخرمہ نے کہا "بیٹے! محمدؐ جبار نہیں ہیں"۔ ان کی جرأت دلانے سے مسور نے آواز دی۔ آنحضرتؐ فوراً نکل آئے اور ان کو دیبا کی قبا عنایت کی جس کی گھنڈیاں زریں تھیں[1]۔

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اُس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی۔ یہ سمجھے کہ آنحضرتؐ پر تعریض ہے۔ غصہ میں آکر اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ وہ آنحضرتؐ کے پاس فریادی آیا۔ آپؐ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ مجھکو انبیاء پر فضیلت نہ دو[2]۔

انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہے جب وہ اپنے چپ و راست جلو میں ہزاروں آدمیوں کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ فاتحانہ ایک جرار پُرجوش لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن آنحضرتؐ کی تواضع و خاکساری کا منظر اُس وقت اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر جب آپؐ شہر میں داخل ہوئے تو تواضعاً سرِ مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آکر مل گیا[3]۔ غزوۂ خیبر میں جب آپؐ کا داخلہ ہوا تو آپؐ ایک گدھے پر سوار تھے۔ جس میں لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی[4] تھی۔

---

[1] صحیح بخاری [2] صحیح بخاری کتاب الانبیاء ذکر موسیٰؑ [3] شرح شفا قاضی عیاض و سیرت ابن ہشام، مستدرک حاکم جلد چہارم [4] مشکوٰۃ، اخلاق النبی بحوالہ حاکم ابن ماجہ و بیہقی۔

حجۃ الوداع میں جس کجاوہ پر آپؐ سوار تھے، سن چکے ہو کہ اس کی قیمت کیا تھی)

تعظیم اور بے جا مدح کی ناپسندیدگی

(شرک کا پہلا دیباچہ انبیاءؑ اور صلحا کی مبالغہ آمیز تعظیم ہے۔ آنحضرتؐ اس نکتہ کا بڑا لحاظ فرماتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیشِ نظر تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابنِ مریمؑ کی کرتے ہیں۔ میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں۔[1]")

قیس بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حیرہ گیا۔ وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیسِ شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے تو آپؐ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گذرو گے تو سجدہ کرو گے؟ کہا نہیں۔ فرمایا "تو جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہئے۔"[2]

معوذ بن عفراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی تو آپؐ اُن کے گھر تشریف لے گئے اور دلہن کے لئے جو فرش بچھایا گیا تھا اس پر بیٹھ گئے۔ گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہو گئیں اور دف دف بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں۔ گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا۔

فینا نبی یعلم ما فی غد — ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔

فرمایا "یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔"[3]

آنحضرتؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ نے جس روز انتقال کیا اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا۔ لوگوں کے خیال میں ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ

---

[1] صحیح بخاری، جلد اول کتاب الانبیاء [2] ابوداؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ [3] صحیح مسلم باب ضرب الدف فی النکاح۔

اس درد و صدمہ سے کم از کم اجرامِ سماوی میں انقلاب پیدا ہو جائے۔ لوگوں نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی کے واقعہ پر محمول کیا۔ ایک جاہ پسند انسان کے لئے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا۔ لیکن نبوت کی شان اس سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ ہے۔ آنحضرتؐ سے اسی وقت لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا خدا کی آیاتِ قدرت میں ہے کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔[1]

(ایک دفعہ آنحضرتؐ وضو کر رہے تھے۔ وضو کا پانی جو دستِ مبارک سے گرتا فدائی برکت کے خیال سے اس کو جلدی میں لے کر بدن میں مل لیتے۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت میں فرمایا اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ جب باتیں کرے سچ بولے جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسایگی کو اچھی طرح نباہے۔[2])

ایک صاحب بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپؐ چاہیں"۔ ارشاد ہوا "تم نے خدا کا شریک اور ہم سر ٹھہرایا کہو کہ جو خدا تنہا چاہے۔[3])

شرم و حیا (صحاح میں ہے کہ آپؐ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے اور شرم و حیا کا اثر آپؐ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا۔ کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی۔ بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے۔ تبسم کے سوا لبِ مبارک خندہ و قہقہہ سے آشنا نہیں ہوئے)

بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے۔

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب صلوۃ الخسوف [2] مشکوٰۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی [3] ادب المفرد امام بخاری۔

چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہؓ متنبہ ہو جاتے۔

عرب میں اور ممالک کی طرح شرم و حیا کا بہت کم لحاظ تھا۔ ننگے نہانا عام بات تھی۔ حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو۔ عرب میں حمام نہ تھے لیکن شام اور عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے وہاں کثرت سے حمام تھے۔ اس بنا پر آپؐ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

ایک دفعہ کچھ عورتیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئیں۔ انہوں نے وطن پوچھا۔ بولیں حمص (شام کا ایک شہر ہے)۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا تم ہی وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہیں۔ بولیں کیا حمام کوئی بری چیز ہے؟ فرمایا کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے۔[1]

ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا پھر مردوں کو پردوں کی قید کے ساتھ اجازت دی لیکن عورتوں کے لئے وہی حکم قائم رہا۔ عرب میں جائے ضرور نہ تھے۔[2] لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔ لیکن پردہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے۔ آنحضرتؐ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔[3]

---

[1] یہ تمام روایتیں ترغیب و ترہیب میں کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہیں۔ [2] صحیح بخاری حدیث افک۔

[3] ابوداؤد و ابن ماجہ۔

معمول تھا کہ رفعِ حاجت کے لئے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے۔ مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا حدودِ حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا

اگرچہ تمام صحابہؓ آپؐ کے جان نثار خادموں میں داخل تھے، بایں ہمہ آپؐ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ، ابوسعید خدریؓ اور امام حسنؓ سے روایت ہے کہ کان یخدم نفسہ یعنی آپؐ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے[1]۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپؐ گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے۔ دودھ دوہ لیتے تھے۔ بازار سے سودا خرید لاتے تھے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے۔ ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔ اس کو چارہ دیتے۔ غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے تھے[2]۔

ایک دفعہ حضرت انس بن مالکؓ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا آپؐ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ آپؐ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں۔ تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپؐ بکریوں کو داغ لگا رہے تھے[3]۔ ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئے دیکھا

---

[1] شرح شفائے قاضی عیاض ج دوم۔ [2] صحیح بخاری کتاب الادب باب مایکون الرجل فی مہنۃ اہلہ میں مجمل ہے۔ قاضی عیاض نے شفا میں متعدد حدیثوں سے لیکر اور ٹکڑے بھی جمع کر دیے ہیں۔ زرقانی نے ج چہارم میں مسند احمد بن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اسکو صحیح کہا ہے۔

[3] تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں۔ پہلی روایت کتاب الادب میں اور دوسری اور تیسری باب جواز وسم الحیوان میں ہے۔

کہ مسجد میں کسی نے ناک صاف کی ہے۔ آپؐ نے خود دستِ مبارک سے ایک کنکرے کر اس کو کھرچ ڈالا اور آئندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔[1]

آپؐ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔[2] مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے میں جس طرح عام مزدوروں کے ساتھ مل کر آپؐ نے کام کیا، خود دستِ مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیئے اور جس طرح زمین کھودی اس کی تفصیل جلد اوّل کے واقعات میں گذر چکی ہے۔ ایک سفر میں صحابہؓ نے بکری ذبح کی اور اس کو پکانے کے لئے آپس میں کام بانٹ لئے۔ آپؐ نے فرمایا جنگل سے لکڑی میں لاؤں گا۔ صحابہؓ نے تامل کیا تو فرمایا میں امتیاز پسند نہیں کرتا۔[3] ایک اور سفر میں آپؐ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپؐ نے خود اس کو درست کرنا چاہا۔ ایک صحابیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ لائیے میں ٹانک دوں۔ فرمایا یہ تشخص پسندی ہے جو مجھے محبوب نہیں ہے۔[4] دو صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؐ خود اپنے دستِ مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ جب کام ختم ہو گیا تو آپؐ نے ہمارے لئے دعائے خیر فرمائی۔[5]

دوسروں کے کام کر دینا

خباب بن ارتؓ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا۔ خباب کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر آپؐ ہر روز اُن کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔[6] حبش سے جو مہمان آئے تھے صحابہؓ نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت گذاری

---

[1] سنن نسائی کتاب المساجد [2] صحیح بخاری باب الجامیۃ۔ [3] زرقانی ج چہارم بحوالہ سیرت محب طبری [4] زرقانی بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف

[5] ابی الیمن و ابن عساکر [6] مسند ابن حنبل، جلد سوم [7] ابن سعد حصہ ششم ترجمہ بنت خبابؓ

کریں۔ لیکن آپؐ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ انہوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے اس لئے میں خود ان کی خدمتگذاری کا فرض انجام دونگا[1]۔ کفارِ ثقیف جنہوں نے طائف میں آپؐ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا ۹ھ میں وفد لے کر آئے تو آپؐ نے ان کو مسجد نبوی میں اتارا اور بہ نفس نفیس آن کی مہمانی کے فرائض ادا کئے۔

مدینہ کی لونڈیاں آپؐ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں "یارسول اللہؐ میرا یہ کام ہے"۔ آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ مدینہ میں ایک پاگل لونڈی تھی۔ وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپؐ کا دستِ مبارک پکڑ لیا۔ آپؐ نے فرمایا "اے عورت! مدینہ میں جس گلی میں تو چاہے بیٹھ۔ میں تیرا کام کروں گا"۔ چنانچہ آپؐ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری کی[2]۔ عبداللہ بن ابی اوفیؓ ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں:

ولا یأنف ان یمشی مع الارملة و	بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان
المسکین فیقضی له الحاجة	کا کام کر دینے میں آپؐ کو عار نہ تھا۔

(نسائی و دارمی)

ایک دفعہ آپؐ نماز کیلئے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپؐ کا دامن پکڑ کر بولا "میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں۔ پہلے اس کو کر دو"۔ آپؐ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دیکر نماز ادا کی[3]۔

عزم و استقلال | خدا نے قرآن مجید میں اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ کہہ کر انبیائے کبارؑ

---

[1] شفائے قاضی عیاض بسند متصل بحوالہ بیہقی۔ [2] مسلم اور ابوداؤد اخلاق و اداب۔

[3] ابوداؤد کتاب الادب و صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ۔ مختصراً۔ [4] الاحقاف: ۳۵۔

کی مدح فرمائی ہے۔ آنحضرتؐ چونکہ خاتم الرُّسل تھے اس لئے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپؐ کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرتؐ کے عزم و استقلال کا مظہرِ اتم ہے عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ بے یار و مددگار دعوتِ حق کی صدائیں بلند کرتا ہے ریگستان کا ذرہ ذرہ اسکی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقارِ نبوت اور عزمِ ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں کے بعد بھی ذاتِ اقدسؐ جبن و یاس سے آشنا نہیں ہوتی اور بالآخر وہ دن آتا ہے جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثاروں کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہے۔ ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہؓ نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر خدمتِ مبارک میں عرض کی کہ آپؐ ہمارے لئے کیوں دُعا نہیں فرماتے؟ آپؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان کو آرے سے چیر کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔ ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست علیحدہ ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں۔ خدا کی قسم دینِ اسلام اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچکر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء سے حضرموت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا آئے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔[1]

مکہ میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے

---

[1] صحیح بخاری جلد اول (باب ما لقی النبیؐ)۔

آپؐ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حُسن کی دولت پیش کی۔ ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لئے کافی تھی۔ لیکن آپؐ نے ذلّت کے ساتھ اُن کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا۔ اس وقت آپؐ نے جواب میں جو فقرے فرمائے، عالم کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقہ تعبیر ہے۔ آپؐ نے فرمایا "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا"[1]

غزوۂ بدر میں جب تین سو بے سر و سامان مسلم ایک ہزار با ساز و سامان فوج سے معرکہ آرا تھے۔ کفارِ قریش اپنے زور و کثرت سے بپھرتے آتے تھے اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرتؐ کے پہلو میں آجاتے تھے اور بانیٔ نبوت کا کوہِ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا[2]

غزوۂ احد میں آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی رائے دی۔ لیکن جب آپؐ زرہ پہنکر تیار ہو گئے تو صحابہؓ نے رک جانے کا مشورہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ پیغمبر زرہ پہنکر اتار نہیں سکتا[3]

غزوۂ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھاڑ کی تو اکثر صحابہؓ کے قدم اکھڑ گئے۔ لیکن آپؐ نہایت سکون و اطمینان سے چند جاں نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے۔ اس وقت زبانِ مبارک پر یہ رجز جاری تھا:۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ [2] مسند ابن حنبل جلد اوّل [3] صحیح بخاری ج دوم باب قول اللہ وامرہم شوریٰ بینہم۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب[1] میں پیغمبر صادق ہوں میں فرزند عبد المطلب ہوں

ایک بار آپؐ کسی غزوہ میں درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ ایک کافر آیا اور اسی حالتِ خواب میں تلوار کھینچ کر بولا "محمدؐ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "خدا"۔ اس عزم و استقلال اور جرأتِ صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان میں لے لی اور پاس بیٹھ گیا۔[2]

شجاعت یہ وصف انسانیت کا اعلیٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے عزم استقلال، حق گوئی، راست گفتاری، پُر دلی، یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرتؐ کو سیکڑوں مصائب و خطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی۔ غزوۂ بدر کی گھمسان لڑائی تین سو نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکزِ نبوت ہی کے دامن میں آکر پناہ لیتے تھے۔ حضرت علیؓ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کئے، کہتے ہیں کہ جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپؐ ہی کی آڑ میں آکر پناہ لی۔ آپؐ سب سے زیادہ شجاع تھے مشرکین کی صف سے اس دن آپؐ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔[3]

غزوۂ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعۃً میدان سے ہٹ گئی۔ لیکن آپؐ مع چند جان نثاروں کے بدستور میدان میں کھڑے رہے۔ اس وقت بار بار آپؐ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے۔ لیکن جان نثار مانع آتے تھے۔ اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپؐ

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین۔ [2] صحیح بخاری ج دوم غزوۂ ذات الرقاع۔ [3] مسند ابن حنبل ج اوّل۔

کی ذات تھی۔ با ایں ہمہ پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوئی۔ حضرت براءؓ اس معرکہ میں شریک تھے۔ کسی نے اُن سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا "ہاں یہ سچ ہے۔ لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرتؐ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے۔ خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپؐ ہی کے پہلو میں آکر پناہ لیتے تھے۔ ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپؐ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا"[1]

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ سب سے زیادہ شجاع تھے ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آگئے۔ لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ آنحضرتؐ تھے جلدی میں آپؐ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپؐ تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آکر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں[2]

آنحضرتؐ نے کبھی کسی کو اپنے دستِ خاص سے قتل نہیں کیا۔ اُبی بن خلف آپؐ کا سخت دشمن تھا۔ بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا "میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو میں ہر روز جوار کھلایا کرتا ہوں۔ اس پر چڑھ کر محمدؐ کو قتل کروں گا"۔ اُحد میں اُسی گھوڑے کو اُڑاتا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپؐ کے پاس پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں۔ آپؐ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لیکر آپؐ اُس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں اُنی چبھو دی۔ وہ چنگھاڑ مار

---

[1] صحیح مسلم غزوہ حنین [2] صحیح بخاری کے متفرق ابواب میں یہ حدیث ہے مثلاً باب الشجاعۃ فی الحرب وباب اذا فزعوا باللیل۔

کر بھاگا۔ لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں۔ تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو؟ اس نے کہا ہاں سچ ہے لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے[1]"

راست گفتاری

راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود ان کی ذات سے کبھی منفک نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر آنحضرتؐ کے اخلاق کے عنوان میں اس کی جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس موقع پر ہم صرف اُن شہادتوں کو قلم بند کرنا چاہتے ہیں جو دشمنوں کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہیں۔

آنحضرتؐ نے جب نبوّت کا دعویٰ کیا تو کفّار میں جو لوگ آپؐ سے واقف تھے انہوں نے آپؐ کو کاذب اور دروغ گو یقین نہیں کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپؐ کے حواس درست نہیں ہیں یا اب عقل بجا نہیں رہی ہے یا یہ کہ ان میں اب شاعرانہ تخیّل پرستی آگئی ہے۔ اسی بنا پر انہوں نے آپؐ کو مجنون کہا، مسحور کہا، شاعر کہا لیکن کاذب نہیں کہا۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رؤسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپؐ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نضر ابن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا، کہا "اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے۔ محمدؐ تمہارے سامنے بچّہ سے جوان ہوا وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور امین تھا۔ اب جب اس کے بالوں میں سپیدی آچکی اور تمھارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے کاہن ہے شاعر ہے مجنوں ہے۔ خدا کی قسم میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ محمدؐ میں یہ کوئی بات نہیں تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہے[2]"

ابوجہل کہا کرتا تھا "محمدؐ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا۔ البتہ تم جو کچھ کہتے ہو اُن کو صحیح نہیں

---

[1] شرح شفا قاضی عیاض ج دوم بحوالہ بیہقی بسند صحیح و مصنف عبدالرزاق و ابن سعد و واقدی [2] ابن ہشام۔

سمجھتا"۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے[1]

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ
فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ
بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ○ (الانعام: ۳۳)

ہم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر ان کافروں کی باتیں تم کو غمگین کرتی ہیں، کیونکہ وہ تجھ کو جھٹلاتے نہیں۔ البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

جب آنحضرتؐ کو پیش گاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہلِ خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپؐ نے پہاڑ پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا "ہاں کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا"[2]

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں جو مدعی پیدا ہوا ہے اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز رہتا[3]

ایفائے عہد

ایفائے عہد آپؐ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپؐ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کئے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں[4]۔ وحشیؓ جنھوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے

---

[1] جامع ترمذی تفسیر سورہ انعام [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تبت [3] صحیح بخاری باب بدء الوحی [4] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔

شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ اہلِ طائف نے مدینہ بھیجنے کے لئے جو وفد مرتب کیا، اس میں اُن کا نام بھی تھا۔ لیکن اُن کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے۔ لیکن خود دشمنوں نے اُن کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ۔ محمدؐ سفراء کو قتل نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے[1]۔ صفوان بن امیہؓ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے۔ عمیر بن وہب نے حاضرِ خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا۔ آنحضرتؐ نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے۔ عمیر عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ تمکو امان ہے جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپؐ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ "ہاں! یہ سچ ہے"[2]۔

ابو رافع ایک غلام تھے۔ حالتِ کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورہ آئے۔ روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ عرض کی "یا رسول اللہؐ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا"۔ ارشاد ہوا "نہ میں عہد شکنی کر سکتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ تم اس وقت واپس جاؤ۔ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آ جانا"۔ چنانچہ وہ اس وقت واپس گئے۔ پھر اسلام لائے[3]۔

صلحِ حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہلِ مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔ عین اس وقت جب معاہدہ کی شرطیں زیرِ تحریر تھیں،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ احد [2] ابن ہشام [3] ابوداؤد باب الوفا والعہد۔

ابو جندلؓ پابزنجیر اہلِ مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے باطمینان تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ابو جندل! صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔"[1]

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آنحضرتؐ سے کچھ معاملہ کیا اور آپؐ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آکر حساب کر دیتا ہوں۔ اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا۔ تین دن کے بعد آئے تو آنحضرتؐ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا "میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔"[2]

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی۔ ایسے موقع آنحضرتؐ کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیئے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے لیکن آپؐ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے۔ حذیفہؓ بن الیمانؓ اور ابو حسلؓ دو صحابی مکہ سے آرہے تھے۔ راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمدؐ کے پاس جا رہے ہو۔ انہوں نے انکار کیا۔ آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپؐ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب آنحضرتؐ کے پاس آئے تو صورتِ حال عرض کی فرمایا "تم دونوں واپس جاؤ ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔"[3]

زہد و قناعت

مصنفینِ یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرتؐ جب تک مکہ میں تھے پیغمبر تھے۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپؐ تمام عرب کے زیرِ نگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط۔ آخری فقرے ابنِ ہشام میں ہیں [2] ابوداؤد کتاب الادب [3] صحیح مسلم باب الوفا بالعہد ج دوم۔

باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جَو پر گروی تھی۔ جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی ان میں اُوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدودِ شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا ہے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ آپؐ کی مہماتِ فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا، جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا[1] اس بنا پر آپؐ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کئے ہیں۔ لیکن اصلی میلانِ طبع زخارفِ دنیوی سے اجتناب تھا۔ (فرمایا کرتے، فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں۔ رہنے کے لئے گھر، ستر پوشی کے لئے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لئے روکھی سوکھی روٹی اور پانی[2])۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں وَلَا يَطْوِي لَهُ ثَوْبٌ (کبھی آپؐ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا گیا) یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے اتفاقاً آپؐ کسی طرف سے آ گئے۔ پوچھا کیا شغل ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کی "دیوار کی مرمت کر رہا ہوں" ارشاد ہوا کہ "اتنی مہلت کہاں[3]!

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپؐ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبيت الليالي المتتابعة طاويا هو و اهله[4] لا يجدون عشاء

آپؐ اور آپ کے اہل و عیال کئی کئی رات بھوکے جاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

---

[1] الحدید، ۲۷ [2] جامع ترمذی ابواب الزہد [3] ابن ماجہ کتاب اللباس [4] جامع ترمذی معیشت النبیؐ۔

بیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن زبیرؓ نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور۔ البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیجدیتے تھے تو پی لیتے تھے[1]۔ آپؐ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی[2]۔ میدہ جسکو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں، کبھی نظر سے نہیں گذرا۔ سہل بن سعدؓ جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے کہ کیا آنحضرتؐ کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں؟ بولے نہیں۔ لوگوں نے پھر پوچھا کہ آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے؟ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے۔ جو رہ جاتا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے[3]۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپؐ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی[4]۔

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر میں محدثین اور اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ آپؐ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ بظاہر روایاتِ مذکورہ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں۔ بے شبہہ آپؐ بقدر نفقہ آمدنی میں سے لے لیتے باقی فقراء اور اہلِ حاجت کو دیتے تھے۔ لیکن آپؐ اپنے لئے جو رکھ لیتے تھے وہ بھی اہلِ حاجت کے نذر ہو جاتا تھا۔ احادیث میں آپؐ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپؐ نے ازواجِ مطہراتؓ میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں آپؐ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق [2] صحیح بخاری کتاب الرقاق [3] شمائل ترمذی [4] شمائل ترمذی۔

میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔[1]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔[2]

حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔[3]

ایک دفعہ صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھولکر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے۔ آپؐ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے۔[4]

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہؓ آپؐ کی حالت سمجھ جاتے تھے۔ ایک دن ابوطلحہؓ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ میں نے ابھی رسول اللہؐ کو دیکھا۔ اُن آواز کمزور ہو گئی ہے۔[5]

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے۔ راہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے۔ یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے۔ آپؐ سب کو لے کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر آئے۔ ان کا معمول تھا کہ آنحضرتؐ کے لئے دودھ مہیا رکھتے تھے۔ آج آپؐ کے آنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے بچوں کو پلا دیا۔ آنحضرتؐ اُن کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے۔ اُن کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی "حضور کا آنا مبارک"۔ آپؐ نے پوچھا ابوایوبؓ کہاں ہیں؟ نخلستان پاس ہی تھا وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی "یہ حضور

---

[1] صحیح مسلم ج دوم و صحیح بخاری۔ [2] صحیح مسلم [3] صحیح مسلم [4] صحیح مسلم [5] صحیح مسلم۔

کے آنے کا وقت نہیں"۔ آپؐ نے حالت بیان کی۔ وہ نخلستان میں جاکر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا میں گوشت تیار کراتا ہوں۔ ایک بکری ذبح کی۔ آدھے کا سالن آدھے کے کباب تیار کرائے۔ کھانا سامنے لاکر رکھا تو آنحضرتؐ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہؓ کو بھجوا دو۔ کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔ پھر خود صحابہؓ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا۔ متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ "خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا، وہ یہی چیزیں ہیں"[1]

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرتؐ صبح کو ازواجِ مطہراتؓ کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کرتیں "نہیں"۔ آپؐ فرماتے کہ "اچھا میں نے روزہ رکھ لیا"[2]

عفو و حلم

ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا بجز اس صورت کے کہ اُس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو[3]

(جنگِ اُحد کی شکست سے زیادہ روسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یادِ خاطرِ اقدس پر گراں[4] تھی۔ تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف میں جب ایک منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم و

---

[1] ترغیب وترہیب ج دوم (یہ واقعہ صحیح مسلم ج دوم میں بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے) [2] مسند ابن حنبل ج دوم [3] صحیح بخاری ج چہارم کتاب الادب۔ [4] صحیح بخاری بدء الخلق۔

عفو انسان دخود آنحضرتؐ، یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انہیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانۂ اسلام پر جھکا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۹ھ میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپؐ نے صحنِ مسجد میں ان کو مہمان اتارا اور عزّت اور حرمت کے ساتھ اُن سے پیش آئے۔[1]

قریش نے آپؐ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسمِ اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپؐ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا۔ لیکن آپؐ نے کبھی ان باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔ غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصّے سے کانپ اٹھتا ہے۔ ایک صاحب جنہوں نے آنحضرتؐ کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ فرما رہے تھے کہ "لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے"۔ پیچھے پیچھے ابوجہل تھا وہ آپؐ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا "لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو"۔ راوی کہتا ہے کہ آپؐ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔[2]

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا۔ جبکہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ حضرت عائشہؓ آپؐ کی محبوب ترین ازواج اور ابوبکرؓ جیسے یارِ غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھیں۔ شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا۔ دشمنوں کی

---

[1] ابوداؤد ذکر طائف و مسند ابن حنبل جلد چہارم۔ [2] مسند احمد جلد چہارم۔

شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں۔ تاہم رحمتِ عالمؐ نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمامتر بانی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی تھا اور آپؐ کو اس کا بخوبی علم تھا۔ بایں ہمہ آپؐ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمعِ عام میں منبر پہ کھڑے ہو کر فرمایا "مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے۔ اس سے میری داد کون لے سکتا ہے"۔ حضرت سعد بن معاذؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اٹھ کر کہا "میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ آپؐ نام بتائیں تو اس کا سر اڑا دوں"۔ سعد بن عبادہؓ نے جو عبداللہ ابن اُبی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف سے حمایتی کھڑے ہو گئے۔ قریب تھا کہ تلواریں کھینچ جائیں۔ آپؐ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔ واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی۔ تاہم عبداللہ بن اُبی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا اور ثبوت کے لئے شرعی شہادت موجود نہ تھی۔ تہمت لگانے والوں میں جن کو سزا دی گئی ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے ان کی معاش کے کفیل حضرت ابوبکرؓ تھے۔ تہمت لگانے کے جرم میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بند کر دیا۔ اس پر یہ آیت اتری:۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ	تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضیلت
أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	اور ذی مقدور ہیں انکو یہ قسم نہیں کھانی
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا	چاہیئے کہ قرابتداروں اور مسکینوں اور مجاہدوں
وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ	سے سلوک نہ کریں گے۔ تم کو عفو اور
لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (النور ۲۲)	درگذر سے کام لینا چاہیئے۔ کیا تم نہیں
	چاہتے کہ خدا تمکو بخشدے۔ خدا غفور رحیم ہے۔

اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بدستور جاری کر دیا۔

تہمت لگانے والوں میں (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور میں تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے۔ حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا۔ لیکن یہ آنحضرتؐ کے فیضِ صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا کہ یہ (حسانؓ) آنحضرتؐ کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے۔[1]

مدینہ کے منافق یہودیوں میں سے لبید بن اعصم نے آپؐ پر سحر کیا تاہم آپؐ نے کچھ تعرض نہ فرمایا۔ (حضرت عائشہؓ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا "میں لوگوں میں شورش نہیں پیدا کرنا چاہتا")[2]

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے، لین دین کا کاروبار کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے کچھ قرض لیا۔ میعادِ ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ تقاضے کو آئے۔ آنحضرتؐ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہہ کر کہا "عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یونہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو"۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ اُس کی طرف مخاطب ہو کر کہا "او دشمنِ خدا! تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے"۔ آنحضرتؐ نے مسکرا کر فرمایا "عمرؓ! تم سے کچھ اور امید تھی اِس کو سمجھانا چاہیئے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں اِس کا قرض ادا کر دوں"۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دیدو۔[3]

(ایک دفعہ آپؐ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا۔ پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہو جاتا۔ اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجئے۔ آنحضرتؐ نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا۔

---

[1] صحیح بخاری قصہ افک [2] صحیح بخاری۔ [3] یہ روایت بیہقی ابن حبان طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے (شرح شفا قاضی)

اس گستاخ نے کہا میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یونہی اڑا لیں اور دام نہ دیں۔" آنحضرتؐ نے یہ ناگوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ "وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں"[1]

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی آپؐ رک گئے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا "صبر کرو" وہ آپؐ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی۔ "ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے"۔ آپؐ چلے آئے۔ لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا وہ رسول اللہؐ تھے۔ دوڑی ہوئی آئی اور کہا میں حضورؐ کو پہچانتی نہ تھی"۔ ارشاد فرمایا "صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے"[2]

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے۔ آپؐ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے۔ راہ میں ایک جلسہ تھا۔ آپؐ ٹھہر گئے۔ عبداللہ بن اُبی جو رئیس المنافقین تھا وہ بھی جلسہ میں موجود تھا۔ آپؐ کی سواری کی گرد اڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرتؐ سے کہا "دیکھو گرد نہ اڑاؤ" (جب آنحضرتؐ قریب پہنچے تو اس نے کہا) "محمدؐ! اپنا گدھا ہٹاؤ۔ تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا"۔ آنحضرتؐ نے سلام کیا۔ پھر سواری سے اُترے اور اسلام کی دعوت دی۔ عبداللہ بن اُبی نے کہا "ہمارے گھر آ کر ہم کو نہ ستاؤ۔ جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو"۔ عبداللہ بن رواحہؓ جو مشہور شاعر تھے، انہوں نے کہا آپؐ ضرور تشریف لائیں۔ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آئیں۔ آنحضرتؐ نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا، جلسہ سے اُٹھ کر آپؐ سعد بن عبادہؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا "تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں"۔ سعد بن عبادہؓ نے عرض کی کہ آپؐ کچھ خیال نہ فرمائیں یہ وہ

---

[1] جامع ترمذی کتاب البیوع [2] بخاری کتاب الجنائز [3] صحیح بخاری ج دوم

شخص ہے کہ آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ مدینہ نے اس کے لئے ریاست کا تاج تیار کر لیا تھا۔[1]

غزوۂ حنین میں آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا یہ تقسیم خدا کی رضامندی کیلئے نہیں ہے۔" آپؐ نے سنا تو فرمایا خدا موسیٰؑ پر رحم کرے ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔[2]

ایک دفعہ ایک بدو خدمتِ اقدس میں آیا۔ آپؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ آدابِ مسجد سے واقف نہ تھا۔ وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں۔ آپ نے فرمایا" جانے دو اور پانی کا ایک ڈول لا کر بہا دو۔ خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لئے نہیں بلکہ آسانی کے لئے بھیجا ہے۔"[3]

حضرت انسؓ جو خادم خاص تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے مجھ کو کسی کام کیلئے بھیجنا چاہا۔ میں نے کہا نہ جاؤنگا۔ آپؐ چپ رہ گئے۔ میں یہ کہکر باہر چلا گیا۔ دفعتہً آنحضرتؐ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپؐ ہنس رہے ہیں۔ پھر پیار سے فرمایا انیس! جس کام کے لئے کہا تھا تو جاؤ۔" میں نے عرض کی" اچھا جاتا ہوں۔" انسؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپؐ کی ملازمت کی۔ کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کیوں نہیں کیا۔[4]

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے۔ جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے۔ ایک دن حسبِ معمول مسجد سے نکلے ایک بدو آیا اور اسنے آپؐ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ آپؐ کی گردن سرخ ہو گئی۔ آپؐ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے۔ تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو تب غلہ دیا جائے گا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ خدا کی قسم میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم [2] صحیح بخاری غزوہ حنین [3] صحیح بخاری [4] صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب۔

آپ نے اسکے اونٹوں پر جَو اور کھجوریں لدوا دیں[1] اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔

قریش نعوذ باللہ آنحضرتؐ کو گالیاں دیتے تھے۔ بُرا بھلا کہتے تھے۔ ضد سے آپؐ کو محمد تعریف کیا گیا نہیں کہتے تھے، بلکہ مذمّم (مذمّت کیا گیا) کہتے تھے۔ لیکن آپؐ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے۔ وہ مذمّم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمّم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد ہوں[2]۔

جس زمانہ میں آپؐ فتح مکہ کے لئے تیاریاں کر رہے تھے اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو۔ حاطب بن بلتعہؓ ایک صحابی تھے انہوں نے چاہا کہ قریش کو اس کی اطلاع کر دیں۔ چنانچہ ایک خط لکھکر انہوں نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا۔ آپؐ کو اس کی خبر ہو گئی۔ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے۔ حاطبؓ کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی یہ موقع تھا کہ ہر سیاست دان مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس لئے ان کو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر میں تھے۔ عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا[3] حالانکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فراط بن حیان ایک شخص تھا۔ ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا۔ آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرتؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے۔ جب انصار کے ایک محلہ میں پہنچا تو بولا کہ میں مسلمان ہوں۔ ایک انصاری نے آکر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب یہی واقعہ حضرت انسؓ سے بخاری و مسلم میں مروی ہے بتغیر یسیر [2] مشکوٰۃ باب اسماء النبیؐ

[3] صحیح بخاری فتح مکہ۔

حال ہم ان ہی پر چھوڑتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرات بن حیان[1] ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرتؐ نے انکو یمامہ میں ایک زمین عنایت فرمائی جسکی آمدنی چار ہزار دو سو درہم تھی۔[2]

دشمنوں سے عفو و درگذر اور حسنِ سلوک انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب، نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگذر ہے۔ لیکن حاملِ وحی و نبوّت کی ذاتِ اقدس میں یہ جنس فراوان تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے۔ لیکن اخلاق کے دائرۂ شریعت میں اگر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بن جاتی ہے۔ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتحِ حرم کا دن تھا۔ جب کہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرتؐ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دستِ ستم سے آپؐ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں۔ لیکن ان سب کو یہ کہکر چھوڑ دیا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ[3]

تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوتِ بازو اور آنحضرتؐ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر طائف آیا۔ طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا اور وحشی کے لئے یہ بھی مامن نہ رہا۔ لیکن اُس نے سنا کہ آنحضرتؐ سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ ناچار خود رحمتِ عالمؐ کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ نے صرف اسقدر فرمایا کہ "میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے"[4]

ہند ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کئے، فتحِ مکہ کے دن

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب اکباسوس الذمی۔ یہ حدیث سفیان ثوری کے واسطہ سے دو طریقوں سے مروی ہے۔ ایک میں ابوہمام الدلال ہے اور یہی ابوداؤد کا طریق ہے۔ یہ طریق ضعیف ہے۔ دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے جو صحیح ہے۔ امام احمد نے بھی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے [2] اصابہ ترجمہ فرات بن حیان۔ [3] صحیح بخاری، فتح مکہ۔

نقاب پوش آئی کہ آنحضرتؐ پہچان نہ سکیں اور بیخبری میں بیعتِ اسلام کرکے سنداماں حاصل کرے پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی۔ آنحضرتؐ نے ہند کو پہچان لیا۔ لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا۔ ہند اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہوکر بے اختیار بول اٹھی "یارسول اللہؐ آپؐ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا۔ لیکن آج آپؐ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں"[1]

عکرمہ دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرتؐ کے سخت ترین دشمن تھے۔ فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے۔ انکی بیوی مسلمان ہوچکی تھیں۔ وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی۔ وہ ان کو مسلمان کیا اور خدمتِ اقدس میں لیکر حاضر ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے انکی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک[2] نہ تھی اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

مرحبا بالراکب المهاجر — اے ہجرت کرنیوالے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔

صفوان بن امیہ قریش کے رؤسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ ان ہی نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرتؐ کے قتل پر مامور کیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائیں۔ عمیر بن وہب نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہؐ! صفوان ابن امیہ اپنے قبیلے کے رئیس ہیں۔ وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈالدیں۔ ارشاد ہوا کہ اسکو امان ہے۔ عمیر عرض کی یارسول اللہؐ! امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمایئے جسکو دیکھ کر انکو میرا اعتبار آئے۔ آپؐ نے عمامہ مبارک ان کو عنایت فرمایا جسکو لے کر وہ صفوان کے پاس پہنچے۔ صفوان نے کہا مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے۔ عمیر نے جواب دیا "صفوان! ابھی تمہیں محمدؐ کے حلم و عفو کا حال معلوم نہیں"۔ یہ سنکر وہ عمیر کیساتھ دربارِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمیر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دی ہے۔ فرمایا سچ ہے۔ صفوان

---

[1] صحیح بخاری ذکر ہند۔ [2] موطا امام مالک کتاب النکاح [3] مشکوٰۃ کتاب الادب بحوالہ ترمذی۔

نے کہا تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو۔ ارشاد ہوا کہ "دو نہیں تم کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے"۔

اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ بہ تفصیل ابنِ ہشام میں مذکور ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرتؐ کی صاحبزادی زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی۔ حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے ہجرت کر رہی تھیں۔ کفار نے مزاحمت کی ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا۔ جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ اسکے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا اور اسی بنا پر فتحِ مکہ کے وقت ہبار اشتہاریانِ قتل میں داخل تھا۔ چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ دائیِ ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کی طرف جھکا دیا۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہؐ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر مجھے حضورؐ کے احسانات اور حلم و عفو یاد آئے۔ میری نسبت آپؐ کو جو خبریں پہنچی تھیں وہ صحیح تھیں۔ مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے۔ اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں"۔ دفعتہً بابِ رحمت وا تھا اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔[1]

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے غزواتِ نبویؐ کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے۔ بدر سے لے کر فتحِ مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا۔ لیکن فتحِ مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباسؓ ان کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ حضرت عمرؓ نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں انکے قتل کا ارادہ کیا۔ لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا۔ فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہو گا"۔[2] کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

---

[1] ابن اسحٰق و اصابہ ذکر ہبار [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری۔

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا۔ اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا جس میں مسیلمہ نے ادّعائے نبوّت کیا تھا۔ ثمامہ ابن آثال اس قبیلہ کے رؤسا میں تھا۔ اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے۔ اس کے بعد آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا "اے محمدؐ! اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گذار پر احسان ہوگا اور اگر زرِ فدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو میں دوں گا"۔ یہ جواب سن کر آپؐ خاموش رہے۔ دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی۔ تیسرے دن بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسّی کھول دو اور آزاد کر دو۔ ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف و عنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ اور عرض کی "یا رسول اللہؐ! دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپؐ سے زیادہ مبغوض نہ تھا اور اب آپؐ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں۔ کوئی مذہب آپؐ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے۔ کوئی شہر آپؐ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب وہی پسندیدہ ہے۔

قریش کی تمگری و جفاگری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلّہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا۔ بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے اور یہ بے دردان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن معلوم ہے کہ رحمتِ عالمؐ نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکّہ میں غلّہ یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے۔ مسلمان ہو کر جب یہ مکّہ گئے تو قریش نے تبدیلِ مذہب پر اُن کو طعنہ دیا۔ انہوں نے غصہ سے کہا کہ "خدا کی قسم اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ

نہیں ملے گا۔" اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ حضورؐ کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھالو۔ چنانچہ پھر حسبِ دستور غلہ جانے لگا[1]

کفّار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ

کفّار کے ساتھ آپؐ کے حسنِ خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ مؤرخین یورپ مدّعی ہیں کہ یہ اُس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس لئے ہم اِس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اُس زمانہ کے ہیں جب کہ مخالفین کی قوّتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرتؐ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔

ابو بصرہ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے مدینہ میں آنحضرتؐ کے پاس آکر مہمان رہے۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے۔ لیکن آپؐ نے کچھ نہ فرمایا۔ رات بھر تمام اہلِ بیتِ نبویؐ بھوکے رہے[2]

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ شب کو ایک کافر آنحضرتؐ کا مہمان ہوا۔ آپؐ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا۔ وہ پی گیا۔ پھر دوسری بکری دوہی گئی وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا۔ پھر تیسری پھر چوتھی۔ یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیا گیا۔ آنحضرتؐ نے کوئی تنغّص ظاہر نہ فرمایا۔ شاید اسی حسنِ اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا[3]

---

[1] شمار کا پورا واقعہ صحیح بخاری باب وفدِ بنی حنیفہ میں ہے۔ آخری ٹکڑا ابنِ ہشام میں مذکور ہے۔ [2] مسند ابنِ حنبل جلد ششم۔ [3] جامع ترمذی باب ان المومن یاکل فی میاً واحدۃ۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ صلحِ حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں، اعانت خواہ مدینہ حضرت اسماءؓ کے پاس آئیں۔ ان کو خیال ہوا کہ اہلِ شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آنحضرتؐ کے پاس آکر دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا "اُن کے ساتھ نیکی کرو"[1] حضرت ابوہریرہؓ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں۔ جہالت سے آنحضرتؐ کو گالیاں دیتی تھیں۔ ابوہریرہؓ نے خدمتِ اقدس میں عرض کی۔ آپؐ نے بجائے غیظ و غضب کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے[2]

آنحضرتؐ کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا۔ روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا ان کے پاس رہتا۔ ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اس سے ادا کر دیا کرتے۔ ایک دفعہ بازار جا رہے تھے۔ ایک مشرک نے دیکھا۔ اُن سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کیا۔ ایک دن اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا اور ان سے کہا "او حبشی!" انہوں نے اس بدتہذیبی کے جواب میں "لبیک" کہا۔ بولا کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔" یہ سنا پڑھ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے۔ کل وہ مشرک آکر مجھ کو فضیحت کرے گا۔ اس لئے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں۔ پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو واپس آجاؤں گا۔ غرض رات کو جا کر سو رہے اور سامانِ سفر یعنی تھیلا، جوتی، ڈھال سر کے نیچے رکھ لی۔ صبح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا آنحضرتؐ نے یاد فرمایا ہے۔ یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں۔ آنحضرتؐ

---

[1] صحیح بخاری، باب صلۃ الوالد المشرک۔ [2] صحیح بخاری۔

نے فرمایا "مبارک ہو یہ اونٹ رئیسِ فدک نے بھیجے ہیں" انہوں نے بازار میں جاکر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کرکے مسجدِ نبوی میں آئے اور آنحضرتؐ سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہوگیا۔[1]

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے جو ہجرت کا ساتواں سال ہے۔ حضرت بلالؓ آنحضرتؐ کے مقربِ خاص اور گھر کے منتظم تھے۔ ایک مشرک ان کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔ حضرت بلالؓ اس کی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ یہ باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے نہ بلالؓ کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے ہیں۔ اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیا جاتا ہے۔ یہ حلم، یہ عفو، یہ تحمل رحمتِ عالمؐ کے سوا کس سے ہوسکتا ہے؟

سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا۔ یہ کفار کا ایک گروہ تھا جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔ آنحضرتؐ جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کرلیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرمانروا بنا دیا جائے۔ جنگِ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا۔ لیکن دل سے کافر تھا اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہوگئی۔ یہ لوگ درپردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے۔ قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، ان کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے۔ بایں ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے۔ جمعہ کی جماعت میں شریک ہوتے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے۔ آنحضرتؐ ان کے حالات اور ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے۔ لیکن چونکہ

---

[1] ابوداؤد جلد دوم، باب قبول ہدایا المشرکین۔

شریعت اور قانون کے احکام دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں، اس لئے آپؐ اُن پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا لیکن فیاض دلی اور عفو و حلم کے اقتضا سے آپؐ ان سے ہمیشہ حُسنِ اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا۔ انصاری نے کہا "یا للانصار" (یعنی انصار کی دہائی)۔ مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی۔ قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں۔ دونوں رُک گئے عبداللہ بن اُبیّ نے سنا تو کہا "مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دونگا" ساتھیوں سے کہا "آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھالو۔ یہ خود تباہ ہو جائیں گے"۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے:

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ

یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہو جائیں۔

(المنافقون: ۷)

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ

کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

(المنافقون: ۸)

آنحضرتؐ نے عبداللہ بن اُبیّ کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے۔ اس نے صاف انکار کیا۔ حضرت عمرؓ موجود تھے بولے "یا رسول اللہؐ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں" آپؐ نے فرمایا "لوگ چرچا کریں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں"[1]

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ منافقون۔

جنگِ اُحد میں عبداللہ بن اُبی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا۔ تاہم آنحضرتؐ نے درگذر فرمایا اور وہ جب مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباسؓ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانوں کی ناراضگی کے باوجود آپؐ نے اپنی قمیصِ مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا[1]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ

خلقِ عظیم میں کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی ابرِ رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرتؐ سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپؐ کا طرزِ عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپؐ اُن میں اِن ہی کی تقلید فرماتے[2]

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسرِ بازار کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو تمام انبیاءؑ پر فضیلت دی"۔ ایک صحابی یہ کھڑے سن رہے تھے۔ اُن سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے پوچھا کیا محمدؐ پر بھی؟ اس نے کہا "ہاں"۔ اِنہوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا۔ آنحضرتؐ کے عدل اور اخلاق پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے ان صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی[3]

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ گویا باپ کی رضامندی دریافت کی۔ اس نے کہا "آپؐ جو فرماتے ہیں اس کو بجا لاؤ"۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا[4]

---

[1] بخاری میں یہ واقعہ متعدد روایتوں اور متعدد طریقوں سے منقول ہے۔ [2] صحیح بخاری۔ [3] صحیح بخاری۔ [4] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

ایک دفعہ سرِ راہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے۔[1]

ایک دفعہ چند یہودی آپؐ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے السّام علیکم (تم پر موت) کہا۔ حضرت عائشہؓ نے غصے میں آکر ان کو بھی سخت جواب دیا۔ لیکن آپؐ نے روکا اور فرمایا "عائشہ بدزبان نہ بنو، نرمی کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے"[2]

یہودیوں کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے۔ ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمدؐ! دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے آپؐ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔

نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کی مہمانداری کی۔ مسجد نبویؐ میں ان کو جگہ دے دی بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپؐ نے منع فرمایا۔[3]

یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے، نکاح و معاشرت کی اجازت دی اور ان کے لئے مخصوص امتیازی احکام شریعتِ اسلامیہ میں جاری فرمائے)

غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت

(مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی لیکن آنحضرتؐ کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا۔ بلکہ غریبوں کے ساتھ آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی۔ ایک دفعہ تقاضائے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔ [2] صحیح مسلم کتاب الادب جلد دوم۔ [3] زاد المعاد۔

بشریت سے آپؐ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہ احدیت سے اس پر باز پرس ہوئی مکہ کا واقعہ ہے۔ آنحضرتؐ کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے اور آپؐ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبداللہ بن ام مکتومؓ جو آنکھوں سے معذور اور غریب تھے، ادھر آنکلے اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپؐ سے باتیں کرنے لگے۔ روسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور فخار تھے ان کو یہ برابری ناگوار گذری۔ آپؐ نے ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر ان ہی سے باتیں کرتے رہے کہ شاید یہ اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کرلیں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں۔ لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری[1]:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝
وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ
فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝
فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا
يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَ
هُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ
اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝

(عبس ۱-۱۲)

پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا۔ (اے پیغمبر!) تجھے کیا خبر کہ تیری باتوں سے وہ پاک ہوجاتا یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی۔ لیکن جو بے پرواہی برتتا ہے اور جو تیرے پاس دوڑتا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اس کو قبول کرے۔

یہی غربا اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جاں نثار بنے تھے۔ آنحضرتؐ ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو روسائے قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھ کر استہزاءً کہتے تھے:

---

[1] ترمذی تفسیر سورۂ عبس۔

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ (الانعام: ۵۳)

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔

لیکن آپؐ ان کے اس استہزا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مزاج میں کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف خطاب کرکے فرمایا "تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہے"[1]

اسامہ بن زیدؓ سے فرمایا "میں نے درِ جنت پر کھڑے ہوکر دیکھا کہ زیادہ تر غریب مفلس ہی لوگ اس میں داخل ہیں"[2]

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں آپؐ تشریف لے آئے اور ان ہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھا اور ان کے پاس جاکر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا "فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولتمندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے"۔ عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ سُن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی ان ہی میں ہوتا[3]

ایک دفعہ آپؐ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اس اثنا میں ایک شخص سامنے سے گذرا۔ آپؐ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ "اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے"؟ اس نے جواب دیا کہ "یہ امراء کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں۔ خدا کی قسم یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے"۔ یہ سُن کر آپؐ خاموش ہوگئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب اسی راہ سے گذرے۔ آپؐ نے پھر اس

---

[1] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء بروایت صحیح مسلم [2] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء [3] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء بروایت دارمی۔

سے استفسار فرمایا کہ اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟ عرض کی "یا رسول اللہؐ! یہ فقرائے مہاجرین میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے اور سفارش کرے تو رد کر دی جائے۔ اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے"۔ ارشاد ہوا کہ "تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے یہ ایک غریب بہتر ہے"[1]

آنحضرتؐ اکثر دعا میں فرمایا کرتے تھے "خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر"۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا "یا رسول اللہؐ! یہ کیوں؟" فرمایا "اس لئے کہ یہ دولتمندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے"۔ پھر فرمایا "اے عائشہؓ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہؓ! غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا"[2]

ایک دفعہ چند غریب مسلمانوں نے آکر خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ "یا رسول اللہؐ! امراء ہم سے درجۂ اخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ نماز، روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن صدقات و خیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں ان سے ہم محروم ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے"۔ عرض کی "ہاں یا رسول اللہؐ! بتایئے"۔ ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ کچھ دن بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی "یا رسول اللہؐ! ہمارے دولتمند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا"۔ فرمایا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (یعنی یہ خدا کی

---

[1] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء بروایت صحیح بخاری و صحیح مسلم [2] مشکوٰۃ باب فضل الفقراء بروایت ترمذی و بیہقی و ابن ماجہ۔

دین ہے جس کو چاہے دے۔[1]

مسلمانوں سے جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ

تؤخذ من امرائھم وترد علی فقرائھم	ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امراء سے لے کر وہیں کے غربا میں تقسیم کر دی جائے۔

صحابہؓ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔[2]

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ و بلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے، ڈانٹا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ "تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ بیمار پڑی۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مر جائے گی۔ آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا۔ اس کے بعد دفن کی جائے۔ اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپؐ آرام فرما رہے تھے۔ صحابہؓ نے اس وقت آپؐ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھی۔ اور رات کو ہی دفن کر دیا۔ صبح کو آپؐ نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا۔ آپؐ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور صحابہؓ کو ساتھ لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی۔[3]

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پھر ہم لوگ آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافر دار حاضر خدمت ہوا ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ۔ [2] ابوداؤد کتاب زکوٰۃ۔ [3] یہ واقعہ بخاری وغیرہ میں ہے لیکن سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ فی المسجد سے لیا گیا۔

کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے بندھی ہوئی، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ بیحد متاثر ہوئے۔ چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ اضطراب میں آپؐ اندر گئے، باہر آئے۔ پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لئے آمادہ کیا۔[1]

دشمنانِ جان سے عفو و درگذر

(جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگذر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے۔ جس شب کو آپؐ نے ہجرت فرمائی ہے کفارِ قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبویؐ کا محاصرہ کئے کھڑا رہا۔ اگرچہ اس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپؐ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آنحضرتؐ کے رحم و کرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرتؐ کے سر کی قیمت مقرر کی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپؐ کے قریب پہنچے۔ آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھ کر اپنی نیتِ بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سندِ امان لکھ دی جائے۔ چنانچہ سندِ امان لکھ کر ان کو دی گئی۔[2] اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرفِ سوال بھی درمیان میں نہیں آیا۔[3]

---

[1] صحیح مسلم، صدقات۔ [2] صحیح بخاری، باب الہجرۃ۔ [3] سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال، استیعاب و اصابہ وغیرہ میں دیکھو۔

عمیر بن وہب آنحضرتؐ کا سخت دشمن تھا۔ مقتولینِ بدر کے انتقام کے لئے جب سارا قریش بے تاب تھا تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ وہ چپکے سے جاکر (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کا کام تمام کردے۔ عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں اور اصلی راز ظاہر کردیا۔ یہ سن کر وہ سناٹے میں آگیا۔ لیکن آپؐ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ یہ دیکھ کر وہ اسلام لایا اور مکہ میں جاکر دعوتِ اسلام پھیلائی۔ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔

ایک دفعہ آپؐ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے۔ راہ میں ایک میدان آیا۔ دھوپ تیز تھی۔ لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگا دیئے۔ آنحضرتؐ نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا۔ تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی۔ کفار موقع کے منتظر رہتے تھے۔ لوگوں کو غافل دیکھ کر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بے خبری میں تلوار اتار لی۔ دفعتہً آپؐ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سرہانے کھڑا ہے اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ آپؐ کو بیدار دیکھ کر بولا "کیوں محمدؐ! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ"۔ یہ پُر اثر آواز سن کر اس نے تلوار نیام میں کرلی۔ اتنے میں صحابہؓ آگئے۔ آپؐ نے اُن سے واقعہ دہرایا اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔[1]

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا۔ صحابہؓ اس کو گرفتار کرکے آنحضرتؐ کے سامنے لائے۔ وہ آپؐ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپؐ نے اس کو مخاطب کرکے فرمایا "ڈرو نہیں، اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کرسکتے تھے"۔[2]

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے

---

[1] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ [3] ابن حنبل ج سوم

اتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرتؐ کو قتل کرنا چاہا۔ اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے۔ لیکن آنحضرتؐ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے[1]

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَ	اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے
أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ	ہاتھ ان سے روک لئے۔

(الفتح : ۲۴)

خیبر میں ایک یہودیہ نے آنحضرتؐ کو کھانے میں زہر دیا۔ آپؐ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا۔ آپؐ نے یہودیوں کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے اقرار کیا۔ لیکن آپؐ نے کسی سے کچھ تعرض نہیں فرمایا۔ لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابیؓ نے انتقال کیا تو آپؐ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی۔ (حالانکہ خود آنحضرتؐ کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا)[2]

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے۔ جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو اُن کے تشنۂ خون ہوتے ہیں وہ اُن کو پیار کرتے ہیں۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرتؐ پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے اس داستان کو دُہرانے کے لئے بھی سنگدلی درکار ہے۔ اسی زمانہ میں حضرت خبابؓ بن ارتؓ ایک صحابی نے عرض کی کہ "یا رسول اللہؐ! دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے" یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا[3]۔ ایک دفعہ چند صحابیوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا کہ "میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"[4]

وہ قریش جنہوں نے تین برس تک آپؐ کو محصور رکھا اور جو آپؐ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے

---

[1] جامع ترمذی تفسیر الفتح۔ [2] صحیح بخاری وفاۃ النبیؐ۔ [3] صحیح بخاری مبعث النبیؐ۔ [4] مشکوٰۃ باخلاق النبیؐ بحوالہ صحیح مسلم۔

پہنچنے کے روادار نہ تھے۔ ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبویؐ کی استجابت نے ابرِ رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھالیا اور مکّہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈّی اور مُردار کھانے لگے۔ ابوسفیان نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ "محمدؐ! تمہاری قوم ہلاک ہورہی ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دُور ہو۔" آپؐ نے بلاعذر فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔[1]

جنگِ اُحد میں دشمنوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندانِ مبارک کو شہید کیا، جبینِ اقدس کو خون آلود کیا، لیکن ان حملوں کا وار آپؐ نے جس سپر پر روکا وہ صرف یہ دعا تھی:

اللّٰھم اھد قومی فانّھم لایعلمون — خدایا! ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔

وہ طائف جس نے دعوتِ اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعیٔ اسلامؐ کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا، ان کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے۔ جواب ملتا ہے کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔"[2] دس بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے۔ جاں نثاروں کی لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں۔ صحابہؓ عرض کرتے ہیں کہ "یارسول اللہؐ! ان کے حق میں بددعا کیجئے۔" آپؐ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ حضورؐ ان کے حق میں بددعا فرمائیں گے لیکن زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں "خداوندا! ثقیف (اہلِ طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا۔" وہ تیر جو میدانِ جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے وہ مدینہ کے صحنِ مسجد

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان [2] صحیح بخاری۔

میں زبانِ مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے۔ یعنی وہ مدینہ آکر خاص مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر، جہاں وہ مہمان ٹھہرائے گئے تھے، مسلمان ہوئے۔[1]

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔ طفیل بن عمرو دوسیؓ اس قبیلہ کے رئیس تھے۔ وہ قدیم الاسلام تھے۔ مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا۔ ناچار وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور قبیلے کی حالت عرض کر کے گزارش کی کہ ان کے حق میں بددعا فرمایئے۔ لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں رہا۔ لیکن رحمتِ عالمؐ نے جن الفاظ میں دعا فرمائی وہ یہ تھے۔[2]

اللّٰھم اھد دوسا وائت بھم — خداوندا دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ماں مشرکہ تھیں۔ اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے وہ ابا کرتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے اسلام کی دعوت دی تو ان کی ماں نے آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت ابوہریرہؓ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے اور اسی حالت میں آنحضرتؐ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے دعا کی "الٰہی ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب کر"۔ وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کواڑ بند ہیں اور ماں نہا رہی ہیں۔ غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا۔[3]

عبداللہ بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا اور کوئی موقع اس نے آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور علانیہ استخفاف و اہانت کا ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کفارِ قریش کے ساتھ اس کی خفیہ خط و کتابت تھی۔ غزوۂ اُحد میں عین موقع پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا۔ واقعۂ افک میں حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا۔

---

[1] ابن سعد غزوہ طائف۔ [2] صحیح مسلم مناقب دوس۔ [3] صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہؓ۔

باایں ہمہ اس کی فردِ جرم کو رحمتِ عالمؐ کا حلم و عفو ہمیشہ دھوتا رہا۔ وہ مرا تو آپؐ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسول اللہؐ! آپؐ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اُس نے یہ کہا اور یہ کہا" یہ سن کر آپؐ متبسم ہوئے اور فرمایا "ہٹو اے عمرؓ" جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "اگر مجھے اختیار دیا جاتا کہ اگر ستّر دفعہ میں نماز پڑھوں تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے تو اس سے بھی زیادہ پڑھتا"[1]

بچّوں پر شفقت بچّوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے بٹھاتے۔ دراستہ میں بچے مل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے۔[2]

ایک دن خالد بن سعیدؓ خدمتِ اقدس میں آئے۔ ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن میں تھا۔ آپؐ نے فرمایا سنہ سنہ۔ حبشی زبان میں حسنہ کو سنہ کہتے ہیں۔ چونکہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی تھی اس لئے آپؐ نے اس مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے سنہ کہا۔ آنحضرتؐ کے پشت پر جو مُہرِ نبوت تھی اُبھری ہوئی تھی۔ بچّوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں۔ وہ بھی مُہرِ نبوت سے کھیلنے لگیں۔ خالدؓ نے ڈانٹا۔ آنحضرتؐ نے روکا کہ کھیلنے دو۔[3]

ایک دفعہ آپؐ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر بھی تھی جس میں دونوں طرف آنچل تھے۔ آپؐ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دوں۔ لوگ چپ رہے۔ آپؐ نے فرمایا "اُمِّ خالد کو لاؤ"[4] وہ آئیں تو آپؐ نے اُن کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا "پہننا اور پرانی کرنا"۔ چادر میں جو بوٹے تھے آپؐ ان کو دکھا دکھا کر فرماتے تھے "اُمِّ خالد دیکھنا یہ سنا ہے یہ سنا ہے"[5]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب۔ [3] صحیح بخاری ج دوم۔ [4] اصابہ میں ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھیں کہ لوگ ان کو گود میں اٹھا کر لائے (اصابہ ترجمہ اُمِّ خالدؓ)۔ [5] صحیح بخاری کتاب اللباس۔ سنا حبشی میں حسن کو کہتے ہیں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ اُمّ خالد حبش میں پیدا ہوئی تھیں اور کئی مہینے تک وہیں رہی تھیں۔ اس لئے ان سے حبشی زبان میں خطاب کیا۔

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھ کو خدمتِ اقدس میں لے گئے۔ آپؐ نے پوچھا ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لئے۔ ارشاد فرمایا کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں ان کو اٹھا کر کھا لیا کرو ڈھیلے نہ مارو۔ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی[1]۔

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپؐ پر سخت اثر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ نہ تھا۔ ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ وہی اٹھا کر دے دی۔ عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں میں برابر تقسیم کر دئے۔ آنحضرتؐ باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا۔ ارشاد فرمایا "خدا جس کو اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجا لائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا[2]۔"

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا۔ دفعتاً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہو گی[3]۔

(یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے چھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ! وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد۔ [2] صحیح بخاری۔ [3] بخاری کتاب الصلوٰۃ۔

خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے[1]۔"

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے[2]۔ بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا۔ اس نے کہا تم بچوں کو پیار کرتے ہو۔ میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا۔" آپؐ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں[3]۔"

جابر بن سمرہؓ صحابی تھے۔ وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ اپنے گھر کی طرف چلے۔ میں بھی ساتھ ہو لیا کہ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آئے۔ آپؐ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا[4]۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپؐ کا داخلہ ہو رہا تھا انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھیں۔ جب آپؐ کا ادھر گزر ہوا فرمایا" اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو۔" سب نے کہا" ہاں یا رسول اللہؐ!" فرمایا" میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں[5]۔"

حضرت عائشہؓ کمسنی میں بیاہ کر آئی تھیں۔ محلہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں۔ آپؐ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپؐ کا لحاظ کر کے اِدھر اُدھر چھپ جاتیں۔ آپؐ انہیں تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے[6]۔

غلاموں پر شفقت | آنحضرتؐ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ" یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ

---

[1] مسند ابن حنبل ج سوم۔ [2] معجم صغیر طبرانی باب المیم معجم محمدؐ۔ [3] صحیح بخاری و مسلم کتاب الادب۔ [4] صحیح مسلم باب طیب رائحۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [5] سیرت ج اوّل ہجرت۔ [6] ابو داؤد کتاب الادب باب اللعب۔

ان کو پہناؤ۔" آنحضرتؐ کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو آپؐ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے۔ لیکن وہ حضورؐ کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپؐ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہؓ غلام تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ اُن کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ آستانۂ رحمت پر باپ کے ظلِّ عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ سے آپؐ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا۔ خود اپنے دستِ مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔

غلاموں کو لفظ "غلام" کا سُن کر اپنی نظر میں اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ فرمایا کوئی "میرا غلام" "میری لونڈی" نہ کہے۔ "میرا بچہ" "میری بچی" کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں۔ خداوند خدا ہے، آقا کہیں۔ آنحضرتؐ کو غلاموں پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ "غلاموں کے معاملے میں خدا سے ڈرا کرنا۔"

حضرت ابوذرؓ بہت قدیم الاسلام صحابی تھے اور آنحضرتؐ اُن کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو بُرا بھلا کہا۔ غلام نے آنحضرتؐ سے جا کر شکایت کی۔ آپؐ نے ابوذرؓ کو زجر فرمایا کہ "تم میں اب تک جہالت باقی ہے۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے۔ اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو۔ خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ وہ اِن کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہ اِن کو پہناؤ۔ اِن کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اتنا کام دو تو خود بھی اِن کی اعانت کرو۔"[1]

---

[1] صحیح بخاری باب المعاصی من امر الجاہلیہ و ابوداؤد کتاب الادب۔

ایک دفعہ ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی "ابو مسعودؓ! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے"۔ ابو مسعودؓ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرتؐ تھے۔ عرض کی "یا رسول اللہؐ! میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا"۔ فرمایا "اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتشِ دوزخ تم کو چھو لیتی"۔

ایک شخص خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ عرض کی "یا رسول اللہؐ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟" آپؐ خاموش رہے۔ اس نے پھر عرض کی۔ آپؐ نے پھر خاموشی اختیار کی۔ اس نے تیسری بار عرض کی۔ آپؐ نے فرمایا "ہر روز ستر بار معاف کیا کرو"۔

آنحضرتؐ کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو تھپڑ مارا۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو۔ لوگوں نے کہا "یا رسول اللہؐ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا اُس وقت تک خدمت گزاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ۔ جب حاجت نہ رہے تو وہ آزاد ہے"[1]۔

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے جن کے وہ بہت شاکی تھے۔ وہ اُن کو مارتے تھے برا بھلا کہتے تھے لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے۔ انہوں نے آکر آنحضرتؐ سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا "تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہو گی اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزا دے گا"۔ یہ سن کر وہ بیقرار ہو گئے اور گریہ و زاری شروع کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ[2] یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! بہتر یہ ہے کہ میں اُن کو اپنے سے جدا کر دوں۔ آپؐ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں[3]۔

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوک میں مذکور ہیں۔ [2] الانبیاء ۴۷۔ [3] مسند ابن حنبل ج ششم

غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے، جبراً اُن میں تفریق کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونوں میں علیحدگی کرنی چاہی۔ غلام نے خدمتِ نبویؐ میں آکر شکایت کی۔ آپؐ نے منبر پر خطبہ دیا کہ "لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں۔ نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے"[1]

اسی رحم و شفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپؐ انہیں آزاد فرما دیتے تھے[2]۔ مالِ غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپؐ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے[3]۔ جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے چونکہ اس کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا اس لئے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس میں سب سے پہلے آپؐ انہیں کو عنایت فرماتے تھے۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ دنیا میں یہ صنفِ ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہیں اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیشِ نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریقِ معاشرت کیا تھا۔ اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی۔ اس لئے شارعِ اسلامؐ کے واقعاتِ زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مستورات کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں آنحضرتؐ کے ایلا (ازواجِ مطہراتؓ سے چند روز علیحدگی) کی جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابلِ التفات سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی۔ لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں۔ آنحضرتؐ نے جس طرح اپنے ارشاد و احکام سے اُن کے حقوق قائم کئے آپؐ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا۔ ازواجِ مطہراتؓ کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں۔ یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق۔ [2] ابو داؤد کتاب الجہاد و مسند ابن حنبل ج اوّل۔ [3] ابو داؤد باب قسمۃ الفیٔ۔

آنحضرتؐ کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا، عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اس لئے ہمارے لئے ایک دن خاص مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی[1] اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

جن لوگوں نے آغازِ اسلام میں حبش کو ہجرت کی تھی ان میں اسماء بنت عمیسؓ بھی تھیں۔ خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرینِ حبش مدینہ میں آئے تو وہ بھی آئیں۔ ایک دن وہ حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں۔ اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ ان کو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں۔ حضرت حفصہؓ نے نام بتایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "ہاں وہ حبش والی، وہ سمندر والی"۔ اسماء بنت عمیسؓ نے کہا "ہاں! وہی"۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی اور اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ حق ہے۔ اسماءؓ کو سخت غصہ آیا۔ بولیں "ہرگز نہیں۔ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے۔ ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے۔ لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا"۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔ اسماءؓ نے کہا "یا رسول اللہ! عمرؓ نے یہ یہ کہا"۔ آپؐ نے فرمایا "تم نے کیا جواب دیا"۔ انہوں نے ماجرا سنایا۔ آپؐ نے فرمایا "عمرؓ کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں۔ عمرؓ اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں"۔

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرینِ حبش جوق در جوق اسماءؓ کے پاس آتے اور آنحضرتؐ کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ مہاجرینِ حبش کے لئے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم۔ ہل یجعل للنساء یوما علی حدۃ الخ۔

دنیا میں کوئی چیز آنحضرتؐ کے ان الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی[1]۔

حضرت انس بن مالکؓ جو خادم خاص تھے، ان کی خالہ کا نام اُمِّ حرام تھا (جو رضاعت کے رشتہ سے آپؐ کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا جب آپؐ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے۔ وہ اکثر کھانا لاکر پیش کرتیں اور آپؐ نوش فرماتے۔ آپؐ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں[2]۔

حضرت انسؓ کی والدہ اُمِّ سلیمؓ سے آپؐ کو نہایت محبت تھی۔ آپؐ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ وہ بچھونا بچھا دیتیں۔ آپؐ آرام فرماتے۔ جب سو کر اٹھتے تو وہ آپؐ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔ مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملا جائے تو عرقِ مبارک کے ساتھ ملا جائے[3]۔

ایک دفعہ حضرت انسؓ کی والدہ ملیکہ نے آپؐ کی دعوت کی۔ کھانا خود تیار کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے کھانا نوش فرما کر فرمایا "آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں"۔ گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی۔ حضرت انسؓ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لئے بچھایا۔ آنحضرتؐ نے امامت کی، حضرت انسؓ اور ان کی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے[4]۔

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی (اسماءؓ) جو حضرت عائشہؓ کی علاتی بہن تھیں، حضرت زبیرؓ سے بیاہی تھیں۔ مدینہ میں آئیں تو اُس وقت حضرت زبیرؓ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حضرت اسماءؓ خود ہی گھوڑے کے لئے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں۔ حضرت زبیرؓ کو جو زمین آنحضرتؐ نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی، وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں۔ ایک دن وہ گٹھلیاں لئے ہوئے آ رہی تھیں کہ آنحضرتؐ نے دیکھا۔ آپؐ اس وقت اونٹ پر سوار تھے۔ اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں۔ حضرت اسماءؓ شرمائیں۔ آنحضرتؐ

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ خیبر۔ [2] بخاری کتاب الجہاد [3] صحیح بخاری کتاب الاستیذان۔ [4] صحیح بخاری باب الصلوٰۃ علی الحصیر۔

نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا۔ مجھ کو اس قدر غنیمت معلوم ہوا گویا میں غلامی سے آزاد ہو گئی۔[1]

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی آنحضرتؐ سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ آئے تو سب اُٹھ کر چل دیں۔ آنحضرتؐ ہنس پڑے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "خدا آپؐ کو خنداں رکھے کیوں ہنسے؟" فرمایا "ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ وہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا "اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرتؐ سے نہیں ڈرتیں"؟ سب نے کہا "تم رسول اللہؐ کی نسبت سخت مزاج ہو"۔[2]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپؐ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے۔ عید کا دن تھا۔ چھوکریاں گا بجا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "ان کو گانے دو۔ ان کی عید کا دن ہے"۔[3]

عورتیں نہایت دلیری کے ساتھ آپؐ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہؓ کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی۔ لیکن آپؐ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔

چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

انجشہ نام ایک حبشی غلام حُدی خواں تھے۔ یعنی اونٹ کے آگے حُدی پڑھتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواجِ مطہراتؓ ساتھ تھیں۔ انجشہ حُدی پڑھتے جاتے تھے۔ اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا "انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں"۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح۔ [2] صحیح بخاری مناقب عمر بن خطابؓ۔ [3] صحیح مسلم کتاب العیدین۔

حیوانات پر رحم | حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے۔ ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے موقوف کرا دیئے۔ اونٹ کے گلے میں قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا اس کو روک دیا[1]۔ زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے۔ اس کو منع کر دیا۔ جانور کی دُم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ دُم ان کا مورچھل ہے اور ایال ان کا لحاف ہے۔ جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ "جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ"۔ اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشقِ تیر اندازی کرتے تھے۔ اس سنگ دلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی۔)

ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغا گیا تھا۔ فرمایا کہ "جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے"۔ علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا۔ ایسی حالت میں آپؐ ان اعضا کو داغتے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے ریوڑ میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے کان داغ رہے ہیں[2]۔

ایک بار آپؐ کسی سفر میں جا رہے تھے۔ لوگوں نے ایک مقام پر منزل کی۔ وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا۔ ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا۔ چڑیا بے قرار ہو کر پَر مار رہی تھی۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی؟ ان صاحب نے کہا "یا رسول اللہ[3]! مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "وہیں رکھ دو[4]"۔

ایک صحابیؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں چادر سے چھپے ہوئے

---

[1] صحیح مسلم باب اللباس والزینۃ۔ [2] یہ حدیثیں ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہیں۔ [3] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ البہائم۔

کسی پرندہ کے بچے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی۔ جاکر دیکھا تو یہ بچے تھے۔ میں نے ان کو نکال لیا۔ پرندہ نے یعنی ان بچوں کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی۔ آپؐ نے فرمایا "جاؤ اور بچوں کو وہیں پھر رکھ آؤ"[1]

ایک بار راستہ میں ایک اونٹ نظر سے گزرا جس کا پیٹ اور پیٹھ شدتِ گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے۔ فرمایا کہ "ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو"[2] ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں آپؐ تشریف لے گئے۔ ایک گرسنہ اونٹ نظر پڑا۔ آپؐ کو دیکھ کر بلبلایا۔ آپؐ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا۔ پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے۔ ان سے آپؐ نے فرمایا کہ "اس جانور کے معاملہ میں تم خدا سے نہیں ڈرتے"[3]

رحمت و محبتِ عام حضور انورؐ کی ذات پاک تمام دنیا کے لئے رحمت بن کر آئی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا تھا کہ "میں امن کا شہزادہ ہوں"[4] لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں۔ لیکن امن کے شہنشاہؐ کو خداوندِ ازل ہی نے خطاب کیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

محمدؐ! ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تم آنحضرتؐ کے حلم و عفو، مسامحت و درگزر کے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے۔ نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت میں دوست و دشمن، کافر و مسلم، بوڑھے بچے، عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنفِ ہستی برابر کی حصہ دار تھی۔

ایک صاحب نے آپؐ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضبناک ہو کر فرمایا میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں آیا ہوں[5]۔ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"[6] آپؐ نے دنیا کو پیغام دیا:

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ۔ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد۔ [3] ابوداؤد کتاب الجہاد۔ [4] زرقانی جلد ۴۔ [5] صحیح بخاری باب الہجرۃ۔

لاتباغضوا ولاتحاسدوا ولاتدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا	ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا:

احب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلماً[1]	لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لایؤمن احدکم حتی یحب للناس مایحب لنفسہ وحتی یحب المرء لایحبہ الا للہ عزّ وجلّ[2]	تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لئے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لئے رکھتا ہے جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے لئے پیار نہ کرے

ایک شخص نے مسجدِ نبویؐ میں آکر دعا کی "خدایا! مجھ کو اور محمدؐ کو مغفرت عطا کر" آپؐ نے فرمایا "خدا کی رحمت کو تم نے تنگ کر دیا"[3] ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجدِ نبویؐ میں آیا[4] اور آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بولا "خداوندا! مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر" آپؐ نے صحابہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا "بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ"۔ یعنی آپؐ نے اس قسم کی دعا کرنا ناپسند فرمایا۔)

رقیق القلبی آنحضرتؐ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ مالک بن حویرثؓ ایک وفد کے رکن بن کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کو بیس دن تک مجلسِ نبویؐ میں شرکت کا موقع

---

[1] جامع ترمذی باب الزہد لبند غریب۔ [2] مسند احمد مجلد سوم۔ [3] صحیح بخاری کتاب الادب۔ [4] ابوداؤد کتاب الادب۔ شاید یہ دونوں واقعے ایک ہوں۔

بلاتھا۔ وہ فرماتے تھے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحیما رقیقاً[1]	آنحضرتؐ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انہوں نے آنحضرتؐ کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے۔ مجبوراً آپؐ تشریف لے گئے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ بھی ساتھ تھے۔ بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ بے اختیار آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعدؓ کو تعجب ہوا کہ "یا رسول اللہؐ! یہ کیا؟" فرمایا "خدا ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں[2]۔"

غزوۂ احد کے بعد جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپؐ کا دل بھر آیا اور فرمایا "حمزہ رضؓ رسول اللہؐ کا کوئی نوحہ خواں نہیں[3]۔"

ایک بار ایک صحابیؓ جاہلیت کا اپنا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی۔ عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا۔ میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا۔ وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس بیدردی کو سن کر آنحضرتؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اس قصہ کو پھر دہراؤ۔" ان صحابیؓ نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا۔ آپؐ بے اختیار روئے یہاں تک کہ روتے روتے محاسن مبارک تر ہو گئے[4]۔

حضرت عباسؓ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیئے

---

[1] صحیح بخاری، باب رحمۃ الناس۔ [2] صحیح بخاری، باب المرضی۔ [3] سیرت ج اول غزوۂ احد [4] مسند دارمی ج اول۔

تھے اور وہ درد سے کراہ رہے تھے۔ ان کے کراہنے کی آواز گوشِ مبارک میں بار بار پہنچ رہی تھی۔ لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے۔ تاہم نیند نہیں آتی تھی۔ آپؐ بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے۔ لوگوں نے بے قراری کا سبب سمجھ کر گرہیں ڈھیلی کر دیں۔ حضرت عباسؓ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپؐ نے استراحت فرمائی۔

مصعب بن عمیرؓ ایک صحابی تھے جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت میں پلے تھے۔ ان کے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے۔ خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ دیکھ کر کہ لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے والدین کی محبت دفعتہً عداوت سے بدل گئی۔ ایک دفعہ وہ آنحضرتؐ کی خدمت مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و دیبا میں ملبوس رہتا تھا، اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا۔ یہ پُر اثر منظر دیکھ کر آپؐ آبدیدہ ہو گئے۔[1]

عیادت و تعزیت و غمخواری و عزا بیماروں کی عیادت میں دوست و دشمن مومن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی۔ (سنن نسائی باب التکبیر علی الجنازہ میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن شی عیادۃ المریض۔ آنحضرتؐ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے۔ بخاری و ابوداؤد وغیرہ میں) روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپؐ عیادت کو تشریف لے گئے۔[2]

عبداللہ بن ثابتؓ جب بیمار ہوئے اور آپؐ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی آواز دی، وہ باخبر نہ ہوئے۔ فرمایا "افسوس ابوالربیع تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا" یہ سن کر

---

[1] ترغیب و ترہیب ج دوم۔ بحوالہ ترمذی و مسند ابویعلیٰ۔ [2] صحیح بخاری باب عیادۃ المشرک۔

عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں اور رونے لگیں۔ لوگوں نے روکا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "اس وقت رونے دو مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیئے" عبداللہ بن ثابتؓ کی لڑکی نے کہا "مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لئے تھے" آپؐ نے فرمایا "ان کو نیت کا ثواب مل چکا"[1]

حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا۔ پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے[2]۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپؐ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے۔ اُن پر غشی طاری تھی۔ پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا۔ جابرؓ ہوش میں آ گئے اور عرض کی "یا رسول اللہؐ! اپنا ترکہ کس کو دوں" اس پر یہ آیت اتری

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ[3]

ایک صاحب بیمار ہوئے۔ آپؐ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے۔ جب انہوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپؐ کو تکلیف ہوگی خبر نہ کی اور دفن کر دیا۔ صبح کو معلوم ہوا تو آپؐ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نمازِ جنازہ پڑھی[4]۔

عبداللہ بن عمروؓ نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی تھی اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے۔ ان کی لاش آنحضرتؐ کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی۔ ان کے صاحبزادے (جابرؓ) آئے اور جوشِ محبت میں چاہا کہ کپڑا اُٹھا کر دیکھیں۔ حاضرین نے روکا۔ انہوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا۔ لوگوں نے پھر روک دیا۔ آنحضرتؐ نے دردِ پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے۔ چادر کا اُٹھانا تھا کہ عبداللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "رونے کی بات نہیں۔ فرشتے اِن کو اپنے پروں کے سایہ

---

[1] ابوداؤد باب الجنائز [2] ابوداؤد باب الجنائز۔ [3] صحیح بخاری ج دوم تفسیر آیت النساء ۱۱ [4] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

میں لے گئے۔[1]

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے۔ آپؐ عیادت کو تشریف لے گئے۔ اُن کو دیکھ کر آپؐ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ آپؐ کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔[2]

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔[3] مرگیا تو لوگوں نے آپؐ کو خبر نہ کی۔ ایک دن آپؐ نے اس کا حال دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ انتقال کر گیا۔ ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھ کو خبر نہ کی۔ لوگوں نے اس کی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپؐ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی۔) آپؐ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جاکر جنازہ کی نماز پڑھی۔[4]

جنازہ جاتا تو آپؐ کھڑے ہو جاتے۔ بخاری میں روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔[5]

اگرچہ آپؐ نہایت رقیق القلب اور متاثر البطع تھے خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپؐ کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی تھے) سے آپؐ کو نہایت محبت تھی۔ جب اُن کی شہادت کی خبر آئی تو آپؐ مجلسِ ماتم میں بیٹھے۔ اسی حالت میں کسی نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی عورتیں رو رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جاکر منع کر دو۔ وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ آپؐ نے

---

[1] بخاری کتاب الجنائز۔ [2] بخاری کتاب الجنائز۔ [3] بخاری باب الصلوٰۃ علی القبر میں ابوہریرہؓ کی روایت کے راوی نے شک کیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت۔ لیکن دوسری روایتوں میں اس کا عورت ہونا بہ تحقیق مذکور ہے (اُم محجن اس کا نام تھا)

[4] بخاری جلد اوّل، کتاب الجنائز۔ [5] بخاری، ج اوّل کتاب الجنائز۔

دوبارہ منع کرا بھیجا۔ پھر بھی وہ باز نہ آئیں۔ سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا کہ جاکر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔[1]

لطفِ طبع کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا "او دو کان والے"[2] اس میں یہ نقطہ بھی تھا کہ حضرت انسؓ نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرتؐ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کا نام ابو عمر تھا۔ وہ کمسن تھے اور ایک مولا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے وہ مرگیا۔ ابو عمر کو بہت رنج ہوا۔ آپؐ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا یا اباعمیر ما فعل النغیر[3] یعنی ابو عمر! تمہارے مولے نے یہ کیا کیا۔

ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں آکر عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد ہوا کہ "میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا"۔ انہوں نے کہا یارسول اللہؐ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو"۔

ایک بڑھیا خدمتِ اقدس میں آئی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا بوڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گی"۔ اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ "اس سے کہہ دو کہ بوڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہوکر جائیں گی"[4]

ایک بدوی صحابی تھے جن کا نام زاہرؓ تھا۔ وہ دھات کی چیزیں آپؐ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ شہر میں آئے۔ گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے۔ اتفاقاً آپؐ ادھر سے گزرے۔ زاہرؓ کے پیچھے جاکر ان کو گود میں دبا لیا۔ انہوں نے کہا کون ہے۔ چھوڑ دو۔ مڑکر دیکھا تو سرورِ عالمؐ تھے۔ اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرتؐ کے سینہ سے لپٹا دی۔ آپؐ نے فرمایا "کوئی اس غلام کو خریدتا ہے"؟ بولے کہ "یارسول اللہؐ! مجھ جیسے

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبۃ۔ [2] شمائل ترمذی۔ [3] صحیح بخاری۔ [4] شمائل ترمذی۔

غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا۔" آپؐ نے فرمایا "لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔"[1]

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرانی ہے۔ فرمایا "شہد پلاؤ۔" وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے۔ آپؐ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی۔ سہ بار آئے۔ پھر وہی جواب ملا۔ چوتھی بار آئے تو ارشاد فرمایا کہ "خدا سچا ہے" (قرآن میں ہے کہ شہد میں شفا ہے) لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ جاکر شہد پلاؤ۔" اب کے پلایا تو شفا ہو گئی۔[2] معدہ میں مادۂ فاسد کثرت سے موجود تھا۔ جب پورا تنقیہ ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔

اولاد سے محبت اولاد سے نہایت محبت تھی۔ معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریابِ خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے۔ اسی اثنا میں حضرت فاطمہؓ نے دونوں صاحبزادوں (حسنینؓ) کے لئے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازے پر پردے لٹکائے۔ آنحضرتؐ واپس تشریف لائے تو خلافِ معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر نہیں گئے۔ وہ سمجھ گئیں فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لئے۔ صاحبزادے روتے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے کنگن لے کر بازار میں بھیج دیئے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لا دو۔

حضرت فاطمہؓ جب آپؐ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

ابو قتادہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبویؐ میں حاضر تھے کہ دفعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہؓ

---

[1] شمائل ترمذی۔ [2] بخاری باب الدرلربا العسل۔

(آنحضرتؐ کی نواسی تھیں) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی۔ جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے۔ پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز ادا کی۔[1]

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپؐ کرتے تھے۔ آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ عوالی میں پرورش پاتے تھے جو مدینہ سے تین چار میل ہے۔ ان کے دیکھنے کے لئے مدینہ سے پیادہ پا جاتے۔ گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا۔ گھر میں جاتے بچہ کو انا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے پھر مدینہ کو واپس آتے۔[2]

ایک دفعہ اقرع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمتِ اقدس میں آئے۔ آپؐ حضرت امام حسینؓ کا منہ چوم رہے تھے۔ عرض کی کہ میرے دس بچے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ ارشاد فرمایا کہ "جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا" (یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا)

حسنینؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا۔ وہ صاحبزادوں کو لاتیں۔ آپؐ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے۔

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے۔ اتفاق سے حسنینؓ سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے۔ کمسنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے۔ آپؐ ضبط نہ کر سکے منبر سے اتر کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہے اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[3]۔ فرمایا کرتے تھے "حسینؓ میرا ہے اور میں حسینؓ کا ہوں۔ خدا اس سے محبت رکھے جو حسینؓ سے محبت رکھتا ہے۔"

---

[1] نسائی۔ باب ادخال الصبیان فی المساجد۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ [2] صحیح مسلم۔ جلد دوم۔ [3] التغابن ۱۵۔

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ دوش مبارک پر سوار تھے۔ کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا "سوار بھی کیسا ہے"[1]

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ (راوی کو بہ تعیین یاد نہیں رہا) آپؐ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ۔ انہوں نے آپؐ کے سینہ پر قدم رکھ دیئے۔ آپؐ نے منہ چوم کر فرمایا "اے خدا! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ"[2]

ایک دفعہ آپؐ کہیں دعوت میں جا رہے تھے۔ امام حسینؓ راہ میں کھیل رہے تھے۔ آپؐ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیئے۔ وہ ہنستے ہوئے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے۔ بالآخر آپؐ نے اُن کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا۔ پھر فرمایا "حسینؓ میرا ہے اور میں اس کا ہوں"[3]

اکثر امام حسینؓ کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ "خدایا میں اِس کو چاہتا ہوں اور اُس کو بھی چاہتا ہوں جو اِس کو چاہے"

آپؐ کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے اور فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا۔ یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینبؓ کے جہیز میں حضرت خدیجہؓ نے اُن کو دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینبؓ کو بھیج دوں۔ سب نے بسر و چشم منظور کیا۔

حضرت زینبؓ کی کمسن صاحبزادی کا نام اُمامہؓ تھا۔ اُن سے آپؐ کو بہت محبت تھی،

---

[1] یہ تمام روایتیں شمائل ترمذی میں مذکور ہیں۔ اخیر کی حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظہ کہا ہے۔ [2] ادب المفرد بخاری۔ [3] ادب المفرد بخاری۔

آپؐ نماز پڑھنے میں بھی ان کو ساتھ رکھتے۔ جب آپؐ نماز پڑھتے تو وہ دوشِ مبارک پر سوار ہو جاتیں۔ رکوع کے وقت آپؐ ان کو کاندھے سے اُتار دیتے تھے۔ پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔ روایتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ خود ان کو کاندھوں پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے۔ لیکن ابنِ قیمؒ نے لکھا ہے کہ یہ عملِ کثیر ہے۔ وہ خود سوار ہو جاتی ہوں گی اور منع نہ فرماتے ہوں گے۔

(آپؐ کی ایک نواسی حالتِ نزع میں تھیں۔ صاحبزادی نے بلا بھیجا۔ آپؐ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت میں آغوشِ مبارک میں رکھ دی گئی۔ آپؐ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے کہا "یا رسول اللہؐ! آپؐ یہ کیا کر رہے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے[1]"۔

حضرت ابراہیمؓ کی وفات میں بھی آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا تھا "آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمزدہ ہو رہا ہے، لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جن کو خدا پسند کرتا ہے[2]"۔ لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل و اولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عموماً بچوں سے آپؐ کو اُنس تھا۔)

---

[1] بخاری کتاب المرضیٰ۔ [2] بخاری کتاب الجنائز۔

ازواجِ مطہراتؓ

حضرت خدیجہؓ

سلسلۂ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسعد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت زایدہ تھیں۔ ان کے والد اپنے قبیلہ میں ممتاز تھے۔ مکہ میں آکر سکونت اختیار کی اور بنو عبدالدار کے حلیف[1] بنے۔ عامر بن لوی کے خاندان میں فاطمہ بنت زایدہ سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں۔ ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی۔ ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ہند[2] تھا اور دوسرے کا حارث۔ ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عایذ مخزومی کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام بھی ہند تھا۔ اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ اُمِ ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ ہند نے اوّل اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ کا مفصل حلیہ ان ہی کی روایت سے منقول ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگِ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے[3]۔

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ جس کے مفصل حالات گزر چکے۔ آنحضرتؐ سے چھ اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے کہ دونوں

---

[1] طبقات ابن سعد ذکر خدیجہ، کتاب النساء۔ [2] طبقات ابن سعد۔ [3] اصابہ ذکر ہند۔

بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت اُمِّ کلثومؓ۔ ان سب کے حالات آگے آئیں گے۔

حضرت خدیجہؓ کی ایک بہن ہالہ تھیں۔ وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ
ب دفعہ میں نے اس پر آپؐ کو رنجیدہ کیا لیکن آپؐ
ہے[1]"

کی بہن ہالہ آنحضرتؐ سے ملنے آئیں اور استیذان کے
کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی۔ آپؐ کے کانوں
در آپؐ بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی" حضرت
ہوا۔ بولیں کہ "آپؐ کیا ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو
ب"۔ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے لیکن
ے فرمایا کہ "ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب

نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر اُن پر رشک
آنحضرتؐ ہمیشہ اُن کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک
نے فرمایا کہ "خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی
ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان
قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان
میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں او
عائشہؓ بھی موجود تھیں۔ ان کو نہایت رشک
مر چکیں اور خدا نے اُن سے اچھی بیویاں دی
استیعاب میں ہے کہ جواب میں آنحضرتؐ نے

[1] صحیح مسلم فضائل خدیجہؓ

کی تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔"

حضرت سودہؓ (بنت زمعہ)

ازواجِ مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرتؐ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ وہ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں۔ اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان کی شادی پہلے سکران بن عمروؓ سے ہوئی تھی۔ حضرت سودہؓ ان ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرتِ ثانیہ) کی۔ حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں۔ سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ انہوں نے جنگِ جلولا میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرتؐ نہایت پریشان و غمگین تھے۔ یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپؐ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا"۔ آپؐ کی ایما سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا، انعموا صباحا۔ پھر نکاح کا پیغام سنایا۔ انہوں نے کہا "ہاں محمدؐ شریف کفو ہیں۔ لیکن سودہؓ سے بھی تو دریافت کرو"۔ غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرتؐ خود تشریف لے گئے اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہؓ حضرت سودہؓ کے بھائی، جو اس وقت کافر تھے آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پہ خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا۔ چنانچہ

سلہ طبقات میں ہے کہ رمضان سنہ ۱۰ھ میں ان کا نکاح ہوا۔ زرقانی نے سنہ ۹ھ بھی لکھا ہے۔ یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہؓ کے وفات کے سنہ میں اختلاف ہے۔

اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔

حضرت عائشہؓ اور سودہؓ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا۔ اس لئے مورخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں۔

شکل وشباہت حضرت سودہؓ بلند بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں۔ حجۃ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرتؐ سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہراتؓ قضائے حاجت کے لئے صحرا کو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ ناگوار ہوتا تھا۔ اس بنا پر آنحضرتؐ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے لیکن ابھی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہؓ رات کے وقت قضائے حاجت کے لئے نکلیں۔ چونکہ ان کا قد نمایاں تھا حضرت عمرؓ نے کہا "سودہؓ! تم کو ہم نے پہچان لیا"۔ اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔[1]

---

[1] بخاری ج اول۔ آیت حجاب کی شان نزول میں سخت اختلاف ہے۔ ایک روایت تو یہی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپؐ کے یہاں نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کاش آپؐ ان کو پردے کا حکم دیتے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ صحابہؓ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے حضرت عائشہؓ بھی شریک طعام تھیں۔ ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے چھو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا۔ اس پر یہ آیت حجاب اتری۔ عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت زینبؓ کی رخصتی ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی چنانچہ صحاح میں یہ واقعہ بہ تفصیل موجود ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جن میں آخری سبب حضرت زینبؓ کا واقعہ تھا اور وہی آیت کی شان نزول ہے۔ کیونکہ خود آیت میں واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ (فتح الباری ج اول)

اخلاق وعادات آنحضرتؐ کے اخلاق و عادات میں سخاوت و فیاضی ایک نمایاں وصف تھا۔ اس بنا پر صحابہؓ میں جس کو آپؐ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اُس پر اِس وصفِ خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا۔ ازواجِ مطہراتؓ کو آپؐ کے اخلاق و عادات و فیضِ صحبت سے متمتع ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا، اس لئے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے۔ حضرت سودہؓ اس وصف میں بہ استثنائے حضرت عائشہ سب سے ممتاز تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی۔ لانے والے سے پوچھا "اس میں کیا ہے؟" بولا درہم۔ بولیں "کھجور کی تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں" یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔

اطاعت اور فرمانبرداری بھی ان کا خاص وصف ہے اور اس وصف میں وہ تمام ازواجِ مطہراتؓ سے ممتاز ہیں۔

روایتِ حدیث ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہؓ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہؓ نے اُن سے روایت کی ہے۔

وفات حضرت سودہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی کے نزدیک انہوں نے امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت ۵۴ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابنِ حجر اُن کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری نے تاریخ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا۔ ذہبی نے تاریخِ کبیر میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی۔ حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لئے ان کا زمانۂ خلافت ۲۲ھ ہوگا۔ خمیس میں ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے[1]۔

---

[1] زرقانی ج سوم میں یہ تفصیل مذکور ہے۔ طبقات ابنِ سعد میں صرف پہلی روایت نقل کی ہے۔

حضرت عائشہؓ

عائشہؓ نام[1] تھا۔ اگرچہ اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے تعلق سے امِ عبداللہ کنیت کرتی تھیں۔ ماں کا نام زینب اور امِ رومان کنیت تھی۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔

سنہ ۱۰ نبوی میں آنحضرتؐ کے ساتھ نکاح ہوا۔ اس وقت شش سالہ تھیں۔ آنحضرتؐ سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرتؐ سے نکاح کی تحریک کی۔ آپؐ نے رضامندی ظاہر کی۔ خولہ نے امِ رومان سے کہا۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے تذکرہ کیا۔ بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا۔ بہرحال حضرت ابوبکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ سے عقد کر دیا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ لیکن مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ کا مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرتؐ کا قیام تین سال تک رہا۔ سنہ ۱۳ھ میں آپؐ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ ساتھ تھے۔ اہل و عیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے۔ جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ امِ رومان، اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں۔ آنحضرتؐ نے بھی زید بن حارثہؓ اور ابورافع کو حضرت فاطمہؓ، امِ کلثومؓ اور حضرت سودہؓ وغیرہ کو لانے کے لئے روانہ فرمایا۔ مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ استدادِ مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے۔ صحت ہوئی تو امِ رومان کو رسمِ عروسی ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

---

[1] حضرت عائشہؓ کے حالات اور خصوصاً ان کے علمی اجتہادات کے لئے الگ مستقل تصنیف درکار ہے۔ یہاں صرف ضروری سوانح زندگی لکھ دیئے گئے ہیں۔

نو سال کی تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ اُم رومان نے حضرت عائشہؓ کو آواز دی۔ ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی۔ ماں کے پاس آئیں۔ انہوں نے منہ دھویا۔ بال درست کئے گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی۔ چاشت کے وقت آنحضرتؐ تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی۔ شوّال میں نکاح ہوا تھا اور شوّال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی۔ زمانۂ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا اس بنا پر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لئے مکروہ خیال کرتے تھے۔ اس خیال کے مٹانے کے لئے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔

وفات حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کے ساتھ نو برس تک زندگی بسر کی۔ نو سال کی عمر میں وہ آپؐ کے پاس آئیں اور جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ آنحضرتؐ کے بعد حضرت عائشہؓ قریباً اڑتالیس سال تک زندہ رہیں۔ ۵۷ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر چھیاسٹھ سال کی تھی۔ وصیت کے مطابق جنۃ البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا۔ اس وقت حضرت ابوہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ اس لئے انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی۔ اسی محبت سے آپؐ نے مرض الموت میں تمام ازواجِ مطہراتؓ سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بسر کئے۔ اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث و سیر میں نہایت کثرت سے واقعات درج ہیں۔

علمی زندگی حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہؓ پر انہوں نے دقیق اعتراضات

کئے ہیں جن کو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ ان سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں جن میں ایک سو چوہتر حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔ بخاری نے منفرداً ان سے چون حدیثیں روایت کی ہیں۔ اڑسٹھ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی اُن سے منقول ہے۔ (ترمذی میں ہے کہ صحابہؓ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آجاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہؓ ہی حل کرتی تھیں۔ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا۔ تفسیر، حدیث، اسرارِ شریعت، خطابت اور ادب و انساب میں ان کو کمال تھا۔ شعراء کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابنِ سعد نے طبقات میں بہ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ میں بھی جستہ جستہ ان کے فضل و کمال کے دلائل و شواہد ملتے ہیں۔

حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ بعثت سے پانچ برس پہلے عین اُس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں۔ ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہؓ سے ہوئی اور ان ہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ خنیسؓ نے غزوۂ بدر میں زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت[1] پائی۔ خنیسؓ نے اپنی یادگار میں

---

[1] زرقانی ج دوم۔ عام طور پر یہی مشہور ہے۔ لیکن اصابہ میں ہے کہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلّم ہے کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ شریک غزوۂ بدر نہ ہو سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیسؓ نے غزوۂ بدر کے بعد وفات پائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ مغموم بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ حفصہؓ سے نکاح کرتے ہو؟ اس کی عدت گزر گئی۔ اگر خنیسؓ نے اُحد میں شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۳ھ ہوتا۔ حالانکہ ان کا نکاح ۳ھ میں ہوا۔ (فتح الباری ج نہم)

حضرت حفصہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی[1]۔ حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی۔ سوءِ اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمانؓ سے کی۔ انہوں نے کہا میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس کے بعد خود جناب رسالت پناہؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی۔ نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہؐ نے اُن کا ذکر کیا تھا اور میں آپؐ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہؐ نے ان سے نکاح نہ کر لیا ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا[2]۔

حضرت حفصہؓ آخر حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں اس لئے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعۂ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ "ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا۔ اتفاق سے میری بی بی نے مجھ کو مشورہ دیا۔ میں نے کہا تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے۔ بولیں کہ تم میری بات پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہؐ کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ میں اٹھا اور حفصہؓ کے پاس آیا۔ میں نے کہا بیٹی! تم رسول اللہؐ کو جواب دیتی ہو یہاں تک کہ آپؐ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ بولیں ہاں ہم ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ تم اُس کے گھمنڈ میں نہ آجانا جس کے حسن نے رسول اللہؐ کو فریفتہ کر لیا ہے[3]" (یعنی عائشہؓ)

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں۔ آنحضرتؐ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو"۔ آپؐ نے فرمایا "تم نبی کی بیٹی ہو۔

---

[1] طبری ج چہارم۔ [2] بخاری ج سوم۔ [3] صحیح بخاری ج اوّل۔

تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے[1]۔"

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ "ہم رسول اللہؐ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں۔ ہم آپؐ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی"۔ حضرت صفیہؓ کو ناگوار گزرا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے اس کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ "تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو۔ میرے شوہر محمدؐ، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں"۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں جو تقرب نبوی میں دوش بدوش تھیں۔ اس بنا پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرتؐ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور اُن سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں۔ حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں۔ آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہؓ سوار تھیں۔ جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے[2]"۔

وفات حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں جو امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا وفات پائی۔ وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے ان

---

[1] ترمذی۔ کتاب المناقب۔ [2] اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ازواج مطہراتؓ میں اس قسم کی روایتیں صرف حفصہؓ و حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکور ہیں۔ اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیئے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے۔

کو کی تھی۔ کچھ جائداد بھی وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا۔ مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا، نمازِ جنازہ پڑھائی اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا۔ یہاں سے قبر تک حضرت ابوہریرہؓ جنازہ کو لے کر گئے۔ ان کے بھائی عبداللہؓ عاصم، سالم، عبداللہ، حمزہ، عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکوں نے قبر میں اتارا۔[1]

حضرت زینب امّ المساکینؓ

زینبؓ نام تھا۔ چونکہ فقرا و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتی تھیں اس لئے امّ المساکینؓ کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ آنحضرتؐ سے پہلے عبداللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ بن جحشؓ نے جنگِ احد ۳ھ میں شہادت پائی اور آنحضرتؐ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد آنحضرتؐ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی۔ آنحضرتؐ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت امّ سلمہؓ

ہند نام امّ سلمہؓ کنیت تھی۔ باپ کا نام سہیل اور ماں کا عاتکہ تھا۔ پہلے عبداللہ بن عبدالاسد

---

[1] حضرت حفصہؓ کے بھی سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے جمادی الاوّل ۴۵ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۶ھ میں انتقال کیا۔ یہ روایت اس بنا پر کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے۔ اس دوسری فتح کا فخر حضرت معاویہ بن خدیجؓ کو حاصل ہے اور یہ فتح ۵۰ھ میں ہوئی۔ وہب بن مالک نے حفصہؓ کا سالِ وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے۔

کے نکاح میں آئیں (جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور) جو ان کے چچازاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی میں پیدا ہوئے حبشہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی۔ ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

ان کے پہلے شوہر ابوسلمہؓ بڑے شہسوار تھے، مشہور غزوات بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ اُحد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور جمادی الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرتؐ نے نو تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا "یا رسول اللہؐ! آپؐ کو سہو تو نہیں ہوا؟" فرمایا "یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔"

ابوسلمہؓ کی وفات کے وقت امِ سلمہؓ حاملہ تھیں۔ وضعِ حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انہوں نے چند عذر پیش کئے:

۱۔ میں سخت غیور عورت ہوں،

۲۔ صاحب عیال ہوں،

۳۔ میرا سن زیادہ ہے۔

آنحضرتؐ نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا۔

وفات | اہلِ سیر متفق اللفظ ہیں کہ ازواجِ مطہراتؓ میں سب کے بعد حضرت امِ سلمہؓ نے وفات پائی۔ لیکن ان کے سنہ وفات میں نہایت اختلاف ہے۔ واقدی نے ۵۹ھ بتایا ہے۔ ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہے اور تقریب میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ۶۱ھ میں جب امام حسینؓ کی

شہادت کی خبر آئی اُس وقت اُن کا انتقال ہوا ہے۔ ابن عبداللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

اس اختلافِ روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعیین مشکل ہے۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعۂ حرّہ تک زندہ تھیں۔ مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان امّ سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا۔ یہ سوال اس وقت کیا گیا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکرِ شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعۂ حرّہ پیش آیا تھا۔ واقعہ حرّہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے۔ اس لئے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت امّ سلمہؓ کی وصیّت کی بنا پر سعید بن زید نے نماز جنازہ پڑھائی لیکن اس روایت کی صحت میں کلام ہے۔ سعید بن زید نے باختلافِ روایت ۵۱ھ یا ۵۲ھ یا ۵۵ھ میں انتقال کیا ہے اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت امّ سلمہؓ زندہ تھیں۔ واقدی نے لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ نے ان کا جنازہ پڑھایا مگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زیدؓ زندہ ہوتے تو حضرت ابوہریرہؓ خلافِ وصیّت کیونکر جنازہ پڑھ سکتے تھے۔ بہرحال ازواجِ مطہراتؓ میں سب کے بعد حضرت امّ سلمہؓ نے وفات پائی اور وفات کے وقت ان کی عمر چوراسی سال کی تھی۔

فضل وکمال ازواجِ مطہراتؓ میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل وکمال میں اُن ہی کا درجہ ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے۔ روایتِ حدیث اور نقلِ احکام میں حضرت عائشہؓ کے سوا اور تمام بیبیوں پر اُن کو فضیلت حاصل ہے۔ صلح حدیبیہ میں جب صحابہؓ کو مکّہ سے باہر حلق اور قربانی میں تامّل تھا تو حضرت امّ سلمہؓ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور ان کی یہ دانشمندی اور عقل وذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تفصیل موجود ہے۔

حضرت زینبؓ

ازواجِ مطہراتؓ میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں اُن میں حضرت زینبؓ بھی تھیں۔ خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کانت تسامینی یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا۔ نسبی حیثیت سے وہ آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ آنحضرتؐ کو بھی ان سے نہایت محبت تھی۔ زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھیں تو آنحضرتؐ نے اُن سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

ما علمت الا خیرا — مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

حضرت عائشہؓ کو ان کے اس صدق و اقرارِ حق کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں۔ جب آنحضرتؐ نے اُن کو عقد میں لانا چاہا تو انہوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔

ایک دفعہ آپؐ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اُٹھیں۔ حضرت عمرؓ نے ڈانٹا۔ آپؐ نے فرمایا ان سے درگزر کرو، یہ اوّاہ ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں)۔

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا۔ انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنتِ رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو۔ برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ انہوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے۔ دیکھا تو پچاسی درہم نکلے۔ جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے

بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال اُن کا انتقال ہوگیا۔

وفات آنحضرتؐ نے ازواجِ مطہراتؓ سے فرمایا تھا:

اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا — تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا۔

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن ازواجِ مطہراتؓ اس کو حقیقت سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشینگوئی کا مصداق ثابت ہوئیں۔ اور ازواجِ مطہراتؓ میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کر لیا تھا۔ اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا۔ چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد ازواجِ مطہراتؓ سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسامہؓ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا۔

۲۰ھ میں انتقال کیا اور ترپن برس کی عمر پائی۔ واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ سے جس وقت ان کا نکاح ہوا اس وقت پینتیس سال کی تھیں۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں جو قبیلۂ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی جو غزوۂ مریسیع میں قتل ہوا۔ اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ان ہی لونڈیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماسؓ انصاری کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں۔ اس طریقہ کو

فقہا کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں۔ اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں۔ ان کو شرط کے موافق نو اوقیہ سونا ادا کرنا تھا۔ لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا "یا رسول اللہؐ! میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ مجھ پر جو مصیبتیں آئی ہیں وہ آپؐ سے مخفی نہیں۔ میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی اور نو اوقیہ سونے پر ان سے عہدِ کتابت کیا۔ یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی۔ لیکن میں نے آپؐ کے بھروسہ پر اس کو منظور کر لیا اور اب آپؐ سے اس کا سوال کرنے کے لئے آئی ہوں۔" آپؐ نے فرمایا "تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟" انہوں نے کہا "وہ کیا چیز ہے؟" آپؐ نے فرمایا "میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں"۔ وہ راضی ہو گئیں۔ آپؐ نے ثابت بن قیسؓ کو بلایا وہ بھی راضی ہو گئے۔ آپؐ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلۂ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے رشتۂ مصاہرت قائم کر لیا۔ آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "جویریہؓ کی برکت سے سیکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے"۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرتؐ سے خود حضرت جویریہؓ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپؐ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کا سن پینسٹھ برس کا تھا۔

حضرت امِ حبیبہؓ

رملہ نام اور امِ حبیبہ کنیت تھی۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے سترہ برس پہلے پیدا ہوئیں اور عبیداللہ بن جحش سے عقد ہو گیا۔ آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو دونوں مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ

کی۔ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی حبیبہ جن کی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہیں، حبشہ ہی میں پیدا ہوئیں۔ حبشہ میں جاکر عبیداللہ ابنِ جحش نے عیسائیت قبول کرلی لیکن امِ حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں اختلافِ مذہب کی بنا پر عبیداللہ ابنِ جحش نے ان سے علیحدگی اختیار کی اور اب وہ وقت آگیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ امّ المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے عمر بن امیہ الضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرضِ نکاح بھیجا۔ جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے امِ حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرتؐ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے۔ انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا۔ اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالبؓ اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کرکے خود نکاح پڑھایا[1] اور آنحضرتؐ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا[2]۔

تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی۔ لوگوں نے بعد نکاح اٹھنا چاہا لیکن نجاشی نے کہا "دعوتِ ولیمہ تمام پیغمبروں کی سنت ہے ابھی بیٹھنا چاہیئے"۔ چنانچہ کھانا آیا لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے۔ جب مہر کی رقم امّ حبیبہؓ کو ملی تو انہوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دیئے لیکن اس نے اس رقم کو اس کنگن کے ساتھ جو پہلے دیئے گئے تھے، یہ کہہ کر واپس کردیا کہ بادشاہ

---

[1] سال نکاح میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ ۷ھ میں نکاح ہوا، لیکن بعض روایتوں میں ۶ھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے عمرو بن الضمری کو بغرض نکاح بھیجا ہو اور ۷ھ میں نکاح پڑھایا گیا ہو۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہاں ہوا اور کس نے پڑھایا۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ حبشہ میں نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا [2] صحیح روایت یہی ہے لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے۔ بعض روایتوں میں نو سو دینار ہے۔ بعضوں کے نزدیک چار ہزار دینار ہے۔ ابوداؤد میں دینار کے بجائے چار ہزار درہم ہے۔ زہری کی روایت میں چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے۔ اس لئے اگر چاندی ہو گی تو اس کے سولہ سو درہم ہوتے ہیں۔

نے مجھ کو منع کر دیا ہے۔ دوسرے دن ان کی خدمت میں عود، زعفران، عنبر لے کر آئی جن کو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۔ جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہوگئے تو نجاشی کے ان کو شرجیل بن حسنہؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کیا۔

ام حبیبہؓ نے ۴۴ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح میں تھیں مسعود نے طلاق دے دی تو ابو رہم بن عبد العزیٰ نے نکاح کر لیا۔ ابو رہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ سے اپنے غلام ابو رافع کو اوس بن خولیٰ کے ساتھ وکیل بنا کر بھیجا اور انہوں نے ایجاب و قبول کیا لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے اس نکاح کی تحریک کی اور ان ہی نے نکاح پڑھایا۔

وفات یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحاح میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی ہیں۔ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ بہ ادب آہستہ لے چلو"

سالِ وفاتِ کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

لہ بعضوں نے سال وفات ۴۳ھ لکھا ہے۔ ابن ابی خیثمہ کے نزدیک ان کا سالِ وفات ۵۹ھ ہے۔ بعض لوگوں نے ۶۰ھ اور بعضوں نے ۶۳ھ بیان کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دمشق میں مدفون ہوئیں۔

حضرت صفیہؓ

صفیہ اصل نام نہ تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مالِ غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہو جاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے۔ چونکہ وہ جنگِ خیبر میں اسی طریقہ کے موافق آنحضرتؐ کے نکاح میں آئی تھیں۔ اس لئے صفیہؓ کے نام سے مشہور ہو گئیں ورنہ اصلی نام زینب تھا۔ باپ کا نام حیی بن اخطب اور ماں کا نام ضرہ تھا۔ حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی۔ باپ قبیلہ بنو النضیر کا سردار اور ماں قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرصی سے ہوئی تھی۔ ابنِ مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ کنانہ جنگِ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپؐ نے رئیسہ بنو نضیر و قریظہ کو دحیہؓ کو دے دیا وہ تو صرف آپؐ کے قابل ہے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ دحیہؓ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں۔ وہ صفیہؓ کو لے کر آئے تو آپؐ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقامِ صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوتِ ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔ اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواجِ مطہراتؓ میں داخل ہو گئیں۔

حضرت صفیہؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپؐ سفر میں تھے ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ

سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپؐ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو انہوں نے کہا کہ کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرتؐ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔

ایک بار آپؐ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ "عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں ہم آپؐ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپؐ کی چچازاد بہن بھی ہیں" آپؐ نے فرمایا "تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔ اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو"

حضرت صفیہؓ نے سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں۔

اولاد

آنحضرتؐ کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپؐ کے چھ اولادیں تھیں۔ قاسمؓ، ابراہیمؓ، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ۔ ان تمام لڑکیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں۔ لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادوں کا نام اور لیا ہے طاہر، طیب۔ اس بنا پر اولاد ذکور کی تعداد لڑکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔

اولاد کی تعداد اس بارہ میں تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بارہ اولادیں تھیں جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ البتہ صاحبزادوں کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔ مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے جن میں قاسمؓ اور ابراہیمؓ پر تمام راویوں کا اتفاق ہے۔ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہؓ سے اور بقیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھیں[1]۔

حضرت قاسمؓ

آپؐ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے (اور غالباً نبوت سے گیارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہوں گے)۔ مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن تک زندہ رہے۔ ابن

---

[1] زرقانی۔

سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے۔ ابنِ فارس نے لکھا ہے کہ سنِ تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

آنحضرتؐ کی اولاد میں جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا۔ عام روایت یہ ہے کہ قبلِ بعثت وفات پائی۔ آنحضرتؐ کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے ہے۔ آپؐ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ صحابہؓ بھی جب آپؐ کا محبت سے نام لیتے تو ابوالقاسمؐ ہی کہتے۔ ایک دن آپؐ بازار سے گزر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یاابالقاسم کہہ کر آواز دی۔ آپؐ نے مڑ کر دیکھا تو اس نے کہا "یارسول اللہؐ! میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہوں"۔ رفعِ اشتباہ کے لئے پھر آپؐ نے منع فرمایا کہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے۔

حضرت زینبؓ

اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ زبیر بن بکار کا قول ہے کہ حضرت قاسمؓ کے بعد پیدا ہوئیں۔ لیکن ابنِ کلبی کے نزدیک آنحضرتؐ کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینبؓ ہی ہیں۔ بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرتؐ کی عمر تیس سال کی تھی پیدا ہوئیں۔

آنحضرتؐ نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل و عیال مکہ میں رہ گئے تھے۔ حضرت زینبؓ کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع لقیط سے ہوئی۔ غزوۂ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہو گئے۔ جب یہ رہا کئے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے۔ ابوالعاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لئے تھے۔ مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو کفارِ قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا۔ ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزے سے زمین پر گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ "اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہو گا"۔ لوگ ہٹ گئے تو

ابوسفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا "تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے"۔ انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے۔ ابوسفیان نے کہا "محمدؐ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں۔ اب اگر تم علانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے۔ ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں۔ جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اُس وقت چوری چھپے لے جانا"۔ کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد اُن کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے۔ زید بن حارثہؓ کو آنحضرتؐ نے پہلے بھیج دیا تھا۔ وہ بطن یاجج میں تھے۔ کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالہ کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالتِ شرک میں چھوڑا۔ ابوالعاص دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے[1]۔ اُس وقت بھی حضرت زینبؓ نے اُن کو پناہ دی۔ مکہ جا کر انہوں نے لوگوں کی امانتیں حوالے کیں اور اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ حضرت زینبؓ نے ان کو حالتِ شرک میں چھوڑا تھا۔ اس لئے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی۔ وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ اُن کے نکاح میں آئیں۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا۔ لیکن دوسری روایت میں جدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہا نے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد تفریق نکاحِ ثانی ضروری ہے۔

---

[1] اصابہ میں ہے کہ ابوالعاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ۶ھ میں روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ نے زید بن حارثہؓ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیص میں قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کئے گئے اور اسباب لوٹ میں آیا۔ ان ہی میں ابوالعاص تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینبؓ نے اُن کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرتؐ نے ان کا مال واپس کر دیا۔

ابوالعاص نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرتؐ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی۔ نکاحِ جدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں ۷ھ یا ۸ھ میں (باختلاف روایت) ابوالعاصؓ اسلام لائے تھے اور اس لئے ۸ھ میں حضرت زینبؓ نے انتقال کیا۔ امِ ایمنؓ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور امِ سلمہؓ نے غسل دیا اور آنحضرتؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابوالعاصؓ اور آنحضرتؐ نے قبر میں اتارا۔

حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی۔ امامہ اور علی۔ علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی۔ لیکن عام روایت یہ ہے کہ سنِ رشد کو پہنچے۔ ابنِ عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی۔

اُمامہ سے آنحضرتؐ کو نہایت محبت تھی۔ آپؐ ان کو اوقاتِ نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحاح میں ہے کہ آپؐ ان کو کاندھے پر رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب رکوع میں جاتے تو دوشِ مبارک سے اتار دیتے۔ جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں۔ جن میں ایک زرّیں ہار بھی تھا۔ اُمامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "میں اِس کو اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا"۔ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا۔ آپؐ نے اُمامہ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوامؓ کو اُمامہ کے نکاح کی وصیت کی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے حضرت علیؓ سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ اُمامہ سے نکاح کر لیں۔ مغیرہ نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ اُمامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اُمامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہؓ

جرجانی نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کی لڑکیوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت زینبؓ کے بعد ۳۳ سنہ قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔ پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی۔

آنحضرتؐ کی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی۔ جب آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا تو ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا "اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے" دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرتؐ نے حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں ہوا۔ لیکن خود ایک روایت حضرت عثمانؓ سے مروی ہے جس میں زمانۂ اسلام کی تصریح ہے۔ نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ حضرت رقیہؓ بھی ساتھ گئیں۔ مدت تک آنحضرتؐ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے دعا دی اور فرمایا کہ "ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے"۔

حبش میں حضرت رقیہؓ کے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا لیکن صرف چھ سال زندہ رہا۔ حضرت عثمانؓ حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت رقیہؓ مدینہ میں آکر بیمار ہوئیں۔ یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہو سکے۔ عین اسی دن جس روز زید بن حارثہؓ نے مدینہ آکر فتح کا مژدہ سنایا، وفات پائی۔ غزوۂ بدر کی وجہ سے آنحضرتؐ ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت اُمِّ کلثومؓ

کنیت ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳ھ میں جو غزوۂ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ربیع الاوّل میں حضرت عثمانؓ نے حضرت اُمِّ کلثومؓ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا حضرت عثمانؓ نے تامل کیا۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرتؐ کو یہ خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا "میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لئے تم سے بہتر شخص ڈھونڈھتا ہوں تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کر دیتا ہوں"۔ بہرحال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد اُمِّ کلثومؓ چھ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں۔ شعبان ۹ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرتؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔

حضرت فاطمہ زہراؓ

فاطمہ نام، زہرا لقب، سنِ ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ ۱ھ بعثت میں پیدا ہوئیں۔ ابنِ اسحٰق نے لکھا ہے کہ ابراہیمؓ کے علاوہ آپؐ کی تمام اولاد قبلِ نبوت پیدا ہوئی۔ آنحضرتؐ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ ۱ھ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت فاصلہ ہے اس لئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا۔ ابنِ جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی پیدا ہوئیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ (اگر ان کا سالِ ولادت ۱ھ بعثت صحیح تسلیم کر لیا جائے) جب پندرہ سال ساڑھے

پانچ مہینے کی ہوئیں تو ۲ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کا سن اکیس برس پانچ مہینے کا تھا[1]۔ حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی۔ لیکن آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا "تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟" بولے "ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں۔" آپؐ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لئے ضروری ہے۔ زرہ فروخت کر ڈالو۔ حضرت عثمانؓ نے چار سو اسّی درہم پر خریدی اور حضرت علیؓ نے قیمت لاکر آنحضرتؐ کے سامنے ڈال دی۔ آنحضرتؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔ عقد ہوا اور آنحضرتؐ نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ آپؐ نے ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر اُن کی رفیق رہیں۔

نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں۔ چنانچہ حارث بن النعمانؓ کا مکان ملا اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ اس میں قیام کیا۔

آنحضرتؐ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرتؐ دونوں میں صلح کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا۔ آپؐ گھر میں تشریف لے گئے اور صلح صفائی کرا دی۔ گھر سے مسرور نکلے۔ لوگوں نے پوچھا آپؐ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی اب آپؐ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا "میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی جو مجھ کو محبوب ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی۔ وہ آنحضرتؐ کے پاس شکایت لے کر چلیں

---

[1] حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ اس کی تعیین اسی روایت کی بنا پر ہے۔ لیکن قولِ راجح یہ ہے کہ وہ دس برس کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس روایت کی رُو سے ان کا سن چوبیس سال ڈیڑھ مہینہ کا تھا۔

پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا "بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے"۔ حضرت علیؓ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا "اب میں تمہارے خلافِ مزاج کوئی بات نہ کروں گا"۔

(ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے۔ آپؐ نے مسجد میں خطبہ دیا۔ اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی فرمایا "میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے۔ جس سے اس کو دکھ پہنچے گا۔ مجھے بھی اذیت ہوگی"۔ چنانچہ حضرت علیؓ اس ارادہ سے باز آگئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نہیں کیا۔[1])

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ۔ محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینبؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔

حضرت فاطمہؓ نے رمضان ۱۱ھ میں آنحضرتؐ کے انتقال کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔ اس وقت ان کا سن انتیس سال تھا۔ سن کی تعیین میں سخت اختلاف ہے۔ بعضوں نے چوبیس سال، بعضوں نے پچیس سال اور بعضوں نے تیس سال بتایا ہے۔ لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اگر ۱ھ کو سالِ ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت اُن کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ اگر چوبیس سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سنہ کو سالِ ولادت قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبلِ نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن انتیس سال کا ہو سکتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ذکر اصہار النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] اس میں بھی اختلاف ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد صرف تین دن زندہ رہیں۔ بعضوں نے چار مہینے بتایا ہے۔ بعضوں کے نزدیک دو مہینے کے بعد انتقال ہوا۔ کسی نے ایک مہینہ کسی نے تین مہینے بعد اور بعضوں نے تین مہینے پانچ دن بعد لکھا ہے۔

لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے چھ مہینے والی روایت مذکور ہے۔

حضرت ابراہیمؓ

آنحضرتؐ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی حجہ ۸ھ بمقام عالیہ جہاں ماریہ قبطیہؓ رہتی تھیں پیدا ہوئے۔ اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربۂ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابورافع کی بی بی سلمیٰ نے جو آنحضرتؐ یا آپؐ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں، دایہ گیری کی خدمت انجام دی۔ ابورافع نے جب آنحضرتؐ کو اُن کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپؐ نے اُس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ آپؐ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا۔ دودھ پلانے کے لئے تمام انصار نے خواہش کی لیکن آپؐ نے ان کو اُمّ بردہ خولہ بنت زید الانصاری کے حوالہ کیا اور اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے یہ خدمت اُمّ سیف کے متعلق کی۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اُمّ سیف اور اُمّ بردہ ایک ہی ہیں۔ یہ تاویل کچھ مستبعد نہیں لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابوسیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہیں۔

اُمّ سیف حوالیِ مدینہ میں رہتی تھیں۔ آنحضرتؐ فرطِ محبت سے وہاں جاتے حضرت ابراہیمؓ گود میں لیتے اور چومتے۔ اُمّ سیف کے شوہر لوہار تھے۔ اس لئے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرتؐ باوجود نظافتِ طبع گوارا فرماتے۔

ابراہیمؓ نے اُمّ سیف ہی کے یہاں انتقال کیا۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن ابنِ عوفؓ کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی۔ گود میں اُٹھا لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا "یا رسول اللہؐ! آپؐ کی یہ حالت ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ رحمت ہے"۔

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیمؓ نے وفات پائی سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ عام طور پر مشہور ہو گیا کہ یہ اُن کی موت کا اثر ہے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا "چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں۔

کسی کی موت سے ان میں گھن نہیں لگتا۔"

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ آنحضرتؐ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ قبر میں فضل بن عباسؓ اور اسامہؓ نے اتارا۔ آنحضرتؐ قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت قائم کی گئی۔

ابوداؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی۔ ذی حجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس روایت کی بنا پر ۹ھ میں انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاوّل ۱۰ھ میں وفات کی۔ اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سولہ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی۔ بعض لوگوں نے مدتِ حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے۔ لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیمؓ سترہ یا اٹھارہ مہینے تک زندہ رہے۔

ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ معاشرت

ازواجِ مطہرات کی تعداد نو تک پہنچی تھی۔ اُن میں عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں۔ باہم رشک اور منافست بھی تھی۔ آنحضرتؐ چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے تھے، اُن کی خورش و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے ساتھ آپؐ کی جبینِ خُلق پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپؐ کو بے انتہا محبت تھی۔ جب وہ عقد میں آئیں تو آنحضرتؐ کا ربیعانِ شباب اور اُن کا بڑھاپا تھا۔ تاہم آپؐ نے اُن کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی۔ وفات کے بعد بھی جب کبھی اُن کا ذکر آ جاتا تو جوشِ محبت سے بے تاب ہو جاتے۔ (تفصیل اوپر گزر چکی ہے)۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ازواجِ مطہراتؓ میں سب سے محبوب تر تھیں۔ لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسنِ صورت میں حضرت صفیہؓ اُن سے بڑھ کر تھیں اور کمسن بھی تھیں۔ دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج اُن سے کم نہ تھیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی قابلیت، ذہانت، قوتِ اجتہاد، دقتِ نظر، وسعتِ معلومات ایسے اوصاف تھے جو اُن کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

معاشرت کے چند مؤثر واقعات ایک دفعہ چند ازواجِ مطہراتؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کو سفیر بنا کر آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ جناب سیدہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا۔ اجازت ملی تو سامنے آئیں۔ اور عرض کی کہ ازواجِ مطہراتؓ نے مجھ کو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپؐ ابوبکرؓ کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا "جانِ پدر! کیا تم اُس کو نہیں چاہتی جس کو میں چاہتا ہوں" جناب سیدہؓ کے لئے اتنا کافی تھا۔ واپس جا کر ازواجِ مطہراتؓ سے کہا میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔

اب اس خدمت (سفارت) کے لئے حضرت زینبؓ انتخاب کی گئیں کیونکہ ازواج میں سے حضرت زینبؓ کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ تھا۔ اس لئے وہی اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں تھیں۔ انہوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کیوں نہ ہو ابوبکرؓ کی بیٹی ہے"[1]

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ مال، نسب، حُسن، دینداری۔ سو تم دیندار عورت[2] تلاش کرو۔ آنحضرتؐ کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیشِ نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا اس لئے ازواج میں بھی وہی زیادہ منظورِ نظر ہوتی

---

[1] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری اور دیگر احادیث کی کتابوں میں ہے۔ الفاظ روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسرِ شان کی تھی۔ جیسا کہ عام طور پر سوکنیں باہم خانگی جھگڑوں میں کرتی ہیں۔ لیکن یہ کم نظری ہے حضرت عائشہؓ نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلیں بیان کی ہوں گی جن کا جواب سکوت کے سوا کچھ نہ ہو سکتا ہوگا۔ [2] کتاب النکاح۔ بخاری۔

تھیں جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہو سکتی تھی۔ ازواجِ مطہراتؓ کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا وہ خلوت و جلوت کی شریکِ صحبت تھیں۔ اس لئے مذہبی احکام و مسائل کے علم و اطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع مل سکتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکاتِ شریعت کی تہ تک پہنچنے کی بھی قابلیت ہو۔ جس میں یہ قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا۔

حضرت عائشہؓ مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں۔ اس لئے قربِ صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہؓ سے مخالفت کرتی تھیں اور انصاف بالائے طاعت امت اکثر مسئلوں میں اُن کے فہم و دقتِ نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپؐ تمام ازواجِ مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے۔ ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے۔ جب ان کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ زرقانی میں حضرت ام سلمہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتدا حضرت ام سلمہؓ سے ہوتی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواجِ مطہراتؓ آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی۔ کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج میں کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطفِ صحبت اٹھاتی تھیں۔ آنحضرتؐ کے شرفِ صحبت نے جس طرح ان آئینوں کو جلادی تھی اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہو سکتا ہے جس میں جناب عائشہؓ کو منافقین نے متہم کیا تھا۔ اس سے بڑھ کر حریفوں کے لئے انتقام کا کیا موقع مل سکتا تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے میں آلودہ ہو گئے تھے۔ تاہم ازواجِ مطہراتؓ کا دامن صاف رہا۔ حضرت

عائشہؓ کی بڑی حریف حضرت زینبؓ تھیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے استفسار فرمایا تو انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ حاشا یہ محض تہمت ہے۔ حضرت عائشہؓ جب واقعۂ افک کا ذکر کرتی تھیں تو ہمیشہ حضرت زینبؓ کی پاک باطنی کی شکر گزاری ظاہر کرتی تھیں۔ چنانچہ بخاری کی متعدد روایتوں میں تفصیلاً مذکور ہے۔

آنحضرتؐ جس طرح ازواجِ مطہراتؓ کی خاطر داری فرماتے اور اُن کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا:

ایک دفعہ ازواجِ مطہراتؓ سفر میں تھیں۔ ساربان اونٹ کو تیز ہانکنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا "دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں"۔

حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے کھانا پکا کر آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔ آپؐ اُس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا۔ آنحضرتؐ نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کئے اور اُن کو جوڑا۔ پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا[1]۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے اور حضرت عائشہؓ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہؐ سے چلا کر بولتی ہے۔ آنحضرتؐ بیچ میں آگئے اور حضرت عائشہؓ کے آڑے آگئے۔ حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا "کیوں؟ کس طرح تم کو بچا لیا"۔ چند روز کے بعد حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی۔ بولے کہ مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجئے جیسا کہ اس

---

[1] بخاری میں یہ روایت کتاب النکاح کے ذیل میں ہے لیکن ازواج کے نام نہیں۔ نسائی میں نام کی تصریح ہے لیکن روایت میں کسی قدر اختلاف ہے۔

موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں اور ہاں"[1]

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ "تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں"۔ بولیں "کیونکر"؟ ارشاد ہوا جب تو خوش رہتی ہے اور کسی بات پر قسم کھاتی ہوتی ہے تو یوں قسم کھاتی ہے "محمدؐ کے خدا کی قسم" اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے "ابراہیمؑ کے خدا کی قسم"۔ حضرت عائشہ نے کہا "ہاں یا رسول اللہؐ! میں صرف آپؐ کا نام چھوڑ دیتی ہوں"[2]

حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سن تھیں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ آنحضرتؐ اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں۔ آپؐ اُن کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کرتے[3]۔

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں جس کو حراب کہتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں پٹہ بلا تے ہیں حبشی اس سے کھیلتے ہیں۔ ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ آنحضرتؐ آگے کھڑے ہو گئے حضرت عائشہؓ دوش مبارک پر رخسار رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں؟ بولیں "نہیں"۔ آپؐ چپ رہے۔ یہاں تک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں۔ آنحضرتؐ باہر سے تشریف لائے۔ گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے۔ آپؐ نے فرمایا "یہ کیا ہے"؟ بولیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر بھی تھے۔ آپؐ نے تبسم فرمایا[4]۔ عوام میں مشہور ہے کہ پہلے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ نے اس بنا پر کہ گھوڑوں کی سیر میں اُن کی نماز قضا ہو گئی تھی، پر کٹوا دیئے۔ اس وقت سے پر جاتے رہے، لیکن نشان اب بھی باقی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔ [2] صحیح مسلم۔ [3] صحیح مسلم۔ [4] ابوداؤد کتاب الادب۔

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ "آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں"۔ حضرت عائشہؓ اس وقت تک دُبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں۔ جب سن زیادہ ہوا اور پُراندام ہوگئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی۔ اب کی وہ پیچھے رہ گئیں۔ آپؐ نے فرمایا "یہ اُس دن کا جواب ہے"۔[1]

ازواجِ مطہراتؓ اور اہل و عیال کی سادہ زندگی

انسان بذاتِ خود فاقہ کشی کر سکتا ہے۔ سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے۔ زخارفِ دنیوی کو کلیتہً چھوڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے اعزہ و اقربا بالخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل و عیال کے جھگڑوں سے الگ رکھا ہے۔ دُنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرتؐ کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے۔ آپؐ کی نو بیبیاں تھیں جن میں بعض ناز و نعمت میں پلی تھیں۔ اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے اُن کا قدرتی میلان غذائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہو سکتا تھا۔ متعدد صغیر السن بچے تھے جن کو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کر سکتی تھی۔ آنحضرتؐ کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا، اعزہ، اولاد و ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ سخت محبت تھی۔ آپؐ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کر دیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی۔ لیکن بایں ہمہ آنحضرتؐ نے اپنی ذات کی طرح اُن کو بھی زخارفِ دنیوی کا خوگر نہیں بنایا۔ بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک کی۔ اس بنا پر آپؐ کے تمام خاندان کی زندگی آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی۔

حضرت فاطمہؓ آپؐ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ لیکن انہوں نے آپؐ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے

---

[1] ابوداؤد

پڑ گئے تھے۔ بار بار مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑ دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے۔ چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے۔ لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرتؐ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپؐ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء و یتامیٰ کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے۔ دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھلجاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔[1]

صرف یہی نہیں کہ خود عام طریقۂ اظہار محبت کے خلاف اُن کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس قسم کی جو چیزیں اُن کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں اُن کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے اُن کو سونے کا ایک ہار دیا۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا "کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہؐ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے"۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے اُس کو فوراً بیچ کر اُس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔[2]

ایک دفعہ آپؐ کسی غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پہ پردہ لگایا اور امام حسنؓ و امام حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپؐ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس چلے گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو آپؐ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے۔ بچے آپؐ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے۔ آپؐ نے فرمایا "یہ میری اہل بیت ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف دنیا سے آلودہ ہوں۔ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لئے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ"۔[3]

---

[1] ابو داؤد۔ [2] ابو داؤد و نسائی کتاب الزینۃ۔ [3] نسائی کتاب الزینۃ۔

ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ آپؐ کو جو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیا دارانہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ازواجِ مطہراتؓ نے جب اچھے کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے ان سے ایلا کر لیا۔

تمام ازواج میں آپؐ کو حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ لیکن یہ محبت رنگین لباسوں اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی ظاہر نہیں ہوئی۔ تمام بیبیوں کا جو لباس تھا، وہی حضرت عائشہؓ کا تھا۔ چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں:

ما کانت لاحدانا الاثوب واحد[1] ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔

اگر کبھی اس کے خلاف ان کے بدن پر دنیوی آرائش کے سروسامان نظر آتے تو آنحضرتؐ ان کو منع فرماتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سونے کے کنگن (نسکتہ) پہنے۔ آپؐ نے فرمایا "اگر ورس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں تو بہتر ہوتا"۔

تمام اہل وعیال و خانوادۂ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پُرتکلف و ریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں۔ آپؐ ان سے منع فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو۔

انتظامِ خانگی اگرچہ ازواجِ مطہراتؓ کی تعداد ایک زمانہ میں نو تک پہنچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے۔ تاہم آپؐ کو خود بنفس نفیس ان چیزوں سے سروکار نہ تھا۔ اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہو جاتا۔ یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپؐ اس وقت تک گھر میں نہ جاتے جب تک وہ بھی

---

[1] صحیح بخاری ج اوّل۔

کارِ خیر میں صرف نہ ہو جاتا۔ لیکن ازواجِ مطہراتؓ اور مہمانوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلالؓ کے متعلق تھا۔ ابوداؤد میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا اور آغاز سے اخیر زمانہ وفات تک میرے ہاتھ میں رہا۔ معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا میں جا کر کہیں سے قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا۔[1]

اہل و عیال کے مصارف کا انتظام ازواجِ مطہراتؓ کے لئے یہ انتظام تھا کہ بنو نضیر کے نخلستان میں اُن کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لئے کافی ہوتا۔[2] خیبر فتح ہوا تو ازواج کے لئے فی کس اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو سالانہ مقرر ہو گئے۔ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض ازواج نے جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں، پیداوار کے بدلے میں زمین لے لی۔[3]

---

[1] ابوداؤد جلد دوم باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین [2] صحیح بخاری [3] صحیح بخاری کتاب المزارعہ جلد اوّل۔

تَمَّ الْمُجَلَّدُ الثَّانِیْ مِنَ السِّیْرَۃِ النَّبَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ